خواجہ غریب نواز اجمیریؒ
کے
حقیقی سجّادہ نشین
پروفیسر ڈاکٹر سید آلِ اظہر آنس

اے بادِ صبا آہستہ رو حد ادب محلوظ رکھ
اور پیغام فراق غم کو بھی ملحوظ رکھ
کوئے پاکِ خواجہ اجمیر میں چل سر کے بل
حرفِ مطلب پیش کر خاطر کو بھی ملحوظ رکھ

خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

کے

حقیقی سجادہ نشین

پروفیسر ڈاکٹر سید آلِ اظہر آنس

خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

کے

حقیقی سجادہ نشین

پروفیسر ڈاکٹر سید آلِ اظہر آنس

ابوالحسن پرنٹنگ پریس

خوشاب۔ پاکستان

کتاب:۔	خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے حقیقی سجادہ نشین
مرتب ومؤلف:۔	پروفیسر ڈاکٹر سید آلِ اظہر آنس 0333-5725100
مطبع:۔	ابوالحسن پرنٹنگ پریس خوشاب فون۔ 0454-711400
ناشر:۔	دارالعلوم معینیہ چشتیہ گلشن سلطان الہند اجمیری
نگران طباعت:۔	حبیب الرحمٰن اجمیری
اشاعت اول:۔	جون 2009ء
تعداد:۔	1500
کمپوزنگ:۔	محمد سلیم ناصر چشتی اجمیری (ملتان)
قیمت:۔	-/400 روپے
ویب سائٹ:۔	www.sultanulhind.com

ملنے کا پتہ

دارالعلوم معینیہ چشتیہ
گلشن سلطان الہند اجمیری
پوسٹ آفس قطبال تحصیل فتح جنگ ضلع اٹک
0300-5027047

المدینہ دارالاشاعت
یوسف مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' 38۔اردو بازار لاہور۔
فون: 7312801-7320682

مدینہ بک ڈپو
مین بازار خوشاب
0454-710803

هوالمعین

سلسلہ عالیہ چشتیہ سے بالخصوص شیخ المشائخ حضرت دیوان سید آلِ رسول علی خاں رحمتہ اللہ علیہ سے وابستہ ان احباب، معتقدین متوسلین اور مریدین کے نام جن کا اخلاص، عقیدت اور محبت مجبور کرتی رہی کہ ایک ایسی کتاب وقت کی ضرورت ہے، جس میں حضور خواجہ غریب نوازؒ اجمیری کے حقیقی سجادہ نشین کی حیات، کردار وعمل، عظمت، شان، مقام اور معیار کا بیان ہو۔

فہرست عنوانات

شیخ المشائخ حضرت قبلہ دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ

سجادہ نشین اجمیر شریف

وصال۔1973ء

شیخ المشائخ حضرت قبلہ دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ

سجادہ نشین اجمیر شریف

وصال۔ 2001ء
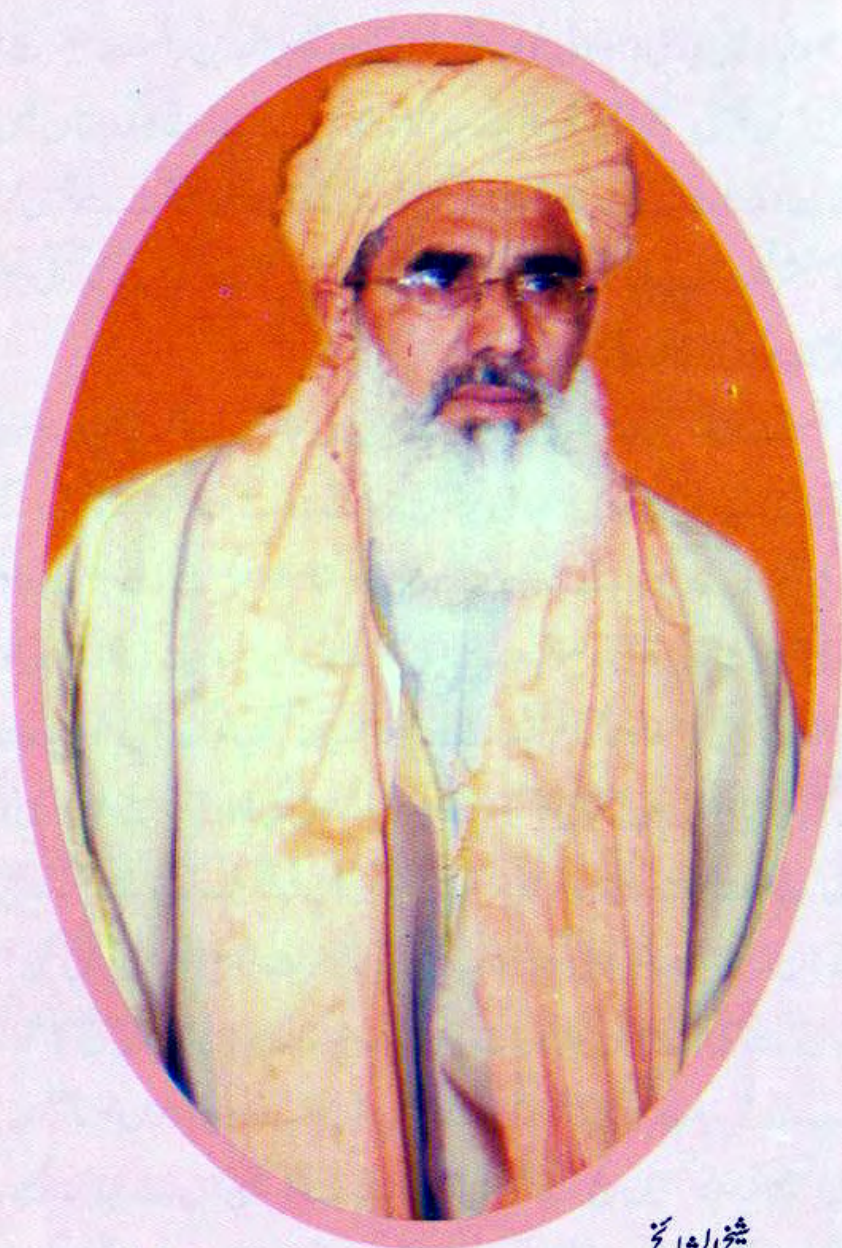
شیخ المشائخ
حضرت قبلہ دیوان سید آلِ حبیب علیخاں صاحب دام اقبالہٗ
سجادہ نشین اجمیر شریف

ابتدائیہ

صوفیاء میں جدی ومولائی خواجہ ءکل خواجگان، معین الدین والملت حضرت خواجہ معین الدین حَسن چشتی ؒ ثُمَّ اجمیری کا ایک جداگانہ مقام ہے آپ نے ہندوستان میں اپنی صوفیانہ صفات وعادات کے ذریعے اسلام کی تبلیغ فرمائی یہ وہ تاریخی حقیقت ہے جس کو اپنے پرائے اور مستشرقین سب بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں چنانچہ یہ بات یقینی ہے کہ حقیقی تصوف اسلام سے علیحدہ کوئی اور نظریہ نہیں ہے۔

تصوف حقیقتاً کیا ہے اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ یہ ایک روحانی علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص خاص بندوں پر فضل فرماتے ہوئے عطا کرتا ہے جس کے بعد ان لوگوں کی نظروں میں دنیا کے بڑے بڑے مرتبہ ومقام اور بڑے سے بڑے جاہ وحشم والے کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ صوفیاء اپنے اسی علم کے ذریعہ انسانیت کی فلاح اور خوشحالی کیلئے کام کرتے ہیں۔ صوفیاء کرام اللہ کے وہ انعام یافتہ منتخب لوگ ہیں جو دنیا سے دور رہتے ہیں لیکن دنیا والوں کی بہتری کا سوچتے اور دنیا والوں کی فلاح چاہتے ہیں یہی وجہ کہ لوگ ان کی بے لوث محبت سے متاثر ہو کر کشاں کشاں ان کی طرف کھچے چلے آتے ہیں اور مراد پاتے ہیں۔ حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ جن کے حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی انتہائی معتقد تھے ان سے کسی نے عرض کیا میرے پاس ایک ہزار درہم ہیں اور میں حج کا خواہشمند ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ رقم کسی مقروض کے قرض میں دے دو یا یتیموں اور مفلس عیال داروں میں تقسیم کر دو تو تمہیں حج سے بھی زیادہ ثواب ملے گا لیکن اس نے کہا کہ مجھے حج کی بہت خواہش ہے آپ نے فرمایا شاید تو نے ناجائز طریقے سے یہ دولت حاصل کی ہے اس لئے زیادہ ثواب کا خواہشمند نہیں۔

صوفیاء کرام ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا مقدم رکھتے ہیں۔سخت سے سخت ریاضت اور شبانہ روز عبادات اور پرہیز گاری کے سبب اپنے خالق و مالکِ حقیقی کو اس طرح اپنا بنا لیتے ہیں کہ ان کی مرضی ان کی مرضی نہیں رہتی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ رؤف الرحیم ان پر اتنے احسانات اور کرم فرماتا ہے کہ مادی دنیا کا ایک عام سوچ رکھنے والا انسان ان کے مرتبہ و مقام اور قدرت و اختیار کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔صوفی حضرات ان باتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں کہ کوئی ان کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے ویسے بھی کور چشمی کے سبب اگر دن کے وقت سورج چمکتا ہوا نظر نہ آئے تو اس میں سورج کا گناہ نہیں بلکہ وہی شخص قصور وار ٹھہرایا جائے گا جو ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سورج کی حقیقت کو ماننے سے انکار کرے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے صوفیاء کرام اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہوتے ہیں اور اپنی ساری زندگی خوشنودیٔ مولا میں بسر کر کے بلند مقامات پاتے ہیں مرشدِ کامل کی رہنمائی میں سلوک کی کٹھن منازل طے کرتے ہیں۔بڑی بات یہ کہ کشف و کرامت کا حصول ان کی منزل کبھی نہیں ہوتا یہ تو اس قادرِ مطلق کا ان لوگوں پر خاص احسان ہوتا ہے جس کے ذریعہ یہ لوگ بنی نوعِ انسان کی خدمت کرتے ہیں ورنہ ان کا صرف ایک مقصدِ حیات ہوتا ہے کہ جس طرح بھی ہو تقربِ الٰہی کا اعلیٰ مقام حاصل کیا جائے، بلکہ یہ صوفی حضرات بعض اوقات اِس کشف و کرامات کو اپنی منزل کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہماری یہ خاصیت سلب کر لے تا کہ یکسوئی سے تیری طرف آگے بڑھتے رہیں۔

لفظ صوفی کا متفقہ مآخذ بیان کرنا مشکل ہے تاہم کہا جاتا ہے کہ ''صوف'' زیب تن کرنے والے کو صوفی کہا جاتا تھا یہ ایک اونی لباس تھا جو صبر کی علامت سمجھا جاتا تھا چنانچہ

''کتاب اللمع فی التصوف'' کے مصنف طاؤس الفقراء ابو النصر سراجؒ فرماتے ہیں کہ ان کے نزدیک صوفیاء اپنے ظاہری لباس سے پہچانے جاتے تھے جیسے سفید لباس پہننے کے باعث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو قرآنِ حکیم میں ''الحواریون'' کہا گیا (المائدہ: ۱۲-۱۳) اور اون کا لباس پہننا عمومیت کے ساتھ انبیاء و اولیاء و اصفیاء کا شعار رہا ہے اسی لئے صوفیاء کو صوف کے لباس سے منسوب کیا گیا۔ علاوہ ازیں جبّتہِ الصُوف پہننا حضور ﷺ سے بھی ثابت ہے (بحوالہ کتاب اللباس صحیح بخاری: حدیث نمبر ۴۷۷)۔ تاہم امامِ ربانی غوثِ صمدانی الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ شانِ فقر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عزیزِ من! روکھا سوکھا کھانے اور موٹا جھوٹا کپڑا پہننے میں شان نہیں ہے۔ شان دِل کے زہد میں ہے۔ سچا صوفی پہلے اپنے دل پر کمل ڈالتا ہے' اس کے بعد اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ پہلے اس کا باطن صوفی بنتا ہے پھر قلب' اس کے بعد نفس۔ بعد ازاں اس کے اعضاء۔ یہاں تک کہ سراپا کمل پوش ہو جاتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت' شفقت اور احسان کا ہاتھ بڑھتا ہے اور اس مصیبت زدہ کی حالت بدل دیتا ہے۔ اس کے بدن سے سیاہ کپڑے اتار کر مسرت کا جامہ پہناتا ہے۔ تکلیف کو راحت سے' ناگواری کو فرحت سے' خوف کو امن سے' دوری کو قربت سے اور افلاس کو تونگری سے تبدیل کر دیتا ہے''۔ (الفتح الربانی۔ ص ۱۲)

چشتی صوفیائے کرام ذکر کی محافل منعقد کر کے اپنی روحانیت بڑھاتے ہیں اور قوالی کی شکل میں عارفانہ کلام سن کر تزکیۂ نفس کرتے ہیں ایک روحانی پیشوا رابعہ بصریؒ متوفی ۸۰۱ء کہتی ہیں روحانیت کا سرچشمہ محبت ہے اور خدا کی محبت مجھ میں اس قدر رچ بس گئی ہے کہ کسی اور کی محبت یا نفرت میرے دل میں نہیں رہی' حضرت جنید بغدادیؒ' مولانا شبلیؒ' شیخ فرید الدین عطارؒ اور خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ گروہِ صوفیاء کے چیدہ چیدہ نام ہیں۔

یہ سوال عام طور پر کیا جاتا ہے کہ ان صوفیانہ نظریات کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ابتدائی زمانے میں نبی اکرم ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد بھی دورِ خلافت تک اِسلام اپنی پوری صلاحیتوں اور روحانی تقاضوں کے ساتھ جلوہ گر تھا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسا محسوس ہونے لگا کہ مسلمانوں میں رسمِ اذاں تو قائم ہے مگر روحِ بلالی میں کمی آتی جارہی ہے۔ اسلامی تصور کے مطابق صوفی حضرات نے اس موقع پر خوفِ خدا، عشق خدا اور عشقِ رسول ﷺ کو اساس بنا کر احکام شریعت اور طریقت کے ملاپ کا ایک ایسا راستہ طے کیا جس پر عمل پیرا ہو کر اسلامی اقدار کو صحیح روح کے ساتھ برتا جا سکے۔

صوفی ادراک اور احساس کے مراحل سے گزر کر علم، عمل اور حال کے مدارج سے گزرتا ہے۔ ان تمام مراحل و مدارج کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ نفس بنتا ہے۔ اس نفس کو مسلسل ریاضتوں کے ذریعہ مار کر صوفیاء کرام وہ علم لدنی حاصل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے ملتا ہے آگے چل کر اس علمِ لُدنی کو مزید چار درجات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

وحی: وہ پیغام جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خاص طور پر پیغمبروں کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

الہام: الہامی خواب کے ذریعہ جس میں نوعِ انسانی کی فلاح کیلئے کچھ سکھایا یا بتایا جاتا ہے۔

درجہ فراست: روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ کر وہ فراست اور ذہانت حاصل کرنا جو اولیاء اللہ کا وصف ہے۔ (جس کے بارے میں حدیثِ پاک میں ارشاد ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نُور سے دیکھتا ہے)

کشف :- عقل سے بالا وہ علم جس میں ارضی اور سماوی امور کے بارے میں اللہ کے فضلِ عظیم کی برکت سے چنیدہ بندے کو خاص روحانی علم مل جاتا ہے۔

صوفی اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین اور ضبطِ نفس کے باعث عام انسانوں سے اس طرح ممتاز ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے والدین، بچوں، مال و دولت طاقت مرتبہ اور ہمہ قسم آرام سے بالا ہو کر کائنات کے حقیقی مالک کی عظمت و محبت دل میں رکھتا ہے ایک مرتبہ حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ اپنے بچے کو آغوش میں لیے ہوئے پیار کر رہے تھے کہ بچے نے سوال کیا کہ کیا آپ مجھے محبوب تصور کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک۔ پھر بچے نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی محبوب سمجھتے ہیں تو ایک قلب میں دو چیزوں کی محبت کیسے جمع ہو سکتی ہے؟ یہ سنتے ہی بچے کو آغوش سے اتار کر عبادت میں مصروف ہو گئے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: عارف کی شناخت یہ ہے کہ بغیر علم کے خدا کو جانے، بغیر آنکھ کے دیکھے بغیر سماعت کے اُس سے واقف ہو، بغیر مشاہدے کے اس کو سمجھے، بغیر صفت کے پہچانے اور بغیر کشف و حجابات کے اس کا مشاہدہ کر سکے یعنی ذاتِ باری میں فنائیت کی یہ علامتیں اور انعامات ہیں جیسا کہ خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''جس کو میں دوست (ولی) بناتا ہوں تو میں اُس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے اور اُس کی آنکھیں بن جاتا ہوں کہ جن سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور بن جاتا ہوں اُس کے پاؤں جن سے وہ چلتا ہے، اور مجھ سے وہ مانگتا ہے تو میں اُسے دیتا ہوں اور جب پناہ مانگتا ہے میرے ذریعے سے تو اُسے پناہ دیتا ہوں اور جس کام کو میں کرنے والا ہوتا ہوں اُس میں تردّد اور توقف نہیں کرتا۔'' (حدیث قدسی رَوَاہ البُخارِی)

اس حدیث پاک کی ابتداء اس روح پر وراراده ءالٰہی سے ہوتی ہے۔"فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ جس شخص نے میرے کسی دوست (ولی) کو اذیت دی' میں اُس سے لڑائی کا اعلان کرتا ہوں۔"

توبہ کا ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں مریض قلب کی چار علامتیں ہیں۔ اول عبادت میں لذت کا فقدان۔ دوم خدا سے خوفزدہ نہ رہنا۔ سوم دنیاوی امور سے عبرت حاصل نہ کرنا۔ چہارم یہ کہ علم کی باتیں سننے کے بعد عمل نہ کرنا پھر فرمایا عوام معصیت سے اور خواص غفلت سے توبہ کرتے ہیں لیکن توبہ کی دو قسمیں ہیں اول توبہ انابت یعنی انسان کا خدا سے ڈر کر توبہ کرنا' دوم توبہ استجابت' بندہ کا ندامت سے تائبؔ ہونا یعنی اس پر نادم ہو کہ میری ریاضت عظمتِ خداوندی کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس مقام پر صوفی اپنی مرضی ختم کر کے فنافی اللہ ہو جاتا ہے۔

صوفیاء کے چار مشہور سلسلے ہیں جن میں قادریہ' چشتیہ' سہروردیہ اور نقشبندیہ چاروں سلاسل حق ہیں اور چاروں کا مقصود اللہ اور اس کے رسولِ کریم ﷺ کی محبت وعقیدت میں زندگی بسر کرنا ہے۔

تصوف صوفیاء کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ صوفیا دیگر امور کی طرف متوجہ ہونے سے قبل تزکیۂ نفس کا اہتمام کرتے ہیں' ان کے نزدیک دین کا مقصد' نجات ہے اور قربِ خداوندی کے حصول کے لئے اپنے نفس کا تزکیہ انتہائی ضروری ہے۔ بزرگانِ دین اور صوفیاء کرام اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ پورے دین پر عمل کیا جائے اور کامل دین دار بنا جائے' شریعت کے تمام احکام تسلیم کیے جائیں اور ان پر دل وجان سے عمل کیا جائے' یہ احکامات چاہے انسان کے ظاہر سے متعلق ہوں یا انسان کے باطن سے تعلق رکھتے ہوں۔

دین کے جو احکام ظاہر سے متعلق ہیں چاہے وہ امور ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جیسے نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' کسبِ حلال اور جہاد وغیرہ یا نواہی ہوں جن سے اللہ تعالیٰ

نے دور رہنے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ان تمام احکام پر عمل کرنا صوفیاء بدرجہ اولیٰ اپنے اوپر لازم تصور کرتے ہیں۔یہی وہ امور ہیں جن کی انجام دہی سے انسان میں صبر وشکر تقویٰ اخلاق اور رضائے الٰہی جیسے خواص پیدا ہو جاتے ہیں۔صبر وشکر وغیرہ ہی وہ صفاتِ عالیہ ہیں جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں بہت زیادہ ترغیب وتاکید ملتی ہے کہیں

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْ (آل عمران: ۲۰۰)

اے ایمان والو صبر کرو

وَاشْكُرُوْالِىْ وَلَا تَكْفُرُوْن (البقرة: ۱۵۲)

اور شکر کرو اور انکار کرنے والے نہ بنو

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰه (البقرة: ۲۷۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو

جیسے احکامات دیئے گئے تو کہیں ان کے نتیجہ کے طور پر یہ خوشخبری دی گئی ہے۔

رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْه (البینہ: ۷۔۸)

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

تکبر، غیظ، حرص اور ریاء وغیرہ جیسے اخلاق رزیلہ سے دور رہنے کے لئے صوفیاء نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگی ہے اور اپنے عمل سے بھی تزکیۂ نفس کا حق ادا کرنے کی مسلسل سعی فرمائی ہے۔

صوفیاء اخلاق حمیدہ پر بہت زور دیتے ہیں۔صرف تواضع ہی نہیں بے ریا یعنی قلبی تواضع ان کی عادت کا لازمی حصہ ہوتی ہے نیز شکر کے تمام تر مواقع پر زبانی، عملی اور قلبی شکر ادا کرنا اور صبر کے تمام مواقع پر صبر کرنا ان کی حیات مبارکہ کا خاصہ ہوتا ہے۔لطف کی بات

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تزکیہء نفس کے تمام طریقے اور ان کی اہمیت بیان کی ہے اس کے باوجود خالقِ کائنات نے رسول کریم ﷺ کو مزکی بنا کر انسانوں کی کردار سازی بالخصوص ان کے تزکیہء نفس کے لئے عملی نمونہ بنا کر بھیجا ہے یہ حقیقت اس امر کو سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ تزکیہ کے لئے مزکی کا ہونا ضروری ہے دورِ رسول کریم ﷺ میں آپ مزکیؐ اور شیخ تھے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین اور تابعین وغیرہم اپنے اپنے ادوار میں مزکی اور شیخ کا درجہ رکھتے تھے۔

قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی، محبوبِ سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی تصنیفِ لطیف ''سرّ الاسرار'' میں ارشاد فرماتے ہیں: ''بصیرت روح کی آنکھ ہے جو اولیاء کے لئے مقامِ جان میں کھلتی ہے، یہ آنکھ ظاہری علم سے وانہیں ہوتی۔ اس کے لئے علمِ لدُنی چاہے جو باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ ارشادِ ربِ قدوس ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکھف:٦٥)

(''اور ہم نے سکھلایا تھا اُسے اپنے پاس سے (خاص) علم'')

لہٰذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہل بصیرت کی یہ آنکھ کسی ولی کامل، صاحبِ تلقین عالم لاہوت سے باخبر مرشدِ کامل کے ذریعے حاصل کرے۔ اے بھائیو! ہوش میں آؤ اور توبہ کرکے اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو اور اس راہِ سلوک میں داخل ہو جاؤ اور روحانی قافلوں کے ساتھ اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ۔ قریب ہے کہ راستہ منقطع ہو جائے اور کوئی ہم سفر نہ رہے۔ یاد رکھو کہ ہم اس کمینی دنیا کو بسانے نہیں آئے۔ ہمیں اس خرابات سے آخر کوچ کرنا ہے۔ دوستو! ہمیں خواہشاتِ نفس کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ دیکھو! تمہارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے لئے چشمِ براہ ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنی امت کے ان لوگوں کے لئے غمگین ہوں جو آخری زمانہ میں ہوں گے''۔ (سرّ الاسرار: ص ٢٨)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری (م ۴۶۵ھ) نے اپنی تصنیف رسالہ قشیریہ میں فرمایا: ''ارادت' راہ طریقت کی ابتداء ہے اور یہ اللہ کی طرف جانے کا ارادہ رکھنے والوں کی پہلی منزل کا نام ہے۔ لہٰذا اشتقاق کے اعتبار سے مرید وہ ہے جس میں ارادہ پایا جائے۔' بیشتر مشائخ کا قول ہے کہ عام عادت پر چلنا چھوڑ دینا ارادت کہلاتا ہے۔ مگر حقیقت میں ارادت یہ ہے کہ دل طلبِ حق میں اُٹھ کھڑا ہو۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ارادت ایک ایسی جلن ہوتی ہے جو ہر قسم کی گھبراہٹ آسان کر دیتی ہے۔ درحقیقت ہر مرید مراد بھی ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ اللہ کا ''مراد' نہ ہوتا تو وہ مرید بھی نہ ہوتا۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ اسے چاہتا ہے تو اسے ارادت کی توفیق بھی دے دیتا ہے۔''

(رسالہ قشیریہ ص ۴۰۸)

تزکیۂ نفس کے بالعموم دو طریقے معروف ہیں جن میں ایک مجاہدۂ نفس یعنی خواہشاتِ نفس کی مخالفت اور دوسرے تقرب بالنوافل یعنی اذکار و نوافل وغیرہ سے تقرب الی اللہ کا حصول ہے دونوں طریقے اگرچہ قرآن و سنت سے ثابت ہیں تاہم مجاہدہ کے ذریعہ تزکیہء نفس سلف الصالحین میں زیادہ مروج تھا صوفیاء مجاہدوں کے بعد مزید قرب الٰہی کے لئے ذکر اذکار میں مصروف رہا کرتے تھے۔

سورۃ عنکبوت میں مجاہدہ کی اہمیت بیان کی گئی ہے نیز مشکوٰۃ شریف میں فرمانِ رسول کریم ﷺ ہے ''مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے''

صاحبِ تذکرۃ الاولیاء نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب کو دیکھا کہ ویرانے میں ایک درخت کے ساتھ اپنے آپ کو رسی سے باندھ کر الٹا لٹکا رکھا ہے اور شور مچا مچا کر کہہ رہے ہیں نہیں چھوڑوں گا تو سمجھتا کیا ہے۔ جب تک راہِ راست پر نہیں آئے

گانہیں چھوڑوں گا۔ کافی دیر تک یہی سلسلہ جاری رہا ہے۔ پھر اچانک فرمایا کہ ہاں! اب راہ راست پر آیا۔ لیکن یاد رکھ اس بار چھوڑ رہا ہوں اگلی بار ایسی حرکت کی تو اس سے بھی سخت سزا دوں گا۔

شور سن کر جو لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے یہ منظر دیکھ کر حیران تھے۔ وہ صاحب جب اپنے آپ کو رسی کی قید سے آزاد کر کے نیچے اترے تو ان سے حال دریافت کیا۔ جواباً ان بزرگ نے فرمایا میرا نفس باغی ہو رہا تھا۔ مجھ سے الٹی سیدھی فرمائشیں کر رہا تھا لہٰذا میں نے اسے سزا دینے کے لئے الٹا لٹکا دیا تھا اب اس نے معافی مانگی تو میں نے بھی اسے آزاد کر دیا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ وہ اپنی زبان کھینچ رہے ہیں عرض کیا کہ خلیفۂ رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے یہ کیا کر رہے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس زبان نے مجھے بہت مصیبتوں میں مبتلا کیا ہے''۔

مشائخ چشت میں مجاہدہ پر بہت زور دیا جاتا ہے بلکہ یہی مجاہدہ تقرب بالنوافل کا شوق پیدا کر دیتا ہے اور نتیجتاً صوفی کی پوری زندگی عبادت بن جاتی ہے۔ صوفی اور مشائخ شریعتِ مطہرہ کے پابند ہوتے ہیں اور یہ اتباع سنت و شریعت ان کی روح کو توانا حوصلہ مند اور موثر بنا دیتی ہے۔

صحبت طالع ترا طالع کند
صحبت صالح ترا صالح کند

اسی لئے بزرگانِ دین اور اہل اللہ کی صحبت جس کثرت سے ممکن ہو اسکے حصول کی کوشش کرنی چاہیے صحبت صالح اگر کسی مجبوری کے سبب میسر نہ آ سکے تو بزرگوں کے حالات و واقعات، سوانح اور مقالات کا مطالعہ بڑی حد تک ان کی صحبت کا نعم البدل بن سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ شیخ کامل کی صحبت اور اس کے حالات کا مطالعہ ایک طالبِ حق کو مجاہدہ کا طریقہ بتاتا ہے امراضِ نفسانی سے بچنے کی راہ دکھاتا ہے خلقِ خدا کے ساتھ حسن سلوک اور کمال تواضع کی تعلیم دیتا ہے نیز اخلاقِ رزیلہ کا تدارک بھی کرتا ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اس وثوق کے ساتھ حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانہء عالیہ اجمیر شریف کے حالات وواقعات اخلاق واخلاص اور کردار وعمل کی جھلک نذر قارئین کی جاتی ہے جس کے ذریعہ آپ کی درویشانہ زندگی، عزم و استقلال اور آپ کی محبت وایثار کا ایسا نقش واضح ہو سکے گا جس سے معلوم ہو کہ آپ ان خواجہ بزرگ کی اولاد اور جانشین ہیں جن کی تعلیم یہ رہی ہے کہ صوری حیثیت سے اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو، جب اس سے کوئی بات خلافِ شریعت سرزد نہ ہوگی تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا، جس کا نام طریقت ہے جب اس میں ثابت قدم رہے گا تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا اور جب اس میں بھی پورا اترے گا تو حقیقت کا مرتبہ پائے گا اس کے بعد وہ جو کچھ مانگے گا اس کو ملے گا۔

حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف ہونے کا جو شرف رکھتے تھے وہ اپنی جگہ قابلِ تکریم تھا لیکن قیامِ پاکستان کے سلسلے میں آپ کی مساعی اور قربانیاں اس بات کی متقاضی تھیں کہ حضرت کی زندگی کے اہم اور تاریخی واقعات ضبطِ تحریر میں لاکر ہمیشہ کیلئے محفوظ کر لیے جائیں۔ اس کے علاوہ بحیثیت مذہبی پیشواء، بحیثیت مصلح قوم، بحیثیت مخلص و بے ریا انسان، بحیثیت متقی و پرہیز گار انسان اور بحیثیت شاعر آپ کی خدمات سے عوام وخواص کو متعارف کرانا انسان دوستی ہی نہیں اصلاح نفس کا سبب بھی ہوگا۔

حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی زندگی شریعتِ مطاہرہ کی زیادہ سے زیادہ پابندی میں گزاری۔ آپ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ آج کل کے دور میں اس سے بڑی کرامت اور کوئی نہیں کہ انسان اللہ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے تابع رہ کر اپنی زندگی گزار دے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اولیاء اللہ نے اپنی ذات سے کرامت کے ظہور کی نہ تو خواہش کی اور نہ ہی اس ظہور کو پسند فرمایا کیونکہ کرامت کا ظہور خلق اللہ کو ان کے گرد اس طرح جمع کر دیا کرتا ہے کہ ان کی عبادت و ریاضت میں یکسوئی متاثر ہونے لگتی ہے چنانچہ حضرات اولیاء کرام اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ یہ خرق عادت کی کیفیت جلد از جلد ان سے دور ہو جائے تا کہ ان کی ریاضتوں کی چاشنی اور لذت بحال ہو جائے۔

آج جب میں حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح محفوظ کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تو مجھے وہ واقعات یاد آ رہے ہیں جو آپ کے وصال کے بعد لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے بیان کئے تھے ان میں سے اکثر نے کہا ہم نے باباجی کے سفر آخرت کے موقع پر کندھا دیا اور اس کی برکت سے ہماری فلاں فلاں مشکلات حل ہو گئیں اور فلاں مسئلہ جو ایک طویل عرصہ سے حل طلب تھا اس طرح حل ہو گیا کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے خواب میں آپ کی زیارت کی جس میں آپ نے ان کو مختلف امور کے بارے میں بشارت دی تھی۔

اسی طرح ایک طویل عرصہ کے بعد جب آپ کے جسد مبارک کو گلشن سلطان الہند منتقل کیا گیا تو وہاں موجود بہت سے افراد نے بیک زبان کہا کہ ہم نے نماز فجر کے بعد آسمان پر کمان کی شکل میں ایک روشنی نمودار ہوتی دیکھی جو پشاور کی جانب سے آپ کے آستانے کے مقام پر ظاہر ہوئی تھی۔

یہی نہیں آپ کی حیات مبارک میں اور آج تک بہت سے عقیدت مند آپ کی ذات سے وابستہ بے شمار کرامات ذکر کرتے ہیں۔ راقم نے جیسا کہ اوپر ذکر کیا حضرت کرامت کے بارے میں کیا خیال ظاہر کرتے تھے اسی کے پیش نظر میں نے بھی اس عنوان کے تحت ایک علیحدہ باب قائم کرنا مناسب نہیں سمجھا البتہ آپ کی حیات مبارک کے وہ حالات زیر قلم لایا ہوں جو اس حقیقی زندگی میں ہر شخص کے لئے صرف قابل قبول، قابل عمل ہی نہیں بلکہ سبق آموز اور دلچسپی، دلکشی کا باعث ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود نے کیا خوبصورت بات کہی ہے۔

"چند ہستیاں ایسی بھی ہیں جو شمع کی طرح جلتی ہیں اور چاندنی کی طرح پھیلتی ہیں۔ وہ چمکتی ہیں اور ایک عالم کو چمکاتی ہیں۔ بجھتی نہیں بلکہ ایک نئی آب وتاب کے ساتھ پھر طلوع ہوتی ہیں۔ موت اسی کو مارتی ہے جو موت سے ڈرتا ہے اور جو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ رکھتا ہے اس کے لئے زندگی تو زندگی ہے موت بھی زندگی ہے"۔

لازم ہے کہ انسان ان لوگوں کے حالات پڑھے جو دنیا میں بڑے بڑے انمٹ نقوش چھوڑ گئے ہیں اور ان کی کوشش خلوصِ عمل اور اہمیت کو دیکھے۔ ان مصیبتوں اور تکلیفوں کو جو انہوں نے اپنے نیک مقاصد کی خاطر برداشت کیں ان کو پیش نظر رکھ کر خود اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں سے گھبرانے کے بجائے ان کی سیرت سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے صبر وثبات کا دامن تھامے رکھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (هود: ۱۲۰)

(ہم آپ کو رسولوں کی تمام وہ خبریں سناتے ہیں جو آپ کے دل کو مضبوط کریں)

انسانی زندگی محدود ہے یہ تاریخ اور عظیم لوگوں کی سوانح حیات ایک ایسا ذریعہ ہیں

جن سے ہم زندگی کی کڑیاں زمانہ گزشتہ سے ملا سکتے ہیں۔ بزرگانِ دین کے واقعات کا مطالعہ کرتے ہوئے ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان کا دل عقیدت و محبت کے جذبات سے لبریز ہو۔ ان کی سیرت مبارک سے استفادہ کرنے کے لئے آمادہ ہو۔ اس طرح اِن حضرات کی سیرت کا مطالعہ ان کی ملاقات کا کیف فراہم کرتا ہے۔

حضرت دیوان سید آلِ رسول رحمتہ اللہ علیہ میرے حقیقی دادا تھے لیکن ہم سب لوگ خورد و کلاں ان کو ابا جی کہا کرتے تھے۔ اتنی عظیم شخصیت ہونے کے باوجود وہ کس قدر سادہ اور بے ریا تھے اس کا اندازہ ہر اس شخص نے کیا جس کو ان کی تھوڑی دیر کی رفاقت و زیارت نصیب ہو سکی۔ ہم تو پھر گھر کے افراد تھے چنانچہ ان کو بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

عام طور پر لوگ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کر بہت چڑ چڑے سے ہو جاتے ہیں لیکن ابا جی قبلہ رحمتہ اللہ علیہ آخری عمر میں بینائی سے محرومی کے باوجود بہت برداشت کرنے والے اور بچوں کے شور و غل سے محظوظ ہونے والے تھے۔ ہمارے والدین کبھی کبھی ٹوک دیتے کہ ابا جی کے آرام کا وقت ہے تو آپ فرمایا کرتے: "بچوں کو کھیلنے دو۔ ان کے کھیل کود کی یہی عمر ہے"۔ آپ ہمیں نئے نئے کھیل سکھاتے اور کھیل ہی کھیل سے تہذیب و شائستگی کے آداب بھی سکھاتے۔

ابا جی قبلہ نے ہمیں اتنی محبت دی کہ آج بھی ان کی جدائی شاق گزرتی ہے ان کے وصال کے بعد بھی ایک بار ان کی شخصیت پر قلم اٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن ذہن اور قلم نے ساتھ نہیں دیا پھر بھی دل میں شدید خواہش تھی کہ حضرتِ والا کی زندگی کا ایک ایسا جیتا جاگتا نقشہ ضبط تحریر میں لاسکوں، جس کے سبب ان کی شخصیت کے روشن پہلو وقت کی گرد میں دب کر نہ رہ جائیں۔ میری یہ خواہش کب تک نہاں خانہ دل میں پڑی رہتی، اللہ بہتر جانتا ہے۔

حضرت دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف نے، جو میرے تایا اور سسر بھی تھے، حکم فرمایا کہ حضرت ممدوح رحمتہ اللہ علیہ کے حالات زندگی پر ایک کتاب مرتب کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے اور مریدین ومعتقدین کا اصرار بھی ہے چنانچہ بسم اللہ کر کے اس کام کو شروع کیا۔

اول تو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی، پھر اس کے بعد اس کام کی تکمیل میں جو ذات سب سے زیادہ ممد ومعاون رہی وہ حضرت دیوان صاحب قبلہ تھے۔ آپ نے اپنی لائبریری سے نہ صرف ضروری کتابیں فراہم کیں بلکہ حق یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا آدھے سے زیادہ حصہ کسی نہ کسی طرح آپ ہی کے تعاون کا مرہونِ منت ہے۔ کبھی آپ نے اہم واقعات لکھ کر دیے جن کو بعینہٖ شامل متن کر لیا گیا۔ کبھی آپ نے ان اہم کتب اور دستاویزات کی نشاندہی کی جن کے بغیر یہ کتاب درجہء اعتبار کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ الغرض دامے، سخنے، قدمے ہر طرح آپ کی امداد ساتھ ساتھ رہی۔ حق تو یہ ہے کہ اس کتاب کی ترتیب میں حضرت کا اس قدر تعاون ہے کہ مرتبین اور مؤلفین میں آپ کا اسم گرامی شامل ہونا چاہیے تھا لیکن آپ نے از راہ شفقت ایسا کرنا پسند نہیں فرمایا۔

برادرم دیوان سید آل حبیب علیخاں نے بھی ضروری مشوروں اور پروف ریڈنگ میں مدد کر کے اس کام کو آسان بنایا اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین! دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بحرمتِ سید الابرار ﷺ بطفیل خواجہء بزرگ رحمتہ اللہ علیہ میری یہ سعی اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرمائے اور حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے فیوض وبرکات ان کے تمام متوسلین، معتقدین اور مریدین کے شامل حال رہیں۔

عم محترم پیرزادہ سید آلِ طٰہٰ صاحب مرحوم نے بھی حسب ضرورت اور حسب موقع ماضی کے دریچوں میں جھانک کر اپنے والد بزرگوار کے اجمیر شریف کے شب وروز

اس طرح بیان فرمائے گویا ایک تاریخی فلم نظروں کے سامنے گھوم رہی ہے۔ اِن واقعات اور جزئیات کو بیان کرتے ہوئے آپ کی درد بھری آہیں حقیقتاً دل ہلانے والی تھیں۔ کتاب کی ترتیب و تکمیل حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ میں کر لی گئی تھی۔ میرا دل کسی طرح تیار نہیں کہ اب حالات بدلنے کے بعد آپ کی ذات سے وابستہ واقعات کو حال کے صیغوں سے ماضی میں تبدیل کروں چنانچہ قارئین سے گزارش ہے مجھے اس سلسلہ میں مجبور سمجھیں۔ آخر میں محترم نبی احمد لودھی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے کتاب کی پروف ریڈنگ ہی نہیں بلکہ مفید مواد اور مشورے بھی دیئے۔ محمد سلیم ناصر چشتی اجمیری نے کمپوزنگ کے مراحل طے کروا کے کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہنچانے میں بھرپور تعاون کیا۔

پروفیسر ڈاکٹر سید آلِ اظہر آئسں

تقدیم دیوان سید آلِ حبیب علی خاں صاحب دام اقبالہٗ

برادرم پیرزادہ سید آل اظہر آنس نے اردو میں پی ایچ ڈی کر رکھا ہے۔ انہوں نے حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح تحقیق و تدقیق کے بعد تالیف کر کے ایک ایسی ضرورت پوری کی جس کی کمی اہل عقیدت و محبت کی جانب سے عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی اس تالیف کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ زبان شستہ اور سادہ ہے۔ جس کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ حضور سلطان الہندؒ اور ان کی اولادِ امجاد کے صحیح حالات و واقعات کسی زمانہ میں بھی پردۂ خفا میں نہیں رہے کبھی کسی نے شبہ ڈالنے کی کوشش کی تو اسی دور میں اس وقت کے مسلمہ بزرگوں نے مسکت، دنداں شکن اور شافی جوابات دے کر انہیں دم بخود کر دیا۔ حضور غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی سجادہ نشینی کا سلسلہ سینکڑوں سال سے آپ کی اولادِ امجاد میں جاری ہے۔ شاہان مغلیہ اپنے دور میں بعد تحقیقات خود اس کا اہتمام کرتے رہے ہیں کہ صاحب سجادہ وہ شخص ہو جو غریب نواز کی نجیب الطرفین اولاد اور مرحوم سجادہ نشین کا بڑا بیٹا ورنہ ہم جَد قریب تر ہو مگر افسوس انقلاب زمانہ کے سبب تقسیم پاک و ہند کے بعد مسلمہ اصول جانشینی کو نظر انداز کر کے صرف منصب کی خانہ پُری کر کے عوام الناس کی زبانیں بند کرنے کی کوشش کی گئی۔ بھارت میں مسلمانوں پر جہاں اور ظلم و ستم روا رکھے جا رہے ہیں۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ذات و عالی صفات شخصیت، مذہب، سیاست اور ادب پر اپنے انمٹ اثرات چھوڑ کر گلشن سلطان الہند اجمیری میں آسودۂ خواب

ہے برادرِ عزیز نے حضرت کے احوال وآثار جمع کر کے ایک جامع کتاب مرتب کی اور اس طرح متعلقین ومتوسلین دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل کی ہے جس کے لئے ان کے حق میں دعا گو ہوں۔

صوفی بشیر احمد چشتی کے لئے بھی دعا گو ہوں، وہ یقیناً لائق تحسین ہیں، جنہوں نے اس کتاب کی خوبصورت اشاعت میں معاونت کر کے یہ نسخہ آپ کے ہاتھوں تک پہنچانے میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

الحمد للہ اولا د امجاد غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا تسلسل آج تک روز روشن کی طرح واضح ہے نیز آپ کی سجادگی کا حقیقی معیار قائم رکھتے ہوئے سجادہ نشینان کا سلسلہ بھی تواتر سے جاری ہے اور والد بزرگوار حضرت دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاںؒ اسی سلسلہ کی کڑی تھے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

دیوان سید آلِ حبیب علیخاں
سجادہ نشین آستانۂ عالیہ اجمیر شریف

حال مقیم:

گلشن سلطان الہند اجمیری
پنڈی فتح جنگ روڈ نزد موہڑی پھاٹک
پوسٹ آفس قطبال
تحصیل فتح جنگ، ضلع اٹک

تاثرات

حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیمo

شیخ المشائخ حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں نوراللہ مرقدہ' آستانۂ عالیہ حضور سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ' کے منصب سجادہ نشینی پر ۲۳۔۱۹۲۲ء سے تقسیم ہندو پاک کے وقت ۱۹۴۷ء تک درگاہ معلیٰ اجمیر شریف میں روحانی فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ سے قبل حضرت دیوان سید شرف الدینؒ لاولد تھے اس لئے ان کے قریب ترین ہم جد اور حضور غریب نوازؒ کی صحیح النسب اولاد ہونے کے سبب دیگر امیدواران سجادہ نشینی کے مقابلہ میں سرکاری تحقیقات کے نتیجے میں منتخب قرار دیے گئے تھے۔ عہدۂ سجادہ نشینی موروثی ہے اور صدہا سال سے نسلاً بعد نسل حضور خواجۂ بزرگ کی نجیب الطرفین اولاد میں بطور اِرث جاری ہے۔ حضرت دیوان صاحب نے درگاہِ معلیٰ میں بنیادی اصلاحات کے لئے اپنے احباب و معاونین کے تعاون سے ۱۹۳۶ء میں درگاہ خواجہ صاحب ایکٹ منظور کرایا۔ جس کے بعد درگاہِ معلیٰ کی کمیٹی کے لئے ہندوستان بھر کی اسمبلیوں مع اجمیر شریف کُل ۲۵ ممبران منتخب کیے گئے جنھوں نے مل کر بڑی بڑی اصلاحات کیں اور ساتھ ہی درگاہ معلیٰ کو عملاً تحریک پاکستان کا مرکز بنا دیا اس سلسلہ میں ایک عظیم الشان ''کل ہند'' سنی کانفرنس ۱۹۴۶ء میں اجمیر شریف درگاہِ معلیٰ پر منعقد ہوئی لاکھوں کے مجمع نے تحریک پاکستان میں عملی حصہ لینے اور پاکستان بنانے کے لئے قربانی کا عہد کیا الحمدللہ کہ پاکستان بن گیا مگر ہندو حکومت کو اجمیر شریف کے سجادہ نشین صاحب کی پاکستان کی حمایت پسند نہ تھی اس لئے تقسیم کے فوری بعد ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ مجبوراً پاکستان آنا پڑا۔ افسوس تقسیمِ

ہند کے سبب حضرت دیوان صاحب کی پاکستان ہجرت کے بعد حکومتِ ہند نے اس بہترین نظام کو بدل کر رکھ دیا۔

؎ آں قدح بہ شکست وآں ساقی نماند

حضرت دیوان صاحب نور اللہ مرقدہٗ گلشن سلطان الہند ضلع اٹک میں مدفون ہیں۔ آپ کا آستانہء عالیہ، عالیشان سماع خانہ، مہمان خانے اور خوبصورت مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ ۴، ۵، ۶ رجب المرجب حضور خواجہ غریب نوازؒ، ۵، ۶ شوال المکرّم حضور خواجہ عثمان ہرونیؒ اور ۷ جمادی الاول کو حضرت دیوان صاحبؒ کے اعراسِ مبارک ہر سال منعقد ہوتے ہیں۔ آج کل آپ کے جانشین حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں سجادہ نشین اجمیر شریف گلشن سلطان الہند ضلع اٹک میں فرائضِ منصبی انجام دے رہے ہیں۔ فقیر نے حضرت والد صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہٗ کے ہمراہ اجمیر شریف میں حضرت دیوان صاحب کی موجودگی میں اعراس پر شرکت کی سعادت حاصل کی اور اسی طرح گلشن سلطان الہند میں کئی بار اعراس کی مبارک محافل میں شریک ہونے کا موقع نصیب ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آستانہ اور خاندان کو ہمیشہ آباد رکھے (آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

درگاہ معلّی حضرت سلطان الہند خواجۂ خواجگان سید معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ کے موروثی سجادہ نشین شیخ المشائخ حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخان رحمۃ اللہ تعالیٰ اجمیر مقدس میں ۱۹۲۳ء سے ۱۹۴۷ء تک روحانی محافل اور مجالسِ مقدسہ کی بحیثیت سجادہ نشین خواجہ بزرگ قدس سرہٗ صدارت فرماتے رہے۔ ۱۹۲۳ء سے لے کر تقسیم ہند و پاک تک جذبۂ اسلامی کے تحت مطالبۂ پاکستان کی نصرت و حمایت فرماتے رہے۔ بالآخر ۱۹۴۷ء کے خونی انقلاب کے وقت سنت خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام کی اتباع میں پاکستان میں ہجرت فرمائی اور پاکستان میں بھی اس ملک کی ترقی و خوشحالی اور مسلمانوں کی فلاح و بہود کے لیے ان تھک کوشش فرماتے رہے۔

میرے والدِ گرامی حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ زیب سجادہ آستانۂ عالیہ سیال شریف کے ساتھ مل کر جمعیت المشائخ قائم فرمائی جس میں قانونِ اسلامی کے اجرا کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں اور حکومتِ پاکستان کو اپنی قرار دادوں کے ذریعہ بار بار متوجہ کیا۔ اللہ تعالیٰ مشایخِ کرام کے درجات بلند فرمائے۔ قبلہ والد صاحب شیخ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ کا آپ سے خصوصی محبت و عقیدت کا تعلق تھا اسی تعلق کی بنا پر حضرت دیوان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ جب ہجرت فرما کر پاکستان میں ملتان تشریف فرما ہوئے تو قبلہ والد صاحبؒ نے اپنے بھائی حضرت خواجہ غلام فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ کو بھیج کر آپ کو بمع اہل و عیال سرگودھا آنے کی دعوت دی۔ حضرت نے دعوت قبول فرماتے ہوئے ہجرت کے بعد ابتدائی بارہ سال سرگودھا میں قیام فرمایا۔ جس کا بندوبست میرے والدِ گرامی نے کیا تھا۔ حضرت کے قیامِ سرگودھا کے دوران قبلہ والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ اکثر آپ کی رہائش گاہ پر حاضر ہوتے، اور شرفِ زیارت سے لطف اندوز ہوتے۔ اور آپ انتہائی شفقت و محبت سے پیش آتے۔ جس کے اثرات آج تک لوحِ قلب میں موجود ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ نقلِ مکانی سے منصبِ سجادگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی لیے اولادِ خواجۂ بزرگ اور بالخصوص سجادہ نشین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ایک لازوال حقیقت ہے۔

تحریر

محمد حمید الدین سیالوی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف

درگاہ معلی حضرت سلطان الہند خواجۂ خواجگان سید معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کے موروثی سجادہ نشین حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخان رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال پاکستان میں ہجرت کے بعد ۱۹۷۳ء پشاور میں ہوا تھا۔ منصب سجادگی موروثی ہونے کے سبب ان کے بڑے صاحبزادے حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخان صاحب مدظلہ حضور خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ کے جائز وارث اور واحد سجادہ نشین تسلیم کیے گئے۔ جنکی تصدیق و تائید سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے عظیم سجادگان نے فرمائی۔ اور دستاربندی فرمائی۔ چند حضرات کے اسماء گرامی جنھوں نے تصدیق فرمائی اور دستاربندی کی۔

- صاحبزادہ سید مسعود عرف دادا میاں رحمۃ اللہ علیہ (فرزند ارجمند و نمائندہ) حضرت دیوان قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانۂ عالیہ پاک پتن شریف۔
- حضرت خواجۂ خواجگان خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف۔
- میرے والد گرامی حضرت شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ محمد قمرالدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانۂ عالیہ سیال شریف۔
- حضرت سید محمد اعظم صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانۂ عالیہ گڑھی شریف۔
- حضرت میاں مسعود خان صاحب (نواسہ و نمائندہ) حضرت میاں علی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانۂ عالیہ بسی شریف۔
- میں ذاتی علم کے مطابق تصدیق کرتا ہوں کہ اجمیر شریف اور پاک پتن شریف کے سجادہ نشین حضرات کو ہی "دیوان صاحب" کہتے ہیں کیونکہ "دیوان" سجادہ نشین کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ "دیوان" کا لفظ صرف سجادہ نشین کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔ موجودہ سجادہ نشین اجمیر شریف حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخان ہیں۔ اور ان کے مقرر کردہ جانشین بڑے بیٹے ولیعہد پیرزادہ سید آلِ حبیب زید مجدہ ہیں۔

محمد حمید الدین سیالوی
سجادہ نشین آستانۂ عالیہ سیال شریف

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا خط

محترم ومکرم زید لطفکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔عرس شریف کا دعوت نامہ ملا، یاد آوری کا ممنون ہوں۔ارجنٹ میل سروس سے عنایت نامہ نہیں ملا جس کا قلق ہے۔آپ کے ارشاد کی تکمیل فقیر کے لئے سعادت ہے۔فرصت کے چند لمحات نکال کر عجلت میں کچھ حالات وتاثرات پیش کر رہا ہوں ۔ جہاں اصلاح کی ضرورت ہو اصلاح فرما کر ممنون فرمائیں۔حضرت دیوان صاحب کی سوانح حیات ضرور شائع ہونی چاہیے مولیٰ تعالیٰ اس مبارک سوانح کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔آمین!

اس وقت اہل سنت و جماعت دشمنان دین ومسلک کے نرغے میں ہیں عقائد اہل سنت سے متعلق مدبرانہ اور حکیمانہ انداز سے رسائل لکھے جائیں اور شائع کئے جائیں۔صوبہ سرحد میں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔فقیر نے اسی مقصد کے لئے ''عیدوں کی عید'' کے عنوان سے ایک دوورقی کتابچہ لکھا تھا دو رسائل اور زیر طباعت ہیں۔انشاءاللہ ارسال کروں گا آپ اپنے دارالعلوم کی طرف سے چھپوائیں۔تحریر کا دائرہ بہت وسیع ہے اس لئے اس طرف توجہ کی ضرورت ہے اس وقت بڑی کتابوں سے زیادہ چھوٹے رسائل موثر ثابت ہورہے ہیں دعاؤں میں یاد رکھیں ۔برادر مکرم جناب آل حامد پیرزادہ صاحب اور دیگر اہل خانہ کو سلام ودعا کہیں۔

فقط والسلام

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

شیخ المشائخ حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز

حضرت قبلہ دیوان سید آل رسول علیخاں علیہ الرحمہ (م۱۹۷۳) خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے دربار عالی کے مشہور ومعروف سجادہ نشین تھے۔ آپ کی عظمت و شوکت کے لئے یہی ایک نسبت کافی ہے۔ آپ نے مسلمانان پاک و ہند کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ ملت اسلامیہ کے مخلص اور دوراندیش قائدورہبر تھے۔ آپ نے تحریک پاکستان میں سرگرمی سے حصہ لیا اور اس تحریک کو پروان چڑھایا۔ تاریخ پاکستان میں آپ کا نام نامی روشن وتابناک رہے گا۔

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ، راقم کے والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ فتح پوری رحمہ اللہ علیہ (م۔ ۱۹۶۶ء) (شاہی امام مسجد جامع فتح پوری دہلی) سے بڑی محبت رکھتے تھے اور حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ بھی جب اجمیر شریف حاضر ہوتے، حویلی دیوان صاحب میں قیام فرماتے۔ راقم کے برادر حضرت مفتی محمد مظفر احمد صاحب علیہ الرحمہ (م۔ ۱۹۶۷ء) کے حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمہ سے بہت ہی مخلصانہ تعلقات تھے۔ راقم تقریباً ۱۹۴۰ء میں اپنے برادر گرامی مولانا محمد منظور احمد علیہ الرحمہ (م۔ ۱۹۴۹ء) کی معیت میں اجمیر شریف حاضر ہوا تھا۔ حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھی حاضری ہوئی۔ بڑی شفقت فرمائی اور کھانے پر مدعو فرمایا ایک دن رات کو ایک عرس کی تقریب کی جھلک بھی دیکھی جو درگاہ شریف کے اندر دیوان خانے میں منعقد ہوئی تھی۔ تقریب کا شاہانہ منظر دل کش اور دل ربا تھا۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

> "دیوان خانے کے وسیع وعریض ہال میں شاہانہ مسند بچھی تھی۔ مخمل کے زر دوزی شامیانے تنے تھے ہال میں تین اطراف حاضرین

باادب بیٹھے تھے اتنے میں چاق و چوبند چوبداروں نے حضرت
دیوان صاحب کی آمد آمد کا اعلان کیا۔ تمام حاضرین سروقد کھڑے
ہوگئے، تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ مسند کے پیچھے ایک راہداری سے مشعل
برداروں کے جھرمٹ میں حضرت دیوان صاحب کی سواری جلوہ
گر ہوئی اور حضرت دیوان صاحب مسند شاہی پر جلوہ افروز ہوئے،
سب حاضرین اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ پھر تقریب عرس کا آغاز ہوا''۔

راقم یہی منظر دیکھ سکا پھر چلا آیا............ راقم کے والد ماجد علیہ الرحمہ کے عم محترم حضرت عبدالمجید علیہ الرحمہ درگاہ خواجہ غریب نواز کی مشہور و معروف علمی درسگاہ دارالعلوم معینیہ میں مدرس تھے۔ یہ وہی دارالعلوم ہے جہاں علامہ معین الدین اجمیری اور علامہ امجد علی اعظمی علیہما الرحمہ جیسے اکابر علماء مدرس تھے۔ حضرت علامہ عبدالمجید علیہ الرحمہ نے حضرت دیوان صاحب کے بڑے صاحب زادگان، موجودہ سجادہ نشین حضرت سید آل مجتبیٰ علیخاں اور حضرت سید آل حامد لطفھما کو علوم عقلیہ ونقلیہ سے آراستہ و پیراستہ کیا اور دستار بندی کے اعزاز سے مشرف فرمایا۔

پاکستان کی حمایت اور اسلامی حکومت کے لائحہ عمل کی تیاری

حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمۃ کو اہل سنت و جماعت کے دینی حلقوں میں نہایت ہی عقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ۳ نومبر ۱۹۴۳ء کو جامعہ نعیمیہ مرادآباد کا ۳۳ واں اجلاس آپ کی صدارت میں ہوا اور منظوم نذرانہ ہائے عقیدت پیش کیے گئے۔ یہ تمام منظومات نذر عقیدت کے عنوان سے مرادآباد (بھارت) سے شائع ہوئیں۔ حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمہ نے تحریک پاکستان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ آل انڈیا سنی کانفرنس کے چارروزہ تاریخی اجلاس (۲۷ اپریل تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء) میں شریک

ہوئے جو ہندوستان کے مشہور شہر بنارس میں منعقد ہوا تھا اور جس میں پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے پانچ ہزار علماء و مشائخ شریک ہوئے۔ عام شرکاء کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ تھی۔ اس اجلاس میں علماء و مشائخ اہل سنت و جماعت نے متفقہ طور پر پاکستان کی حمایت و تائید کی۔ اس کانفرنس میں اسلامی حکومت کا لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی گئی حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمہ اس کے ایک اہم ممبر تھے۔ اور ۷ رجب ۱۳۶۵ھ (جون ۱۹۴۶ء) کو درگاہ معلیٰ اجمیر شریف میں آپ کی صدارت میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا ایک اہم اجلاس ہوا جس میں حضرت علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ نے تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا ''الخطبہ الاشرقیہ لجمہوریہ الاسلامیہ'' کے نام سے شائع ہوا۔

تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کرنے کی وجہ سے آزادی ہند کے بعد ہندوستان میں آپ کا رہنا خطرے سے خالی نہ تھا اس لئے حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمہ مع اہل وعیال پاکستان تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ سرگودھا میں رہے اس کے بعد پشاور میں مستقل طور پر قیام فرمایا۔ یہ وہی شہر تھا جہاں ۱۹۴۵ء میں آپ پیر صاحب مانکی شریف کی دعوت پر علماء و مشائخ کے ایک عظیم اجتماع میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے اور پاکستان کی حمایت کا اعلان فرمایا تھا۔

پشاور ہی میں حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی خانقاہ قائم کی جہاں پابندی کے ساتھ بڑے تزک واحتشام سے حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کا عرس ہوتا رہا۔

راقم حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمہ کی حیات میں پشاور میں حاضر ہوا تھا آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ بڑی شفقت فرمائی۔ اپنی محبت سے نوازا پشاور میں حویلی دیوان صاحب میں داخل ہوا تو اجمیر شریف کا سماں آنکھوں میں پھر گیا۔ یوں محسوس ہوا کہ گزرا ہوا زمانہ پھر لوٹ آیا۔ نماز مغرب کا وقت آ گیا تو حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمہ

نے از راہ شفقت راقم کو امامت کے لئے کھڑا کر دیا۔ نماز کے بعد فرمایا: ''حضرت امام صاحب کی یاد تازہ ہوگئی''۔ (یعنی مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ) یہ آخری ملاقات تھی، اور یادگار ملاقات تھی اس کے بعد ملاقات نہ ہو سکی.......... وہ تشریف لے گئے، ان کی یادیں رہ گئیں، ان کی باتیں رہ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمہ محسنِ ملت تھے۔ انہوں نے پاکستان کی خاطر شاہی کو قربان کیا اور پاکستان کے لئے سب کچھ لٹا دیا مگر پاکستان میں ان کے احسانات کا بدلہ نہیں دیا گیا، شاید جدید سیاست کا یہی دستور ہے کہ محسنوں کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ فدا کاروں کو بھلا دیا جاتا ہے۔

صلہ شہید کیا ہے، تب و تاب جاودانہ!

یہ ایک طویل داستان ہے۔ اس آنکھ نے جو انقلاب دیکھے وہ گفتنی بھی ہیں اور نا گفتنی بھی۔

زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے
اور چاہیں کہ چھپالیں تو چھپائے نہ بنے

حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمہ ۷ جمادی الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۹ جون ۱۹۷۳ء بروز اتوار دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون! بیری باغ (پشاور) میں امانتاً (1) آرام فرما رہے ہیں۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

(1) ۱۹۹۲ء میں گلشنِ سلطان الہند اجمیری آباد کرنے کا پہلا مرحلہ یہ تھا کہ حضرت کا تابوت یہاں منتقل کر دیا گیا۔

حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد جب بھی پشاور جانا ہوا، حویلی دیوان صاحب میں حاضر ہوا۔ صاحب سجادہ حضرت سید آل مجتبیٰ علیخاں مدظلہ العالیٰ اور صاحبزدہ سید آل حامد پیرزادہ زید عنایۃ، سے شرف نیاز حاصل کیا۔ دونوں حضرات نے کرم فرمایا اور محبت سے نوازا۔ حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے برادر حضرت سید آل نبی پیرزادہ مرحوم بھی بڑا اکرم فرمایا کرتے تھے، جبکہ دوسرے بھائی حکیم سید آل احمد تو ایسی شفقت فرماتے تھے کہ راقم کی شادی پر ایک سہرا لکھا، آپ کا تخلص شاکر تھا، جس کا مطلع یہ ہے۔

ہے خوشی پہ مدار سہرے کا
وقت ہے ساز گار سہرے کا

اور مقطع یہ ہے۔

ہے یہ شاکر کا تحفہ اخلاص
وہ بھی ہے دوست دار سہرے کا

(۲۳ اپریل ۱۳۸۴ھ ۲ اگست ۱۹۶۴ء)

چند روز ہوئے برس ہا برس کے بعد مرحوم کے صاحبزادے سید آل عبا معینی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے راقم کو پہچانا، راقم ان کو نہ پہچان سکا۔

حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمہ کے شہزادۂ اکبر حضرت سید آل مجتبیٰ علیخان دامت برکاتہم اس وقت صاحب سجادہ ہیں۔ آپ کے صاحبزادہ سید آل حبیب معینی آپ کے ولی عہد ہیں برادران میں حضرت سید آل حامد صاحب سید آل طٰہٰ اور سید آل سیدی ہیں۔ حضرت سید آل مجتبیٰ علیخان صاحب نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کا روحانی اور علمی فیض جاری و ساری رکھا۔ دارالعلوم غوثیہ معینیہ کے نام سے پشاور میں ایک دینی مدرسہ بھی

قائم کیا تبلیغ وارشاد اور عرس حضرت خواجہ غریب نواز کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کے مریدین اور عقیدت مند پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ ماشاء اللہ حضرت دیوان صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادگان اور صاحبزادگان کے صاحبزادگان سب اپنے اجداد کی نشانیاں ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اس خاندان عالی شان کو پھلتا پھولتا رکھے اور صاحب سجادہ حضرت سید دیوان آلِ مجتبیٰ علیخاں دامت برکاتہم العالیہ کا مبارک سایہ قائم رکھے اور فیض معینی ہمیشہ ہمیشہ جاری وساری رہے۔ آمین!

شراب کہن پھر پلا ساقیا!
وہی جام گردش میں لا ساقیا!

(پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد)

۱۴/ مئی ۲۰۰۱ء

دیوان سید آل رسول علیخاں قدس سرہٗ
کی پاکیزہ زندگی کے چند قابل ذکر پہلو

(مولینا پیر محمد چشتی کے قلم سے)

حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں سجادہ نشین سلطان الہند حضور خواجۂ خواجگان معین الدین سنجری اجمیری رحمہما اللہ تعالیٰ کی صحبت میں عرصہ سات سال تک رہنے کی سعادت اِس بندہ ناچیز کو حاصل ہوئی اتنے عرصہ میں کبھی بھی حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے قول و فعل اور حرکات وسکنات میں خلاف شرع کوئی چیز دیکھنے میں نہیں آئی۔ دین اِسلام کیلئے غیرت اور اقدار اہلسنت و جماعت کے احیاء وتحفظ کیلئے عملی کوشش، بزرگان دین اور علماء کرام کیساتھ محبت یہ سب کچھ حضرت موصوف کی عملی زندگی کے جزو لاینفک تھے۔ اس بندہ ناچیز کی پہلی ملاقات محترم حافظ احمد دین صاحب مرحوم کے ذریعہ بتاریخ ۱۹۶۶-۱۲-۱۶ بعد از نماز عصر بمقام مہمان خانہ حویلی دیوان صاحب چوک شادی پیر پشاور ہوئی۔ جس کا پس منظر یہ ہے کہ دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ کی تشکیل کے لئے پشاور کے جن دوستوں کی یقین دہانی پر یہ بندہء ناچیز جامعہ غوثیہ سکھر سندھ سے مستعفی ہوکر پشاور آیا اور یہاں آنے کے بعد اُن احباب نے اختلاف رائے کی بناء پر عدم تعاون کا مظاہرہ کیا تو یہ بندہ ناچیز پریشانی کا شکار تھا۔ اِس اثناء میں محترم الحاج حافظ احمد دین صاحب نے حضرت دیوان صاحب سید آل رسول علیخاں مدظلہ، سے ملاقات کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت دیوان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے نام سے اُس وقت سے آشنا تھا جب آپ سرگودھا میں مقیم تھے۔ اور یہ بندہء ناچیز سیال شریف میں حضرت استاذ العلماء مولینا عطاء محمد صاحب مدظلہٗ کے پاس زیر تعلیم تھا۔ حافظ صاحب سے اُن کا

سُن کر از حد خوشی ہوئی۔ چنانچہ پہلی بار آپ سے میری ملاقات ہوئی جس سے میری تمام تر پریشانیاں ختم ہوئیں، اور صبر و استقامت کیساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کا جذبہ دل میں پیدا ہوا۔ حضرت کے مشورہ سے بتاریخ ۶۷-۳-۳۱ حویلی دیوان صاحب میں جامعہ غوثیہ کیلئے انتظامیہ تشکیل دینے کی غرض سے اجلاس کا اہتمام کیا گیا۔ جس کے تمام تر مصارف حضرت دیوان صاحب نے برداشت کیے۔ اس اجلاس میں دارالعلوم کیلئے باقاعدہ انتظامیہ کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے سرپرست اعلیٰ خود دیوان صاحب اور صدر دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں، نائب صدر اول سید ظفر علی شاہ، نائب صدر دوم آغا سید چراغ شاہ، خزانچی حاجی شیخ محمد جان، نائب خزانچی ڈاکٹر نور محمد، جنرل سیکرٹری حافظ احمد دین کو مقرر کیا گیا۔ حضرت دیوان صاحب مرحوم تادم زیست دارالعلوم جامعہ غوثیہ مُعینیہ کی سرپرستی کرتے ہوئے جانی، مالی، اخلاقی اور عملی تعاون فرماتے رہے۔ حضرت کے وصال کے بعد بھی اُن کے جانشین موجودہ دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں مدظلہٗ العالی حسب سابق دارالعلوم کے صدر کی حیثیت سے اپنی مسئولیت و فرائض کی انجام دہی بہتر طریقے سے کرتے ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ صوبہ سرحد میں بالعموم اور صوبائی دارالحکومت پشاور میں بالخصوص دارالعلوم جامعہ غوثیہ مُعینیہ کے حوالے سے مسلک قدیم اہلسنت و جماعت کی جتنی خدمات ہوئیں اور ہو رہی ہیں، اس صدقہ جاریہ میں، مطابق حدیث شریف، حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں نور اللہ مرقدہٗ اور اُن کے جانشین حضرت دیوان صاحب سید آل مجتبیٰ علیخاں مدظلہٗ برابر کے شریک ہیں۔ بلکہ دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ اپنے تمام تر نتائج و ثمرات سمیت حضرت دیوان صاحب سید آل رسول علیخاں نور اللہ مرقدہٗ کا صدقہ جاریہ ہے۔

دیوان سید آل رسول علیخاںؒ اور علماء

حضرت دیوان صاحب مرحوم کو علمائے دین کے ساتھ غیر معمولی انس و محبت تھی اور ہر عالم کے ساتھ اُس کی قدر و منزلت کے مطابق سلوک فرمایا کرتے تھے۔ میرے مشاہدہ کے مطابق بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے مذہبی طلباء بھی حضرت دیوان صاحب کی مشفقانہ و عالمانہ پُر وقار مجلس سے متاثر ہُوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

دیوان سید آل رسول علیخاںؒ اور مشائخ

حضرت دیوان صاحب مرحوم عمر بھر مشائخ اہلسنت کو مذہبی اقدار کے تحفظ کے لئے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک دفعہ پاکستان بھر کے مشائخ کا مشترکہ اجلاس بلا کر اس میں جو خطبہ استقبالیہ دیا اُس کے یہ الفاظ نہایت قابل غور ہیں: آپ نے فرمایا ''حضرات مشائخ اہلسنت آپ نے اگر مذہبی اقدار اور مذہب کے حوالہ سے مشترکہ حقوق کے تحفظ کیلئے اکھٹے ہو کر اپنا مذہبی فریضہ ادا نہ کیا تو بزرگوں کے مزارات اور مساجد پر تالے پڑ جائیں گے اور آپ کے حقوق بھی چھن جائیں گے''۔ موجودہ دور کی مذہبی ابتری اس امر پر شاہد ہے کہ حضرت دیوان صاحب مرحوم و مغفور ۴۰ سال بعد آنے والے حالات اور تبدیلیوں کو اپنے نُورِ بصیرت سے دیکھ رہے تھے۔ کاش اُس وقت کے مشائخ خدا ترسی کا ثبوت دیتے ہوئے مذہب قدیم اہلسنت و جماعت کے تحفظ کی غرض سے ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اپنے متعلقین کو باطل کے دجل و فریب سے آگاہ کرتے تو مذہب کے حوالہ سے موجودہ پستی کے دن دیکھنا نصیب نہ ہوتے۔ علماءِ دین کی طرح حضرت دیوان صاحب مرحوم بزرگانِ دین کے سجادہ نشین حضرات کی بھی کافی قدر کیا کرتے تھے۔

دیوان سید آل رسول علیخانؒ اور پاکستان

حضرت دیوان صاحب مرحوم کو اگرچہ نظریۂ پاکستان کی غیر مشروط حمایت اور ہندو کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی مدد کرنے کی پاداش میں انڈیا گورنمنٹ نے باغی قرار دے کر جائیداد کی ضبطی کا فیصلہ کیا تھا۔ جس کے ردِ عمل کے طور پر حضرت دیوان صاحب مرحوم کو مجبوراً اجمیر شریف چھوڑ کر ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا۔ لیکن پاکستان گورنمنٹ نے نظریۂ پاکستان کے اس عظیم محسن کی شایانِ شان قدر نہ کی۔ اس کے باوجود حضرت دیوان صاحب تادمِ زیست پاکستان کی ترقی وخوشحالی کے لئے کوشاں رہے۔

دیوان سید آل رسول علیخانؒ اور سخاوت

میرے مشاہدے کے مطابق جود وسخا کے حوالہ سے بھی حضرت دیوان صاحب مرحوم اپنی مثال آپ تھے۔ متعدد بار ایسا بھی ہوا ہے کہ عزیزوں، خویش واقرباء یا کسی اور ضرورت مند نے کچھ مانگا تو نقدی پاس نہ ہونے کی وجہ سے گھر کا اثاثہ بیچ کر اُن کی ضرورت پوری کر دی۔ لیکن کسی سائل کو مایوس نہ ہونے دیا۔ محتاجوں، خویش واقرباء اور دوستوں کیساتھ شرعی تعلیمات اور اسوٰہ حسنہ نبی کریم ﷺ کے عین مطابق سلوک فرمایا کرتے تھے۔

دیوان سید آل رسول علیخانؒ اور صبر واستقامت

صبر واستقامت جو مومن کا کمال اور اعلیٰ درجہ کی صفات ہیں، اس میں بھی حضرت دیوان صاحب مرحوم اپنی مثال آپ تھے۔ درگاہِ خواجہ اجمیری کے منصبِ سجادگی پر فائز ہونے سے لے کر تطہیر کے لئے چلائی گئی طویل تحریک تک اور ہجرت کی صعوبتوں سے لے

کر مرض الموت کی سختیوں تک کسی سخت سے سخت وقت میں بھی جزع فزع' بے صبری یا بے ثباتی نہیں کی ''درگاہ کی تطہیر کی جو تحریک حضرت دیوان صاحب نے چلائی تھی' اس میں چال باز خادِموں کے دجل وفریب کے علاوہ برطانوی گورنمنٹ کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے بھی کافی مشکلات کے باوجود حضرت کے صبر واستقامت اور منظّم جدوجہد کی بدولت حق حقدار کو مل گیا اور درگاہ شریف کی منتظمہ کی تطہیر ہوگئی۔ مرض الموت تقریباً ایک سال تک رہا۔ شدید تکلیف کے باوجود کبھی بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ شدید تکلیف کی صورت میں بھی نماز کی پابندی فرمائی اور شرعی احکام کی پابندی کے لئے اولاد کو تاکید فرماتے رہے۔

پیر محمد چشتی
مہتمم دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ
پشاور

۱۷ رجب المرجب ۱۴۱۴ء
۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ء

ملفوظات خواجۂ بزرگؒ

فرمود دلِ عاشق آتش زدۂ محبت است ہر چہ دراں فرود آن را آرا بسوز د و نا چیز گرداند زیرا کہ ہیچ آتشے بالاتر از آتش محبت نیست

ترجمہ: فرمایا: عاشق کا دل دلِ پرنور ہے جو کچھ اس میں آ جاتا ہے اس کو جلا دیتا ہے اور ختم کر دیتا ہے کیونکہ کوئی آگ آتش محبت سے برتر نہیں ہوتی

فرمود شنیدم از زبانِ خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ در ہر کس کہ ایں سہ خصلت باشد تحقیق بداں کہ حق تعالیٰ او را دوست می دارد۔ اول سخاوت چوں سخاوتِ دریا دوم شفقت چوں شفقتِ آفتاب سوم تواضع چوں تواضعِ زمین۔

ترجمہ: فرمایا کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کی زبانی سنا ہے کہ جس شخص میں یہ تین عادات ہوتی ہیں یقیناً جان لو کہ اللہ تعالیٰ اُسے دوست رکھتا ہے۔ اول سخاوت مانندِ سخاوت ِ دریا اور شفقت، آفتاب کی شفقت کی مانند اور تواضع، زمین کی تواضع کی مثل۔

فرمود عارفاں را مرتبہ ایست چوں بداں مرتبہ رسند جملگی عالم و آنچہ در عالم است میانِ دو انگشتِ خود بینند

ترجمہ: فرمایا: عارفان حق کے لئے ایک ایسا مرتبہ ہے جب اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو تمام عالم اور جو کچھ اس عالم میں ہے اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔

فرمود گناہ شما را چنداں ضرر ندارد کہ بیحرمتی و خوار داشتند برادر مسلماں

ترجمہ: فرمایا: گناہ تم کو اتنا نقصان نہیں دیتا جتنا کہ مسلمان بھائی کی بیحرمتی کرنا اور اسے ذلیل کرنا۔

فرمود علامتِ شقاوت آنست کہ معاصیت کند و امیدوار کہ مقبول خواہم بود

ترجمہ: فرمایا: بدبختی کی علامت یہ ہے کہ انسان گناہ کرے اور امید یہ رکھے کہ میں مقبول ہوں گا۔
فرمود ہر کہ نعمت یافت از سخاوت یافت
ترجمہ: فرمایا: جس نے نعمت پائی سخاوت کے سبب پائی۔
فرمود درویش آنست کہ ہر آن بندہ بر آں کس کہ بحاجت آید محروم باز نہ گرداند
ترجمہ: فرمایا: درویش وہ ہے کہ جو بھی بندۂ خدا اس کے پاس حاجت لے کر آئے محروم نہ جائے۔
فرمود عارف در راہِ محبت کسی ست کہ از کونین دل بریدہ گرداند
ترجمہ: فرمایا: راہ محبت میں عارف وہ شخص ہے کہ دو عالم سے دل بے نیاز کر لے۔
فرمود کہ عارف ترین خلق بحق آن بود کہ متحیر باشد
ترجمہ: فرمایا مخلوق میں بہترین عارف وہ شخص ہے کہ متحیر ہو۔
حضورؐ کے ارشاد میں ہے کہ اس تحیر کی طرف اشارہ رب زدنی تحیرا کی جانب ہے
فرمود عارفاں آفتابند کہ بر جملگی عالم می تابند و انوارِ ایشاں ہمہ عالم روشن است
ترجمہ: فرمایا: عارفان حق آفتاب کی مانند ہیں تمام عالم میں مثل آفتاب چمکتے ہیں اور ان کے انوار سے تمام عالم روشن ہے۔
فرمود کہ مردم از منزل گاہ قرب نزدیک نشوند مگر بفرماں برادری
در نماز زیرا کہ معراجِ مومن ہمیں نماز است
ترجمہ: فرمایا: لوگ منزل قرب تک نہیں پہنچ سکتے بجز نماز کی ادائیگی کے کیونکہ نماز مومن کی معراج ہے۔

مختصر احوال خواجۂ بزرگ خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

صاحبِ سیر الاولیاء' سید محمد بن مبارک کرمانی نے اپنی تالیف میں خواجۂ بزرگ کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''شیوخِ طریقت کے شیخ' حقیقت کے اصل الاصول' اسرار الٰہی کے حامل' اوصاف صحو کے ساتھ صاحی انبیاء مرسلین کے وارث' رسولِ خدا کے ہند میں نائب حضرت خواجہ معین الحق والدین خواجہ معین الدین سنجری قدس سرہ العزیز ہیں' جو تمام اوصافِ مشائخ کو جامع اور انواع کرامات اور علو درجات میں پہلے درجہ کی شہرت رکھتے تھے' بیشک حضرت سلطان العارفین سراج السالکین خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری ولی الہند' عطائے رسول ثم اجمیری قدس اللہ سرہ' کہ عظمائے اولیاء و کبریٰ مشائخِ چشت سے ہیں۔ اوصافِ حمیدہ و کرامات عجیبہ مشہور دور و نزدیک ہیں۔ آپ کے مرید اور مریدوں کے مریدوں سے ہزاروں اولیاء ہندوستان میں آسودہ اور موجود ہیں۔ روضہ متبرکہ حضرت خواجہؒ اور ان کے غلامان سے فیض جاری ہیں۔ سیر الاولیاء میں منقول ہے کہ شیخ اہل اسلام معین الدین قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ جب میں خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں پہنچا اور اس مقدس نفس بزرگ کی شرفِ ارادت سے مشرف و ممتاز ہوا تو کامل بیس سال تک خدمتِ اقدس میں ملازم رہا اور اس درجہ خدمت کی کہ ایک دم نفس کو آپ کی خدمت سے راحت نہ دی۔ حالتِ سفر میں تو حضر میں تو خواجہ کا بستر اور اوڑھنا بچھونا اپنے سر پر رکھتا تھا۔ جب میری خدمت کا رسوخ' جو کمال عقیدت مندی اور اعتقاد پر مبنی تھا' خواجہ نے ملاحظہ فرمایا تو اس وقت وہ نعمت جو خواجہ کے کمال کو مقتضی تھی مجھے بخشش فرما دی۔ جب حضرت اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ میں تھے۔ آپ نے روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کیا تو آواز آئی ''وعلیکم السلام یا قطب المشائخ!

اے معین الدین! تو ہمارے دین کا معین ہے۔ ہندوستان کی ولایت تجھ کو دی۔ اجمیر میں جا کر اقامت کر، وہاں کفر کا غلبہ ہے۔ تیرے جانے سے اسلام کا غلبہ ہوگا۔ یہ سُن کر حضرت کو تحیر تھا کہ اجمیر کدھر ہے؟ اسی فکر میں آپ کو کچھ غنودگی آ گئی۔ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے معین الدین! دیکھ تمام مشرق اور مغرب کے دروازے تیرے لئے کُھلے ہیں ساتھ ہی اجمیر اور وہاں کے تمام پہاڑوں کے نشان دیئے۔

اجمیر ایک قدیم تاریخی شہر ہے لیکن حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے قدومِ میمنت لزوم نے جو شہرت و شرف اس شہر کو بخشا وہ بے مثال اور لازوال ہے۔ جن پاک نفوس کے قدموں سے سرزمینِ پاک و ہند میں شجرِ اسلام کی آبیاری ہوئی اُن میں خواجۂ بزرگ ؒ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اگرچہ اس خطۂ ہند کے بعض گوشوں میں اسلامی تعلیمات تو پہلے پہنچ چکی تھیں لیکن خواجہ غریب نواز کی تشریف آوری نے یہاں اسلام کو وسعت دے کر اس کی جڑیں حقیقی معنوں میں مضبوط کر دیں۔

خواجۂ بزرگؒ کے علوِ مرتبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنے خلوص، کردار و عمل سے نائبِ رسول اللہ فی الہند ہونے کا حق ادا فرما دیا۔ برطانوی دورِ حکومت کے وائسرے لارڈ کرزن کہتے تھے: ''میں نے اپنی زندگی میں دو ایسے بزرگوں کے حالات و واقعات پڑھے کہ جو اپنی وفات کے بعد بھی لوگوں پر اسی طرح حکومت کر رہے ہیں گویا بنفسِ نفیس ان کے درمیان موجود ہیں۔ اِن میں سے ایک خواجہ معین الدین اجمیریؒ ہیں اور دوسرے شہنشاہ اورنگزیب عالمگیرؒ''

دل کی نگری پر بعد از وفات حکومت کرنے والے دونوں حضرات میں خواجہ صاحبؒ کا مقام اس قدر بلند تھا کہ اس فقیر منش اورنگزیب عالمگیر کے اجداد اور وہ خود سلطان الہند اجمیریؒ کے دربار میں نذرانۂ عقیدت و محبت پیش کرتے رہے ہیں اور نگزیب تو پا پیادہ

بھی آستانۂ غریب نواز پر حاضری دیتے رہے ہیں۔ خواجہ صاحبؒ کی شان نرالی اور عالمگیر تھی چنانچہ شاہِ افغانستان امیر حبیب اللہ خان، انگریز حکام اور سابق والیانِ ریاست نے بھی آپ کے آستانہ پر حاضر ہو کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین حسن چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذاتِ ستودہ صفات کا شماران انقلاب آفریں شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے برصغیر پاک و ہند کے ظلمت کدہ پر احسانِ عظیم فرماتے ہوئے، توحید و اسلامی تعلیمات سے بندگانِ گم کردہ راہ کو روشناس کرایا۔ آپ نے اپنی للّٰہیت اور خلوص و عمل سے کفر گڑھ اجمیر کو وہ شرف بخشا کہ آج صدیاں گزر جانے کے باوجود اس آسمانِ ولایت و معرفت کی کرنیں خستہ حال لوگوں کے قلوب کو منور کر رہی ہیں۔

حضور خواجۂ خواجگان واقفِ اسرار وجود عالم فریدِ عصر، قطب زماں، وحید دہر، غوث زمان، نائب رسول اللہ حضرت خواجہ معین الملۃ والدین حسن سنجری ثم اجمیری، سر حلقۂ مشائخ خانوادۂ چشت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ولادت باسعادت ۵۳۷ھ قصبہ سنجر شریف واقع سیستان میں ہوئی اور آپ نے نشو و نما و پرورش خراسان میں پائی۔ آپ کا سلسلہ نسب تیرھویں پشت میں، آپ کے والد بزرگوار حضرت سیدنا خواجہ سید غیاث الدین حسن بن حضرت سید کمال الدین حسنؒ بن حضرت سید احمد حسینؒ بن حضرت سید نجم الدین طاہر بن حضرت سید عبدالعزیز بن حضرت سید ابراہیم بن حضرت سید اویس بن حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم بن حضرت سیدنا امام جعفر صادق بنِ حضرت امام محمد باقر بنِ حضرت امام زین العابدین بن حضرت سید الشباب اہل الجنہ حضرت امام حسین شہیدِ کربلا بن حضرت سیدنا ومولانا و مولیٰ المسلیمین حضرت علی مرتضےٰ شیر خدا کرم اللہ تعالےٰ وجہہ و رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین تک پہنچتا ہے۔ آپ ورع و تقویٰ میں یگانہ عصر تھے چونکہ خواجہ بزرگ ابتدا ہی سے

مرادفطرت تھے لہٰذا تربیتِ ایزدی آپ کی متکفل ہوگئی اور آپ کے دل مبارک کو دنیا اور ارباب دنیا سے بے نیاز فرمادیا۔ پندرہ سال کے تھے کہ پدر بزرگوار کا سایہ اٹھ گیا۔ حضرت خواجہ میراث میں پائے ہوئے باغ اور دیگر اشیاء کی دیکھ بھال میں حسبِ ضرورت مشغول ہو گئے۔ لیکن مشیّتِ ایزدی کو منظور نہ ہوا کہ یہ اخص الخواص کسی دوسری چیز میں مشغول ہو جائے۔ چنانچہ حضرت ابراھیم قندوزی کو بشکل مجذوب حضرت خواجہ کے باغ میں بھیج دیا تا کہ حضرت خواجہ کو اس محنت سے خلاصی عطا فرمائے۔ چونکہ درویشوں کا اخلاص عام ہے چنانچہ آپ کی بلند ہمتی نے حضرت ابراھیم قندوزی کی خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرمایا۔ آپ نے تازہ انگور کے خوشے ان کی خدمت میں پیش کیے۔ حضرت ابراھیم نے انگور تناول کر کے کھلی کا ایک ٹکڑا اپنے دہن میں چبا کر حضرت خواجہ کے منہ میں ڈال دیا چونکہ حضرت خواجہ صدق نیت رکھتے تھے، اس ٹکڑے کو نگل لیا جونہی حضرت خواجہ کے حلق سے وہ کھلی کا ٹکڑا اترا آپ کا قلب مبارک دنیا سے متنفر ہو گیا اور آپ کو اس پر آمادہ کیا کہ اس واقعہ کے تیسرے روز اپنے اسباب کو فروخت کر کے فقراء کی نذر کر دیا گویا کہ کھلی کے ٹکڑے کا کھانا سمند ناز پر تازیانہ ثابت ہوا۔

من زاول شکستہ پا بودم
عشقت آمد مرا بسر بشکست

حضرت خواجہ اسباب فروخت اور نذر فقرا کر کے جانب بخارا روانہ ہو گئے۔ قرآن مجید بچپن میں حفظ کر چکے تھے اس لئے قرآن وحدیث وفقہ اور دیگر ظاہری علوم کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ چند سال میں ان علوم میں بھی کمال حاصل کر لیا لیکن آپ کا دل صفتِ پارہ بے قرار رہا کیونکہ کشودِ کار اس سے حاصل نہ ہوا۔ حصول علم سے فارغ ہو کر طلبِ شیخ میں سُوئے عراق وعرب راہی ہو گئے۔ جب نواح نیشاپور قصبہ ہرَوَن کے قریب

پہنچے تو آپ کے قلب مبارک میں انشراح پیدا ہوا، سرور وحظ حاصل ہُوا۔ آپ قدس سرہ' نے بزورفراست دریافت فرمالیا کہ آپ کا کشودِ کار اس سرزمین میں ہوگا۔ چند روز قیام فرمایا اور صاحبِ دولت حضرت خواجہ عثمانِ ہرِ وَنیؒ کے اسیر ہوئے۔ تیس سال کے تھے کہ ان کی اطاعت کا جامہ زیب تن فرما کر بیس سال سفر وحضر میں ان کے ساتھ ہو لئے۔ بالآخر حضرت خواجہ عثمانِ ہرِ وَنیؒ نے خواجہ غریب نوازؒ کو اُن نعمتوں سے نواز دیا جن کا کوئی حدو حساب نہ تھا، اور خرقۂ شریفہ جوان کو پیرانِ کبار سے پہنچا تھا حضرت کے حوالے کر دیا۔ خواجہ نعمت ہائے غیبی سے مشرف ہو کر سنجار تشریف لے گئے اور وہاں شیخ نجم الدین کبریٰؒ سے ملاقات فرمائی یہاں تک کہ دو ماہ پندرہ دن ان کے پاس رہے اس کے بعد قصبہ ہمدان آ گئے اور حضرت شیخ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی سعادت حاصل کی۔ اُس زمانہ میں حضرت محبوب سبحانی غوثِ صمدانی حضرت شیخ الکل عبد القادر محی الدین جیلانیؒ وہاں تشریف فرما تھے۔ دونوں بزرگوں کے درمیان محرمانہ مجلس واقع ہوئی۔ پانچ ماہ اور سات روز وہاں سکونت فرما کر حضرت بغداد تشریف لے آئے اور شیخ عبد النجیب مشرف رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اس کے بعد ہمدان جا کر حضرت شیخ ابو سعید تبریزیؒ سے صحبت رہی۔ اس سفر میں شیخ اوحد الدین کرمانیؒ نے حضرت خواجہ کی زیارت سے فیض حاصل کیا اس زمانے میں حضرت خواجہ کا افطار روٹی کی ایک ٹکیہ سے ہوتا تھا جس کا وزن پانچ مثقال سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ یہ روٹی پانی سے تر کر کے آپ کے پاس لائی جاتی تھی صحرا میں آپ شکار کے گوشت سے افطار فرماتے تھے۔ حصول خلافت کے بعد تقریباً دو سال اس سفر میں بسر فرمائے تھے کہ ہمارے خواجہ نے خواب میں حضرت رسول کریم ﷺ کی زیارت کی آپ فرماتے تھے معین الدین اجمیر جاؤ اور میرے دین کو اس سرزمین میں زندہ کرو۔ آپ نے اس سے متنبہ ہو کر حدودِ ہند کا قصد فرمایا اور بہت جلد دہلی پہنچ گئے وہاں سے اجمیر شریف

تشریف لے گئے اس زمانے میں اجمیر شریف بت پرستوں کا گڑھ تھا کہ رائے پتھورا ہندوستان کے راجاؤں میں سب سے بڑا تھا۔ اُس نے اجمیر کو دارالریاست بنا کر وہاں قیام کر لیا تھا۔

حضرت خواجہ کو اجمیر کے لئے نامزد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اجمیر بحیثیت مذہب کفار اشرار کا مجمع تھا اور رائے پتھورا کا قیام اجمیر بھی ہندوؤں کے اجمیر پر اعتقاد کے سبب تھا۔ ان میں سے بعض کا اعتقاد تھا اور وہ قائل تھے کہ ان کا حشر ونشر اور قیامت کا آغاز اجمیر سے ہو گا لہٰذا حکمت ایزدی کا تقاضا تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کو اس جگہ بھیجے جہاں کفار کی آمد و رفت بہت زیادہ ہو' تا کہ ہدایت عام ہو جائے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں مبعوث فرمایا تھا کہ وہ بت پرستوں کے عوام وخواص کا مرجع تھا۔ بالآخر حضرت خواجہ اجمیر جا کر یادِ مولا میں مشغول ہو گئے۔ آپ کسی کے ساتھ کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ اس زمانے میں چالیس درویش حضرت خواجہ کے ہمراہ تھے اور رائے پتھورا ''انی انا'' کا ڈنکا بجا رہا تھا خصوصاً جس وقت کہ اس کو لشکر اسلام پر فتح حاصل ہوئی تھی اس کا غرور وتکبر دوبالا ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑتا تھا' لیکن جب خواجہ کی کرامات بینہ دیکھتا تھا دم بخود رہ جاتا تھا' یہاں تک کہ حضرت خواجہ نے اپنے ایک مرید کی سفارش رائے پتھورا کو پیش کی کہ اس کو ہندوؤں نے کسی طرح تکلیف پہنچائی تھی۔ رائے پتھورا نے آپ کے فرمائے ہوئے کو قبول نہ کیا اور خواجہ کا مرید ناامید لوٹ آیا۔ حضرت خواجہ خوش وقت تھے چنانچہ آپ کی زبان مبارک پر آیا کہ ''پتھورا را زندہ گرفتیم ودادیم۔''

ترجمہ:۔ ''پتھورا کو زندہ گرفتار کیا اور دے دیا۔'' چند ماہ بھی نہیں گذرے تھے کہ سلطانِ معظم معز الدین ابن سام عرف سلطان شہاب الدین محمد غوری شمال مغرب سے لشکر

اسلام کے ساتھ پہنچ گیا۔ رائے پتھورا دوسرے راجگان کے ساتھ مقابل اسلام کھڑا ہو گیا چونکہ خواجہ بزرگؒ کے الفاظ مبارک مسلمانوں کی فتح مندی کے لئے فرمائے جا چکے تھے چنانچہ جنگ میں فتح وظفر نے لشکر اسلام کے قدم چومے۔ اکثر اراکین اور عمائد کفار شجاعان اسلام کی تیغ خوں آشام سے جہنم رسید ہوے۔ رائے پتھورا مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ سلطان وقت کے حکم سے اس پر اسلام پیش کیا گیا لیکن چونکہ:

گلیم بخت کسے راکہ بافتند سیاہ
بہ آب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

شقاوت ازلی کے سبب سے انکار کر دیا لہٰذا اس کا سر جو بار دوش تھا علیحدہ کر دیا گیا۔ اسی روز سے بت کدے شکستہ ہو گئے اور مساجد کی بنیادیں پڑیں اور اسلام کا زور سرزمین ہند میں ظہور پذیر ہوا اور کفار فوج در فوج حلقہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ یہ احسان خواجہؒ کا ہر مسلمان پر ثابت ہے۔ جو کچھ شان اسلام ہند میں دیکھی جاتی ہے وہ تمام حضرت خواجہؒ کے طفیل ہے۔

از راہ گزر خاکِ سرِ کوئے شما بود
ہر نافہ کہ دردست نسیم سحر افتاد

جب اجمیر دارالسلام ہو گیا تو ہر چھوٹے بڑے نے خواجہ کے آستانہ پر سر نیاز رکھ دیا۔ خصوصاً سلطان معزالدین ابن سام کی شہادت کے بعد ہندوستان کی سلطنت قطب الدین ایبک کو مل گئی اور حاکم اجمیر سید وجیہہ الدین مشہدی مقرر ہوئے جو حضرت خواجہ کے متوسلین میں سے تھے اور وہ ترغیب وترہیب کے ذریعہ خلقِ خدا کو آستانۂ خواجہؒ پر لاتے رہے جب قطب الدین ایبک لاہور میں چوگان کھیلتے ہوئے انتقال کر گئے اور سلطنت سلطان التمش کو پہنچی۔ سلطان مذکورہ خواجہ بختیار اوشی کاکیؒ کے حلقہ بگوشوں میں سے تھے۔

حضرت خواجہؒ اس سلطان سعادت نشان کی سلطانی کے عہد میں دوبار دہلی تشریف لے گئے۔ ایک بار محض خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے اور دوسری بار اپنے سب سے عزیز فرزند مولانا فخر الدین کیلئے فرمان حاصل کرنے کیلئے دہلی تشریف لے گئے۔ خواجہ صاحب جیسے ہی دہلی پہنچے خلق خدا جوق در جوق دست بوسی کیلئے حاضر ہونے لگی لیکن نجم الدین صغراء جو کہ صدارت اسلام کے عہدے پر فائز تھے، نہیں آئے۔ خواجہ صاحب انکسار نفس کے سبب جو فقراء میں عام ہے شیخ الاسلام سے سابقہ تعارف کے سبب ان سے ملاقات کیلئے تشریف لے گئے۔ شیخ نجم الدین اس زمانے میں سکنی مکان تعمیر کروا رہے تھے۔ حضرت خواجہ کو دیکھ کر معماروں کی جانب مشغول ہو گئے۔ حضرت خواجہ نے ان کے پاس جا کر فرمایا شاید صدارت اسلام کے عہدہ نے تم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ فقراء کی جانب میل نہیں کرتے اور سابقہ معرفت کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے؟ پھر نجم الدین نے خوشامد سے کہا کہ میں کون ہوں جو آپ کی تواضع نہ کروں لیکن جناب نے یہاں ایک مرید ایسا چھوڑ دیا ہے جس کے سبب میری کوئی قدر نہیں کرتا۔ اس پر آپ نے فرمایا: بابا نجم الدین! اگر آپ کی شیخ الاسلامی کی بے قدری ہو رہی ہے تو میں قطب الدین کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔ جب یہ خبر پھیلی تو خلق خدا کی جانب سے فریاد و غوغا برپا ہوا' سلطان التمش نے بھی خواجۂ بزرگؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بابا قطبؒ کو دہلی میں ہی متعین رکھنے کی درخواست کی تو ناچار حضرت خواجہ بزرگؒ حضرت شہید المحبت برہانِ چشتیاں حضرت خواجہ قطب الدین قطب الاقطابؒ کو دہلی میں چھوڑ کر خود اجمیر تشریف لے گئے۔ آپ کی اجمیر میں مدت قیام پینتالیس سال کے قریب رہی اور آپ کا سال وصال ۶۳۲ ہجری بروز دوشنبہ (پیر) چھٹی ماہ رجب المرجب ہے۔ وصال کے بعد آپ کی پیشانی مبارک پر بخط سبز ظاہر ہوا "حبیب اللہ مات فی حبّ اللہ۔" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا وصال ذوالحجہ میں ہوا ہے

لیکن رجب ہی درست ہے۔ بعض نے آپ کا سالِ وفات ۶۳۳ ہجری کہا ہے لیکن اس تاریخ وصال پر لازم آتا ہے کہ خواجہ بختیار اوشی کاکیؒ نے خواجۂ بزرگؒ سے قبل وفات فرمائی اور یہ درست نہیں ہے) جیسا کہ دلیل العارفین کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات ظاہر ہے۔ لیکن اگر شیخ المشائخ حضرت نصیر الدین محمود کے قول پر قائم رہیں تو ممکن ہے خواجہ بزرگ کی وفات ۶۳۳ ھ میں ہوئی ہو۔

حضرت خواجہ تقریباً اسّی سال کے تھے کہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ سے دہلی میں ملاقات کے بعد سفر دہلی سے واپسی پر نکاح فرمایا۔ جبکہ آپ کو ایک شب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معین الدین! تم میرے دین کے معین ہو کر میری سنت کو ترک کرتے ہو، جاؤ اور نکاح کرو۔ اتفاقاً ملک خطاب آپ کے مریدوں میں سے تھا اس نے کفار پر حملہ کیا اور مال غنیمت کے ساتھ راجہ ہند کی دختر اس کے ہاتھ آئی جس کو ملک خطاب نے حضرت خواجہ کی نذر کر دیا اور آپ نے قبول فرمالیا۔ اور اسی زمانے میں امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سید وجیہہ الدین مشہدی نے خواب میں دیکھا جو فرماتے ہیں جناب رسول علیہ السلام کا حکم ہے کہ اپنی دختر نیک اختر کو خواجہ معین الدین کے نکاح میں دے دو۔ سید صاحب نے یہ واقعہ خواجہ بزرگؒ کو بتایا آپ نے فرمایا کہ اگرچہ ہم بوڑھے ہو گئے ہیں لیکن حضرت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔

ان دونوں عفت مآب خواتین سے خواجہ بزرگ کی ایک صاحبزادی اور تین صاحبزادے پیدا ہوئے۔ یعنی حضرت خواجہ فخر الدین حضرت خواجہ حسام الدین وحضرت خواجہ ابو سعید اور حضرت بی بی حافظ جمال۔ بعض مورخین نے اختلاف کیا ہے کہ حضرت خواجہ نے تمام عمر مجردانہ زندگی بسر کی جبکہ بعض کہتے ہیں کہ آخر عمر میں متاہل ہو گئے لیکن لاولد

رحلت فرمائی۔ تیسرا گروہ کہتا ہے خواجہ کی اولاد بھی ہوئی اور بعض مورخین سے خواجہ بزرگ کی اولاد کی نفی میں بہت غلو کیا ہے۔ طائفہ آخر کے بعض دلائل کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ ہر دو فریق کا باطل ہونا واضح اور روشن ہو جائے۔

بیا تا دریں شیوا چالش کنیم
سر خصم را سنگ بالش کنیم

اثبات اولادخواجہ ایک نظر میں

''اخبار الاخیار'' میں حضرت شیخ المحقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ کی عمر آخر کے قریب پہنچی ایک رات خواب میں رسول مقبول کو دیکھا کہ فرماتے ہیں معین الدین ''معین دین منی چرا سنتے راازسنتہائے من ترک نمودی'' اتفاقاً اسی رات ملک خطاب نے جو حضرت خواجہ کے متوسلین میں سے تھے ہندوؤں پر حملہ کیا اور ہند کے راجہ کی ایک دختر ان کے ہاتھ آئی۔ انہوں نے اسے خواجہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ انہی ایام میں سید وجیہہ الدین مشہدی نے بھی امام جعفر صادقؒ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں حضور رسول علیہ السلام کا حکم ہوا ہے کہ اپنی دختر نیک اختر کو خواجہ معین الدین کے سپرد کرو' اور ان کے عقد نکاح میں دے دو'' انہوں نے یہ واقعہ خواجہ بزرگ کو سنایا اس پر حضرت خواجہ نے فرمایا سید اگر چہ ہم بوڑھے ہو گئے لیکن حکم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر چارہ نہیں ہے اور حضرت امیر حسن علا سنجری بھی فوائد الفواد شریف میں حضرت سلطان المشائخ سے روایت کرتے ہیں نیز حضرت شیخ محدث اور دیگر بزرگوں نے اس حکایت کا ذکر کیا ہے کہ ایک روز میں اور نصیر الدین طالب علم حضرت شیخ شیوخ العالم حضرت فرید الدین کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک جوگی آیا اور زمین کو بوسہ دیا۔ نصیر الدین نے جوگی سے پوچھا بابو جیو۔۔۔۔ انسان کے سر کے بال کس طرح بڑے ہوتے ہیں۔ مجھے ان کا یہ پوچھنا حضرت شیخ کی موجودگی میں ناگوار گزرا۔ اسی درمیان میں خواجہ وحید نبیسۂ (پوتے) خواجہ معین الدینؒ آئے اور انہوں نے بیعت کی التماس کی۔ شیخؒ نے فرمایا: ''میں نے یہ تمہارے خانوادے سے پایا تھا تو میری کیا مجال کہ تمہارا ہاتھ ارادت کی نیت سے پکڑوں''۔ خواجہ وحید نے بہت عاجزی کی اور مرید اور محلوق (سر منڈے) ہو گئے اور یہ

طالب علم نصیر الدین بھی مخلوق ہو گئے۔ درویشوں کی صحبت کی برکت نے اس پر اثر کیا۔

یہ روایت صریحاً دلالت کرتی ہے کہ وجود اولاد خواجہ یقینی ہے کیونکہ حسن سنجری نے حضرت سلطان المشائخ سے سنا ہے اور حضرت سلطان المشائخ نے اس واقعہ کو اپنی موجودگی میں بیان فرمایا ہے اور حضرت شیخ العالم کا یہ فرمانا نص صریح ہے اولاد خواجہ کے اثبات پر کیونکہ حضرت شیخ فرید الدین نے آخر زمانہ میں حضرت خواجہ بزرگ کی زیارت کی اور خواجہ غریب نواز کی زبان مبارک سے ان کے حق میں ارشاد ہوا کہ قطب الدین تم نے ایک شہباز قبضہ میں کیا ہے جو سدرۃ المنتہیٰ سے بھی بلند آشیانہ بنائے گا۔

''سرُ ور الصدور'' میں حضرت سلطان التارکین حمید الدین صوفی سوالی ناگوریؒ بھی بیان کرتے ہیں' جبکہ ہمارے خواجہ کے ہاں فرزندان تولد ہوئے تو ایک دن خواجہ بزرگ نے مجھ سے پوچھا کہ حمید! یہ کیوں ہے کہ جب ہم مجرد تھے' جو کچھ خدا سے طلب کرتے تھے جلدی پا لیتے تھے مگر اب جبکہ متاہل ہو گئے ہیں' جب اس سے کوئی چیز طلب کرتے ہیں تو کام ہونے میں دیر لگتی ہے اور تاخیر سے انجام پذیر ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت مریم علیہ السلام کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تولد سے قبل جنت کے میوے پہنچتے تھے جب حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے پوچھا یہ تم نے کہاں سے لئے تو حضرت مریم جواب میں کہتیں: ''یہ اللہ کی جانب سے ہے''لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے تولد کے بعد منتظر ہوتی تھیں کہ میوہ بلا طلب پہنچ جائے گا لیکن فرمان باری تعالیٰ ہوا:

وَهُزِّيٓ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا: (مریم:۲۵)

ترجمہ: ''اور کھجور کی ٹہنی پکڑ کر اپنی طرف ہلا' تجھ پر تازہ پکی کھجوریں گریں گی۔''

جب آپ نے مجھ سے یہ بات سنی تو بہت پسند آئی اور بہت تحسین فرمائی یہ عبارت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت خواجہ کی اولاد تھی کیونکہ حضرت شیخ حمید الدین

سوالی قدس سرہٗ حضرت خواجہ بزرگ کے پیوستگان میں سے ہیں اور حضرت مریم کے قصہ کی نظیر لانا وجود اولاد خواجۂ بزرگؒ کیلئے واضح دلیل ہے۔

''فوائد الفواد'' میں بھی خواجہ حسن علا سنجری لکھتے ہیں: ''میں نے خواجہ احمد نبیسۂ حضرت شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری قدس سرہٗ کی زبانی سنا ہے اور یہ خواجہ احمد بہت صالح تھے۔ انہوں نے کہا میرا ایک رفیق تھا جو ہمیشہ دو رکعت نماز نفل برائے حفظ الایمان پڑھا کرتا تھا۔ صاحب سیرُ الاولیاء لکھتے ہیں فرزندان شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین کاشتکاری کرتے تھے۔ حاکم وقت ان سے مزاحمت کرتے تھے چنانچہ آپ کے فرزندوں نے حضرت خواجہ کو آمادہ کیا کہ آپ شہر جائیں اور بادشاہ سے فرمان حاصل کریں اس ضرورت سے حضرت خواجہ بزرگ اجمیر سے دہلی تشریف لے گئے اور حضرت شیخ قطب الدین کے پاس قیام فرمایا۔ قطب الاقطاب نے فرمایا آپ کو جانے کی ضرورت نہیں ہے آپ گھر میں رہیے میں جا کر فرمان لاتا ہوں۔

حضرت شیخ محدث دہلوی بھی ''اخبار الاخیار'' میں خواجہ معین الدین خورد کے ذکر میں فرماتے تھے۔ شیخ حسام الدین سوختہ کے چھوٹے صاحبزادے شیخ قیام الدین بابریال نہایت حسین، شجاع اور صاحب ہیبت وعظمت تھے۔ ان میں سے ہر ایک یعنی خواجہ معین الدین خورد اور شیخ قیام الدین کثیر العیال ہیں چشت خان جو مندو میں تھے خواجہ معین الدین خورد کی اولاد سے ہیں اور ان کا نام شیخ قطب الدین ہے سلطان محمود خلجی نے ان کو چشت خان خطاب دیا اور بارہ ہزار سوار کا سالار بنا دیا۔ جب سلطان محمود کا اجمیر پر غلبہ ہوا تو چاہا کہ اجمیر چشت خان کے حوالہ کردے لیکن وہ چونکہ مندو میں چھوٹے سے بڑے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے اس کو اختیار نہیں کیا اور شیخ قیام الدین بابریال کی اولاد سے شیخ بایزید ہیں ان کو شیخ بایزید بزرگ کہتے ہیں۔ دانشمند تھے۔ خواجہ بزرگ کے روضہ میں درس

دیتے تھے۔ شیخ احمد مجد اور دوسرے بزرگان ان کے شاگرد ہیں۔ لوگوں کا اختلاف جو فرزندان خواجہ میں ہے وہ انہی شیخ بایزید کے بارے میں ہے۔ اختلاف کا منشا یہ ہے کہ جب دارالمملکت سلطنتِ دہلی میں فتور پیدا ہوگیا تو کافر دیار اجمیر پر غالب آ گئے اور خواجہ معین الدین خورد کے فرزندان مندو چلے گئے اور وہاں سکونت اختیار کی اور شیخ قیام الدین کے نبائر (پوتے) جانب گجرات چلے گئے، تحصیل علم کیا اور شیخ بایزید بزرگ بغداد کی جانب چلے گئے اور تحصیل علم فرمائی۔ جب سلطان محمود خلجی نے سالہا سال کے بعد اجمیر پر غلبہ پایا اور اس دیار کے کفار پر غلبہ پایا تو شیخ بایزید مندو تشریف لے آئے۔ شیخ محمود دہلوی مندو کے شیخ الاسلام تھے۔ علماء اور صلحا کی صدارت ان سے متعلق تھی، انہوں نے اپنی دختر شیخ بایزید کو نکاح میں دے دی اور سلطان محمود خلجی، شیخ بایزید کا معتقد ہو گیا۔ چشت خان کو عصبیت کے سبب بادشاہ کا اعتقاد ان کے ساتھ پسند نہ آیا' سلطان محمود علماء اور مدرسین کے تقرر کیلئے اجمیر میں تھے' چشت خان اس کا سبب بن گئے کہ بایزید کو بھی اجمیر بھیج دیں تا کہ روضہ مبارک میں درس دیں۔ اجمیر میں ایک مدت اقامت کے بعد ایک جماعت نے ان کی فرزندی کا انکار کر دیا اور بادشاہ تک یہ بات پہنچائی۔ بادشاہ نے اس زمانے کے علماء اور مشائخ سے استفسار کیا۔ مخدوم خواجہ حسین ناگوری اور مولانا رستم اجمیری کہ جو اجمیر کے قدیم لوگوں اور علماء میں سے تھے اور دوسرے علماء نے بھی گواہی دی کہ شیخ بایزید' شیخ قیام الدین بابریال اور ابن حسام الدین ابن شیخ فخر الدین ابن شیخ خواجہ معین الدین کے فرزندوں میں سے ہیں۔ فی الحقیقت خواجہ حسین ناگوری کا اعتراف ہی کافی ہے۔ کیونکہ وہ ولی تھے اور ان کے سلسلہ کو پہچاننے والے تھے اسی وجہ سے انہوں نے حضرت شیخ بایزید کے فرزندوں سے رشتہ داری قائم کی اور ان کو اپنی دختر نکاح میں دی۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک آپ کی فرزندی کی نسبت تحقیق شدہ تھی۔ الغرض وجود اولاد خواجہؒ اور پوتے یقیناً ہیں

اور جو بعض کہتے ہیں خواجہ صاحب کی اولاد نہیں تھی مطلقاً غلط ہے۔ خواجہؒ بزرگ کی اولاد کا ذکر مشائخ چشت کے ملفوظات میں مذکور ہے اور شیخ محقق رحمتہ اللہ علیہ نے بھی میاں نجم الدین کے حال کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ وہ خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کے جوار میں رہتے تھے اور حضرت خواجہ کی روحانیت سے رخصت طلب کر کے اجمیر پہنچ گئے اور قریب زمانے میں وفات پائی۔ کہتے ہیں کہ خواجہ معین الدین بزرگ نے اپنی اولاد میں کسی کے خواب میں اشارہ کیا کہ شاہ نجم الدین جو وفات کے قریب ہیں ان کی میرے حجرے کے سامنے جگہ ہوگی۔ اب ان کی قبر اسی جگہ ہے۔

گلزار ابرار میں ہے کہ کچھ لوگ اس پر ہیں کہ خواجہ صاحب فرزند نہ رکھتے تھے حصور تھے اور ایک جماعت اس رائے پر ہے کہ دو بیویاں تھیں ایک سید وجیہہ الدین مشہدی کی صاحبزادی اور دوسری راجا کی بیٹی جو ملک خطاب کی قید میں آئیں جو خواجہ کے مرید تھے انہوں نے پیر کی خدمت میں بھیج دیا۔ ایسے ہی سلطان التارکین ناگوری کا ارشاد بھی خواجہ کے اعیال مند ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس قصہ کے بعد ذکر کیا اور فرمایا ان کی ان گذارشات کے باوجود کچھ لوگ معین الدین کو حصور سمجھتے ہیں یہ محض اٹکلیں ہیں۔

جوامع الکلم: جو شہباز میدان حقیقت حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے ملفوظات ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت قطب الدین نے غریب نواز اجمیریؒ سے سوال کیا کہ اجمیر سے دہلی آمد کا کیا سبب ہے جواباً خواجہ بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ شیخ فخر الدین زراعت کرتے ہیں حاکم زمین کے بارے میں ان سے مزاحمت اور فرمان مانگتا ہے اور میرے بیٹے مجھے معذور نہیں جانتے چنانچہ انہوں نے اصرار کر کے مجھے یہاں بھیج دیا۔ تم مجھے رائے دو کہ میں کس سے کہوں کہ یہ غرض حاصل ہو جائے حضرت قطب الاقطاب نے عرض کی مجھے اجازت دیں کہ میں یہ کام کروں۔ شیخ نے فرمایا جاؤ اور کرو۔

ابراہیمیہ: رسالہ ابراہیمیہ میں ذکر ہے کہ خواجہ بزرگ قدس سرہ کی بیویاں اور فرزندان تھے چنانچہ ملفوظات شیخ حمید الدین سوالی ناگوری قدس سرہ جو خلیفہ حضرت خواجہ بزرگ ہیں کہ ایک شب حضرت خواجہ بزرگ نے پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ حضرت نے فرمایا اے معین الدین تم ہمارے دین کے معین ہو اور ہماری سنتوں میں سے ایک سنت ترک کرتے ہو۔ جب صبح ہوئی تو ملک خطاب حاکم قلعہ بٹیلی جو خواجہ بزرگ کے مریدوں میں سے تھا۔ راجگان میں سے ایک کی دختر قید کر کے لایا اور حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیج دیا آپ نے قبول فرما کر بی بی امتہ اللہ نام رکھا۔ بی بی حافظ جمال ان سے متولد ہوئیں۔ چند روز کے بعد سید وجیہہ الدین مشہدی کو امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں فرمایا کہ اپنی دختر کو خواجہ معین الدین کے نکاح میں دے دو جب یہ مقدمہ خواجہ بزرگ کے پاس پہنچا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم باطنی کی وجہ سے سید وجیہہ الدین کی دختر جن کا نام بی بی عصمت تھا ان کو بھی اپنے نکاح میں لے آئے ان سے بیٹے پیدا ہوئے۔

ملا محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ کے بارہویں مقالے میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ نے دوسری مرتبہ جب دہلی سے مراجعت فرمائی تو آپ نے نکاح فرمایا۔ اس کی شرح اس طرح ہے کہ سید وجیہہ الدین مشہدی جو سید حسین مشہدی کے چچا اور داروغۂ اجمیر تھے۔ ان کی ایک صاحبزادی تھیں بکمال صاحب حسن وعفت تھیں جب حد بلوغ کو پہنچ گئیں تو چاہتے تھے کہ ان کو کسی بزرگ خاندان کے حوالے کردیں اس کے تعین میں متردد تھے یہاں تک کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے فرزند وجیہہ الدین! رسالت پناہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس بات پر ہے کہ اس لڑکی کو خواجہ معین الدین چشتی کے حبالۂ نکاح میں لاؤ کہ وہ واصلان درگاہ خداوندی اور محبان خاندان رسالت پناہی سے ہیں جب وجیہہ الدین نے یہ بات حضرت خواجہ کو بتائی تو خواجہ

نے فرمایا کہ میری عمر آخر کو پہنچ گئی ہے مگر چونکہ حضرت رسالت پناہ ﷺ اور امام جعفر کا اشارہ ہے بجز اطاعت چارہ نہیں ہے پس شریعت مصطفوی ﷺ کا تقاضا پورا کرتے ہوئے ان کو اپنی زوجہ بنالیا۔ چنانچہ ان سے بیٹے پیدا ہوئے۔

<u>تزک جہانگیری</u>: سلطان نورالدین جہانگیر بن سلطان محمد اکبر بادشاہ غازی کی تصنیف ہے مرقوم ہے کہ خواجہ حسین نبیرہ خواجہ معین الدین چشتی ایک ہزار روپیہ برائے خرچ شش ماہ دادم یعنی خواجہ حسین نبیرہ خواجہ معین الدین چشتی کو ایک ہزار روپیہ برائے خرچ چھ ماہ دیے جاتے ہیں۔

<u>مونس الارواح</u>: میں شہزادی جہاں آراء بیگم بنت شاہجہان غازی کہتی ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنخضرت خواجہ متاہل نہیں ہوئے اور بعض کہتے ہیں ان کے فرزند نہیں ہوئے یہ دونوں قول غلط ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ حضرت متاہل ہوئے چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبارالاخیار میں لکھا کہ آنخضرت نے دو بیویاں کیں ایک بی بی عصمت جن کا ذکر پہلے مرقوم ہو چکا۔ دوسری پیر دستگیر غریب نواز اجمیری نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم ہمارے دین کے معین ہو اور ہماری سنتوں میں سے ایک سنت ترک کردی۔ اتفاقاً ایک حاکم ملک خطاب جن کا نام تھا انہوں نے کافروں کی حدود میں حملہ کیا اور اس دیار کے راجا کی لڑکی گرفتار ہوئی۔ ملک خطاب حضرت غریب نواز پیر دستگیر کے مرید تھے چنانچہ اس دختر کو حضرت کی خدمت میں پیش کردیا۔ خواجہ بزرگ نے ان کو قبول کر کے بی بی امتہ اللہ نام رکھ دیا اور دونوں خواتین سے اولاد ہوئی۔

سیر الاقطاب: میں لکھا ہے کہ آنخضرت، سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دو مرتبہ دہلی تشریف فرما ہوئے اول مرتبہ جب اجمیر شریف واپس تشریف لے گئے تو متاہل ہو گئے وہ اس طرح ہوا تھا کہ میر سید وجیہہ الدین مشہدی اجمیر میں حاکم تھے۔ ان کی ایک پاک و پارسا صاحبزادی تھیں جن کا نام بی بی عصمت تھا جب وہ بلوغ کو پہنچیں تو ان کے والد نے چاہا کہ ان کو کسی مناسب شخص کے نکاح میں دیدیں مگر کسی شخص کو ان کے حال کے موافق نہیں پایا اسی فکر میں تھے کہ ایک شب امیر المومنین حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں وجیہہ الدین حضرت شاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یوں ہے کہ اپنی بچی کو قطب المشائخ معین الدین کے سپرد کردو۔ جب بیدار ہوئے تو آنخضرت کی خدمت میں آئے اور اظہار کیا۔ آنخضرت خواجہ بزرگ نے فرمایا اگرچہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن "فرمان مطاع کونین سرکار عرش آثار را انکار نمی توانم کرد" یعنی سرکار کونین کے فرمان کا انکار نہیں کرسکتا۔ پس عقد نکاح باندھ لیا۔

آنخضرت غریب نواز کی دوسری اہلیہ سے نکاح کا واقعہ اس طرح ہوا کہ ایک شب حضرت غریب نواز نے خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ فرماتے ہیں کہ معین الدین تم ہمارے دین کے معین ہو نہیں چاہئے کہ ہماری سنت ترک کرو اتفاقاً اسی شب حاکم بٹیلی ملک خطاب نے کافروں پر حملہ کیا راجا کی بیٹی ہاتھ آئی جس کو انہوں نے خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ خواجہ بزرگ نے ان کو قبول کر کے بی بی امتہ اللہ نام رکھا پھر ان تاج المستورات سے ایک دختر پیدا ہوئیں جن کا نام بی بی حافظ جمال رکھا۔ عوام الناس کہتے ہیں کہ بی بی حافظ جمال حضرت کی حقیقی دختر نہیں ہیں بلکہ منہ بولی بیٹی ہیں ۔ یہ محض غلط ہے کیونکہ مقدمات میں معتبر کتب میں دیکھ چکا ہوں لہٰذا قول عوام درست نہیں ہے۔ بعض ایسی ہی رائے حضرت خواجہ کے فرزندوں کے بارے میں بھی رکھتے

ہیں کہ حضرت کوئی فرزند نہیں رکھتے تھے لیکن یہ ثابت ہے کہ حضرت کے تین پسران ارجمند تھے۔ سیرَ الاقطاب نے حضرت خواجہ کے دونوں نکاحوں کے بیان میں تقدیم وتاخیر کردی یعنی بی بی امتہ اللہ کا ذکر جو پہلے تھا وہ مؤخر کر دیا اور بی بی عصمت کا تذکرہ دیگر کتب سے مقدم کردیا۔ چنانچہ یہ بات قارئینِ احوال پر پوشیدہ نہیں ہے۔ ویسے بھی جب آپ نے ایک نکاح کرلیا تو دوسرے نکاح کے لئے حضور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ معین الدین! تم میرے دین کے معین ہو' میری سنت کو ترک کرتے ہو'۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے پہلے بی بی امتہ اللہ سے نکاح فرمایا جس کا حکم نبی کریم ﷺ نے خواب میں دیا تھا۔

"مراۃ لاسرار" سلطان شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ کے عہد سعادت نشاں میں تالیف ہوئی ہے صاحب مراۃ الاسرار کہتے ہیں کہ جو کچھ برائے تعصب مورخوں نے تاریخ اکبر نامہ اور اقبال نامہ میں لکھا ہر شخص پر ظاہر ہے لیکن ہمارے پیران چشت کے ملفوظات سے محقق ہوتا ہے کہ خواجہ بزرگ کی بیویاں اور فرزندان ہوئے ہیں چنانچہ سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری قدس سرہٗ خلیفہ خواجہ بزرگؒ ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ ایک شب حضرت خواجہ بزرگؒ نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ معین الدین تم ہمارے دین کے معین ہو لیکن ہماری سنتوں میں سے ایک سنت ترک کرتے ہو! جب صبح ہوئی قلعہ بٹیلی کے حاکم ملک خطاب جو حضرت خواجہ کے مریدوں میں سے تھے۔ راجگان میں سے ایک کی دختر کو قید کر کے لائے اور خدمت خواجہ میں بھیج دی خواجہ نے ان کو قبول فرما کر بی بی امتہ اللہ نام رکھا۔ بی بی حافظ جمال ان سے متولد ہوئیں۔ چند روز کے بعد سید وجیہہ الدین مشہدی جو چچا تھے شیخ حسین مشہدی کے انہوں نے خواب میں دیکھا امام جعفر صادق کو جو فرماتے ہیں کہ اپنی دختر کو خواجہ معین الدین کے نکاح میں دے دو جب یہ قصہ حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں پہنچا تو موجب امر باطن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ حضرت

خواجہ نے شیخ وجیہہ الدین کی بیٹی جن کا نام بی بی عصمت تھا اپنے نکاح میں لے آئے۔ ان سے تین بیٹے پیدا ہوئے شیخ فخر الدین، شیخ ضیاء الدین ابو سعید اور شیخ حسام الدین سوختہ ابو سعید سب سے چھوٹے تھے۔

خزینۃ الاصفیاء نے بیان کیا ہے کہ حضرت خواجہ کی دو پارسا اور عفیفہ اہلیہ تھیں اول سید وجیہہ الدین مشہدی، جو سید حسین مشہدی المعروف بہ خِنگ سوار (سفید گھوڑے پر سوار) کے چچا تھے کی صاحبزادی ہیں کہ ان کے والد بزرگوار نے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم باطنی سے جو ان کو خواب میں ملا تھا اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت خواجہ سے کر دیا اور اس عفیفہ کا نام نامی بی بی عصمت تھا اور تین بیٹے، ان عفیفہ کے بطن سے وجود میں آئے تھے یکے خواجہ ابو سعید دوم خواجہ فخر الدین سوم خواجہ حسام الدین قدس اللہ سرھم العزیز۔ اور جو کہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ لاولد تھے ان کی یہ بات ہرگز لائق اعتبار نہیں ہے اور حضرت خواجہ کی دوسری اہلیہ راجائے ہند میں سے ایک کی بیٹی تھیں اور ان کا حضرت غریب نواز کے نکاح میں آنے کا سبب یہ ہے کہ حاکم قلعہ بٹیلی ملک خطاب نے اس دیار کے ہندوؤں پر حملہ کیا اور راجا کی دختر کو قید کر کے لے آئے بطور نذرانہ حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں پیش کیا تو آنحضرت نے اس کو قبول کیا اور بی بی امۃ اللہ نام رکھ کر اپنے نکاح میں لے آئے ان تاج المستورات کے بطن عفت سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جو بی بی حافظ جمال کے نام سے موسوم ہوئیں جو نہایت عابدہ تھیں۔

حضرات خواجگان کی ان عبارات سے جو ہم نے ذکر کی ہیں ہر ایک نص صریح ہے حضرت خواجہ بزرگ کی اولاد کے اثبات سے انکار صرف غبی، جاہل اور کج رو دشمن ہی کرے گا جو دائرہ بحث سے خارج ہے۔ ''مناقب المحبوبین'' کے مرتب حاجی نجم الدین سلیمانی تھے جو قصبہ جھونجنوں نزد جے پور ہندوستان کے رہنے والے تھے اور حضرت خواجہ حمید الدین

ناگوری کی اولاد سے تھے۔ حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء میں پہلی بار تونسہ شریف حاضر ہو کر حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں ہی خلافت و اجازت کی نعمت سے مشرف ہو گئے مناقب المحبوبین حاجی صاحب کی فارسی تصنیف ہے۔ حضرت خواجہ خان محمد صاحب مرحوم سجادہ نشین آستانہ عالیہ سلیمانیہ تونسہ شریف کتاب مذکور کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

> مناقب المحبوبین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت خواجہ شاہ سلیمان رحمتہ اللہ تک سلسلہ چشتیہ کے ملفوظات میں ایک مستند کتاب ہے۔ یہ فارسی میں ہے جس کا اب رواج نہیں رہا۔ الحمدللہ کہ پروفیسر خلیفہ افتخار احمد صاحب چشتی کو اس کے اردو ترجمے و تلخیص کا شرف حاصل ہوا۔

اس کتاب میں بھی حضرت خواجہ بزرگ خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی شادی اور ان کی اولاد کے بارے میں تحریر ہے کہ آپ نے اجمیر شریف میں آکر دو عورتوں سے شادی کی۔ ایک بی بی عصمت دختر سید وجیہہ الدین رحمتہ اللہ علیہ جو سید حسین خِنگ سوار (سفید گھوڑے پر سوار) کے حقیقی چچا تھے اور امام جعفر صادق کی اولاد سے تھے دوسری بیوی کا نام بی بی امتہ اللہ تھا جو نواح اجمیر کے ایک راجہ کی بیٹی تھیں۔ ان دونوں بیویوں سے آپ کے تین بیٹے تھے اور ایک بیٹی بی بی حافظ جمال تھیں بیٹوں میں سے سب سے بڑے سید فخر الدین تھے۔ ان کے بارے میں مولف مناقب لکھتے ہیں کہ "ان کی اولاد آج تک کہ سن ۱۲۷۸ھ ہے اجمیر شریف میں سجادہ نشین ہے اور اس وقت دیوان سراج الدین سجادہ نشین ہیں۔ دوسرے بیٹے کا نام ابوسعید ضیاء الدین تھا اور تیسرے بیٹے کا نام حسام الدین تھا۔

خدام کی دیدہ دلیریاں

حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ سے وابستہ خدام کی تعداد بہت بڑی ہے۔ یہ خدام' خواجہ بزرگ سے عقیدت ومحبت اور آپ کے روضہ مبارک کی خدمت اور زیارت کے لئے آنے والے لوگوں کی خدمت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ خدام کے خاندان اسی خدمت کے نام پر پل رہے ہیں۔ اس اعتبار سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ غریب نواز سرکار سے اور ان کی اولاد امجاد سے ان کا تعلقِ محبت مثالی ہوتا کیونکہ ان کی تمام تر عزت اور معاش کا سبب سرکار ولی الہند رحمتہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔

وہ نذورات جو زائرین اور معتقدین خواجہ بزرگ کی جانب سے خدام کے نام پر مخصوص مقاصد کے لئے آتی ہیں مثلا اس رقم سے دیگ پکوا کر مساکین میں بانٹ دیں۔ یہ رقمیں خدام اُن امور پر خرچ کرنے کے بجائے ذاتی استعمال میں لے آتے ہیں۔ اسی نوع کے آنے والے منی آرڈر اتنی کثیر تعداد میں آتے ہیں کہ ان کے سبب بہت سے خادم لاکھوں کے آدمی بن گئے۔ وہ صاحبان جن کو ریلوے سٹیشن کے ذریعے اجمیر شریف آنے کا اتفاق ہوا ہے انہوں نے دیکھا ہوگا کہ اسٹیشن کے آس پاس اور مسجد گھنٹہ گھر کے نزدیک خدام کی جماعت کے جھنڈ کے جھنڈ بیٹھے رہتے ہیں۔ جونہی اسٹیشن سے مسافر باہر نکلتے ہیں یہ لوگ پیچھے لگ جاتے ہیں اور زیارت کی ترغیب دے کر حاضری کے لئے لے آتے ہیں۔ راستہ میں ہی غلاف' اگر بتی' پھول' شیرینی' لنگر' دیگ اور دیگر مداتِ خیر سے روشناس کر کے وصولی کی بنیاد قائم کر دیتے ہیں۔ جب زائر درگاہ معلیٰ میں داخل ہوتا ہے تو یہاں سے نذورات کی وصولی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اول سیڑھی پر بوسہ دیتے وقت' نوبت خانہ کی زیارت کے وقت یہاں کے عملہ کے اخراجات کے حیلہ سے' دیگوں میں رقم ڈلوا کر یا دیگوں

کے نام پر، صحن چراغ پر، وضو کے حوض اور سبیل پر، اس سے آگے بی بی صاحبہ کی جالی کے اندر مزارات کے نام پر، گنبد مبارک کے متصل صاحبزادی صاحبہ کے مزار شریف پر اس کے بعد گنبد شریف کے اندر، مزار شریف کے پائیں قدم بوسی کے وقت سر پر غلاف مبارک رکھ کر نذورات وصول کی جاتی ہیں۔ اس وقت کی کیفیت اور محویت کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے قلوب اہل اللہ کی محبت اور عقیدت میں غرق ہوں اور جن کے سر میں اللہ والوں کی رفعت اور عظمت کا سودا ہے۔ خادم صاحبان اہل عقیدت اور زائرین کے ان پاکیزہ جذبات اور کیفیات کو خوب سمجھتے ہیں چنانچہ ان کے لئے جلبِ منفعت کا یہی زریں موقع ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بہت سے زائرین کی جیبیں آخر کار اسی مقام پر خالی ہو جاتی ہیں اور وہ گھر کی واپسی کے لئے کرایہ کی فکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں ایسے بہت سے لوگوں کو درگاہ معلیٰ سے کرایہ دینا پڑتا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں جہلا کو بٹھا کر کبھی دعا کے اثر سے اور کبھی بددعا کے خوف سے نذورات، چاول، شکر اور نقدی، کیا کیا وصول کیا جاتا ہے۔ مزار شریف کٹہرا کے اندر بہت سے خادم اور نوجوان لڑکے نہایت بے باکانہ انداز میں کھڑے رہتے ہیں جب زائر، اِن کے پاس سے گزرتا ہے تو یہ لوگ غلاف شریف کا ایک کونہ کھینچ کر زائر کے سر پر رکھ دیتے ہیں اور دعائیہ الفاظ کے ساتھ دستِ طلب بڑھا دیتے ہیں۔ آخر میں میز پر رکھے ہوئے ایک قرآن شریف کی زیارت کرواتے ہیں اور نذریں وصول کرتے ہیں۔ جب زائر گنبد شریف کے باہر نکلتا ہے تو اس کو ایک سفید ریش بوڑھے شخص کے سامنے بٹھا دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ گدی نشین صاحب ہیں یعنی سجادہ نشین ہیں ان کی خدمت میں نذر پیش کرو اور دعا کراؤ اس کے بعد زائر کے سامنے ایک بڑا رجسٹر رکھ دیا جاتا ہے جس میں بیوہ، یتیم سیدانیاں، مدرسہ، تعلیم، لنگر دیگ اور بہت سی مدات بنا رکھی ہوتی ہیں۔ زائر سے کہتے ہیں خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے دفتر میں نام لکھواؤ وہ بیچارہ نیک فال

سمجھ کر نذر دے کر اپنا نام پتہ وغیرہ لکھوا دیتا ہے۔ پھر اسی کے ذریعہ بعد میں بھی نذورات وصول کی جاتی ہیں۔

یہ اُس زائر کا حال ہے جس کو اسٹیشن پر خدام سے پالا پڑا تھا اور تمام خدام نے باہمی اتفاق سے اس کو ایک خادم کے حوالے کر دیا تھا۔ آپ کو شاید گمان ہوگا کہ یہ لوگ آپس میں شاید بہت ایثار سے کام لیتے ہیں' حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ یہ وہ بدقسمت زائر ہے جس کو ایک خاموش اور پُر اسرار نیلام کے ذریعہ اس خادم نے دیگر تمام خدام سے زیادہ قیمت دے کر خریدا تھا۔ جس کا زرِ نیلام تمام خدام میں تقسیم ہوگا۔ یہ گویا اِن خدام کا قولی قانون ہے۔

ایک قسم زائر کی ایسی ہے جس کو یہ لوگ اپنی اصطلاح اور زبان میں ''حاجتی'' یا ''موکل'' کہتے ہیں۔ اس کو یہ لوگ اپنا مستقل آدمی تصور کرتے ہیں اور اس کی کمائی میں اپنے آپ کو حقدار سمجھتے ہیں خواہ اس کے ہاں شادی ہو یا غمی ان کا دونوں حال میں فائدہ ہے۔ یعنی شادی کے موقعہ پر دعائے برکت اور غمی میں دعائے مغفرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ذریعہ برکت یعنی آستانہ اقدس ان کے تصرف میں ہے۔ خدام کی وکالت آستانہ اور موکل ہونے کا سلسلہ اتنا وسیع اور اتنا منظّم ہے کہ اگر یہ لوگ بیک وقت کسی امر کا پروپیگنڈہ کرنا چاہیں تو تمام پاک وہند میں اس آواز کو پہنچا سکتے ہیں۔ یہ لوگ ان موکل زائرین کو عرس میں شرکت کے خصوصی دعوت نامے بھیجتے ہیں۔ تیسری قسم زائر کی وہ ہوتی ہے جو نہ اسٹیشن پر خریدا گیا ہے اور نہ ہی موکل ہے۔ اس قسم کے زائر کی نذورات پر اکثر خدام کے تنازعات اور جھگڑے مار پیٹ' گالم گلوچ تک نوبت آ جاتی ہے۔ اکثر اس سلسلہ میں گنبد شریف میں وہ ناشائستہ حرکتیں ہوتی ہیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ ان خدام میں جو پڑھ لکھ گئے ہیں انہوں نے کبھی گدی نشین' کبھی سجادہ نشین اور کبھی خادم درگاہ کے نام سے اپنے

مذموم کاروبار کو نیا رخ دیا ہے۔ وہ ہندوستان سے باہر پاکستان اور دیگر ممالک میں جا کر دربارِ خواجہ کی خدمت کے حوالے سے اپنا تقدس ظاہر کر کے بڑے بڑے فلاحی اداروں کے نام پر مثلاً مسلم یونیورسٹی اور ہاسٹل کے قیام کے لئے عقیدت مندانِ خواجہ کی جانب سے بھاری رقوم حاصل کرتے ہیں۔ خواجۂ بزرگ کے عقیدت مند تو اپنی بھرپور عقیدت کا اظہار کر جاتے ہیں لیکن یہ منصوبے یا تو شروع ہی نہیں ہو پاتے یا پھر تکمیل کے مراحل میں کبھی بھی نہیں پہنچ پاتے گویا

کب تلک اب ان کے در پہ جا سکو گے اس طرح
دیرپا اور مستقل سا اِک بہانہ چاہیے

میڈیا ان کی مذموم حرکات کی کامیابی میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اس کا ایک بظاہر سبب تو خواجۂ غریب نواز اجمیری کی عظیم ہستی کی محبت اور عقیدت ہے، جو میڈیا کے کرتا دھرتا حضرات کو اظہار عقیدت کے لئے ان خدام کی تشہیر پر آمادہ کرتی ہے دوسری صورت بدگمانی کی بنتی ہے کہ ''بے ایمانی کا کام انتہائی ایمانداری'' سے کرتے ہوئے یہ ''مقدس مآب'' حضرات میڈیا کے افراد کو اپنی آمدنی میں سے جائز حصہ پہنچا دیتے ہوں گے۔

اس ضمن میں یہ پہلو بہر حال قابلِ افسوس اور پریشان کن ہے کہ وہ حضرات جنہوں نے حصول پاکستان کے عظیم اور مقدس مقصد کے لئے اپنی ساری ظاہری شان اور امتیاز یعنی سجادہ نشین خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے منصب کو بالائے طاق رکھ کر مہاجرت کی صعوبتیں برداشت کیں، حکومت پاکستان نے ان کے اس ایثار اور قربانی کو پرکاہ کے برابر اہمیت نہیں دی، ورنہ حکومتی سطح پر یہ کوشش کی جانی چاہیے تھی، جس طرح سکھ اور ہندو یاتری پاکستان آ کر اپنی مذہبی رسومات ادا کرتے ہیں اسی طرح خواجۂ بزرگ کے حقیقی سجادہ نشین اجمیر شریف جا کر درگاہ سے متعلق مذہبی رسومات ادا کرتے رہتے۔ بجائے اس کے کہ درگاہ

پر غیر مستحق افراد کو سجادہ نشین بنا کر بٹھا دیا گیا۔

والیۂ ریاست بھوپال موسوم بہ ''بیگم بھوپال'' دیوان صاحب سیّد آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے منصب سجادگی سنبھالنے کے بعد ابتدائی سالوں میں ایک بار اجمیر شریف میں خواجۂ بزرگ کے آستانے پر حاضری دینے آئیں تو خدام درگاہ نے موقع غنیمت جانا سابق مرحوم سجادہ نشین کی بیوہ جو حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف کے احاطے میں رہائش رکھتی تھیں، انہیں ورغلا کر حویلی سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا اور حضرت دیوان صاحب کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ انہوں نے سابق سجادہ نشین کی بیوہ تک کو حویلی سے نکال باہر کیا۔

بیگم بھوپال سے بھی اس ضمن میں شکایت کی گئی انہوں نے حضرت سے ملاقات کی اور مذکورہ بالا واقعہ پر کسی قدر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا یہ سب خدام کا میرے خلاف پروپیگنڈہ ہے اور انہی کی سازش کے تحت موصوفہ حویلی سے چلی گئی ہیں حقیقت یہ ہے کہ مجھے اُن کے حویلی میں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے وہ شوق سے یہاں رہیں بلکہ آپ اُن کے لئے حویلی کا جو احاطہ یا کوئی مکان تجویز کر لیں مجھے منظور ہے۔ حضرت کے اس جواب سے بیگم بھوپال مطمئن ہو گئیں اس طرح خدام کا یہ سازشی منصوبہ بھی اکارت چلا گیا۔

خدام خواجہ کی چند ذمہ داریاں

ابتداء میں خدام کی اصل خدمات روضہ کی جاروب کشی آستانہ عالیہ کی چوکیداری جس کے لیے ہفت چوکی نظام قائم تھا (اس نظام کے تحت خادموں کے سات خاندانوں میں ہفتہ کے سات دن میں سے ایک دن خدمت کے لئے مقرر تھا) روزانہ پرانے پھول تبدیل کرنا مختصر یہ کہ اسی نوع کی ادنیٰ خدمات ان کے لئے مقرر تھیں اِس طرح خادموں اور سجادہ نشین کا تعلق خادم اور مخدوم کا تھا۔

درگاہ عالیہ اجمیر شریف میں موجود خدام کی خدمات کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے۔

درکشائی: گرمی سردی موسم کے اعتبار سے صبح کے اوقات میں بیگمی دالان کے دروازے کا قفل کھولنا خدام کی سب سے پہلی ذمہ داری تھی۔ اس کے بعد گبند شریف کی صفائی کر کے بیرونی حصہ کی صفائی اور گبند شریف کے مشرق اور جنوب کے دروازے کھولنا تاکہ زائرین خواجہ آرام وسکون کے ساتھ حاضری دے سکیں۔

صندل مالی: روزانہ سہ پہر کے وقت مزار پر صندل چڑھانا اور مزار شریف کا غلاف تبدیل کرنا بھی خدام کے ذمہ تھا۔

توشہ خانے کا انتظام: درگاہ سے متعلق دو توشہ خانے ہیں جن میں سے ایک بیگمی دالان کے شرقی دروازے سے جانب شمال ہے اس میں غلاف اور نیمے اور نقرئی چیزیں محفوظ رہتی ہیں۔ اس پر قفل لگا ہوتا ہے اور خدام میں خدمت کے لئے باری مقرر ہے۔ جس خادم کی باری ہوتی ہے کنجی اسی کے پاس ہوتی ہے اس دن کا انتظام اور حفاظت اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

دوسرا توشہ خانہ اسی بیگمی دروازے سے جانب جنوب ہے۔ اس میں مزار مبارک کے پرانے غلاف اور طلائی 'نقرئی اشیاء رکھی جاتی ہیں اس حجرے پر سات قفل لگے ہوئے

ہیں جن کی ایک ایک کنجی خدام کے سات خاندانوں کے پاس ہوتی ہے اور بداعتمادی کی اس فضاء میں سب خاندانوں کے نمائندے اپنی موجودگی میں سات قفل کھولتے ہیں اس کے بعد جس خاندان کی باری ہوتی ہے وہ اپنے فرائض انجام دیتا ہے جب تک ایک ایک خاندان کا فرد نہیں پہنچ جاتا توشہ خانہ نہیں کھل سکتا۔

ڈنکا: روزانہ مغرب کی نماز سے تھوڑی دیر پہلے صحن چراغ میں خدام روشنی کرتے ہیں اس کے ساتھ نقارہ بجانا بھی شاہی آداب کے تحت ان کی ذمہ داری ہے۔

روشنی: بیگمی دالان اور گنبد شریف میں روشنی کا انتظام بھی انہی خدام کے سپرد ہے۔

شاہی گھڑیال: عہد مغلیہ سے یہ طریقہ جاری ہے کہ درگاہ شریف کی مساجد میں عشاء کی اذان کے بعد نقارے پر دو گھنٹے بجائے جاتے ہیں پھر کچھ دیر بعد تین گھنٹے بجا کر جماعت کے کھڑا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے اور جب چار گھنٹے بجتے ہیں تو یہ اطلاع سمجھی جاتی ہے کہ اب نمازی سنتوں اور نوافل سے فارغ ہوگئے۔ گنبد شریف کے قریب بیٹھے ہوئے قوال اس کے بعد قوالی شروع کر دیتے ہیں۔ پانچ گھنٹے بجانے کا مقصد یہ اطلاع دینا ہوتا ہے کہ اب زائرین گنبد شریف سے باہر آ جائیں تاکہ فراش صفائی کا فریضہ بہ سہولت انجام دے سکیں۔ چھٹے گھنٹے کے ذریعہ یہ اطلاع دینا مقصود ہوتا ہے کہ صفائی کا عملہ فراشے ساتھ لے کر اپنی خدمت انجام دینے کے لئے روانہ ہو گیا ہے چنانچہ قوالی کا سلسلہ بھی انہی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ زائرین میں ہجوم اور اشتیاق کے سبب ایسے مناظر بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ انہیں گھنٹوں کے بجنے کے متعلق خبر نہیں ہوتی چنانچہ اکثر پانچ گھنٹے کے بعد خدام میں سے ایک شخص بیگمی دالان کی چوکھٹ کے سامنے کھڑے ہو کر زائرین کو ان الفاظ سے مخاطب کرتا ہے ''پانچ بج گئے ہیں صاحب''۔

تخلیہ ہو جانے کے بعد خدام شمعیں بجھا دیتے ہیں اس کے علاوہ اگر دانی سے عود وغیرہ صاف کرتے ہیں گنبد شریف کا فرش صاف کیا جاتا ہے۔ گنبد شریف میں بکھرے ہوئے پھول سمیٹ کر پائین میں جمع کر دیتے ہیں۔

ایک عرصہ تک خدام سے احسن طریقے پر خدمات حاصل کرنے کے لئے متولی کا منصب بھی جاری رہا۔ متولی نے بھی اپنے آپ کو موروثی سمجھ کر اپنے اختیارات سے تجاوز شروع کر دیا تھا چنانچہ ایک ایکٹ کے تحت متولی کا یہ منصب بھی ختم کر دیا گیا ہے۔

خدام خواجہ غریب نواز سے منسوب منظّم گروہ کو جب موقعہ ملا، محسن کشی اور بد طینتی کا مظاہرہ کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ دربارِ خواجہ بزرگ سے وابستہ یہ خدام اور متولی صاحبان جب بھی حق کے مقابل آئے ہمیشہ انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ مستند کتب اولادِ خواجہ کی تصدیق و تائید سے بھری پڑی ہیں تاہم یہ عرض کرتے ہوئے کہ۔

نہ یہ خواب کا بیاں ہے، نہ ہے شب نہ شب پرستی
میں نے روشنی کو دیکھا ' ہے بیاں بھی روشنی کا

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں کے سامنے اس تکلیف دہ صورت حال کی ایک جھلک پیش کی گئی تا کہ قارئین خود محسوس کر لیں کہ خواجہ صاحب کے دربار عالیہ سے وابستہ مفاد پرستوں نے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زائرین اولاد کو بالخصوص حضرت کے سجادہ نشینوں کو کس کس طرح پریشان کیے رکھا۔ سجادہ نشین تو ان کی آنکھوں میں خار کی طرح چبھتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی اولین کوشش یہی رہی ہے کہ خواجۂ بزرگ کی اولاد کی نفی کر دی جائے۔ اس حوالے سے تفصیلات اگلے صفحات میں بیان کی جائیں گی۔

''گلدستہ چشتی چمن'' میں اولادِ خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے اثبات کی بحث

کہا جاتا ہے کہ سچ ابھی اپنی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے تیاری کر رہا ہوتا ہے کہ جھوٹ اتنی دیر میں دنیا بھر کا چکر لگا کر واپس آچکا ہوتا ہے یوں بھی نیکی پھیلانا جتنا دشوار ہے فساد اور بدی پھیلانا اتنا ہی آسان کام ہے لیکن جھوٹ جھوٹ ہی ہوتا ہے اور بغیر سر پیر کے ہوتا ہے اس لئے تادیر نہیں چل سکتا۔ جھوٹ سراسر ظلم ہے اور

چراغِ ظلم، ظالم، تا دم محشر نہیں جلتا
جلے اک شب ہی جلتا ہے شب دیگر نہیں جلتا

ارادہ تو یہ تھا کہ اولاد امجاد حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی بابت حقائق ظاہر کرنے کے لیے ملفوظات' کتب تاریخ، تذکروں اور تاریخی دستاویزات کا جائزہ لے کر ایک جامع تحقیقی خدمت انجام دوں گا۔ لیکن ایک جانب اولاد امجاد کے انکار کرنے والے خادم محمد حسین کے ''رسالہ تحقیقات اولاد خواجہ'' کا مطالعہ کیا اور پھر اس کے رد میں تحریر کی گئی کتاب ''لمعات الانوار لدفع ظلمات الانکار'' معروف باسم تاریخی ''گلدستہ چشتی چمن'' جو افضل المطابع دہلی سے ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی تھی اس کا مطالعہ کیا تو یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اس کتاب کی موجودگی میں کسی مزید تحقیق کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ ''گلدستہ چشتی چمن'' میں مؤلف نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے اور جو حوالہ جات انہوں نے دیئے ہیں ان کی تحقیق وتصدیق کے لیے راقم نے حوالہ کی مختلف کتابوں سے کافی چھان پھٹک کی۔ الحمد للہ یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مؤلف نے حق تحقیق ادا کرتے ہوئے پوری دیانتداری سے کام لیا ہے یہاں تک کہ منکر اولاد خواجہ بزرگ کی کتاب سے جو جملے بیان کیے ہیں وہ

اپنے مضمون اور مفہوم کے اعتبار سے بالکل اسی طرح ہیں جیسا کہ نقل کیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں الفاظ میں فرق نظر آیا لیکن یہ فرق کتابت کے سبب معلوم ہوتا ہے مؤلف نے انصاف کا دامن تھامتے ہوئے ایسے مواقع کے لیے کتاب کے آخر میں معذرت کر کے کوتاہی کا اعتراف کرلیا ہے یہ بات قابل ذکر ہے کہ الفاظ میں یہ تقدیم و تاخیر یا معمولی رد و بدل دانستہ نہیں ہے کیونکہ بعض مقامات پر مؤلف کے اپنے دلائل میں بھی جملوں کی بے ربطی دکھائی دیتی ہے دوم یہ کہ ایسے کل مواقع آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ آخری بات یہ کہ کتابت میں ان الفاظ کی اس معمولی تبدیلی سے مضمون کی اصل شکل کہیں بھی تبدیل نہیں ہوئی۔

بیشتر مقامات پر مؤلف نے ''قولہ'' لکھ کر حافظ محمد حسین منکر اولاد امجاد کا بیان نقل کیا ہے اس کے بعد ''اقول'' لکھ کر ایک انتہائی لائق وکیل اور ایک بہت ہی منجھے ہوئے محقق کے طور پر منکر کے قول کا تحقیقی و تنقیدی اور تاریخی جائزہ لیتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا ہے۔ مثلاً اولاد امجاد خواجہ بزرگ کے بارے میں بحث کے آغاز ہی میں حافظ محمد حسین کا قول اس طرح لکھا گیا ہے۔

قولہ اس جھگڑے کی بنیاد عرصہ سے قائم ہے۔ پھر مؤلف گلدستہ چشتی چمن نے اپنا جواب اس طرح لکھا ہے۔

> اقول، جب کسی منکر نے بنائے انکار ڈالی فوراً منکر کے سر پر گر پڑی کبھی قائم نہ رہی... سلطان محمود خلجی اور جلال الدین محمد اکبر وغیرہما، جس بادشاہ کے عہد میں منکروں نے انکار کیا اُسی زمانے میں علی الرغم منکرین فیصلہ ہوگیا ہاں حاسدوں کا حسد ازل سے ہے اور دیر تک قائم رہے گا۔ (''گلدستہ چشتی چمن''۔ ص۔ 7)

قولہ جو اولاد کا دعوے کرتے ہیں وہ دیوان کہلاتے ہیں۔

اقول یہ بھی غلط ہے اس واسطے کہ نہ فقط دیوان صاحب سجادہ نشین
اولاد میں ہونے کا دعوی کرتے ہیں بلکہ اور بھی حضرات اولاد امجاد
حضرت خواجہ کے اجمیر میں موجود ہیں کہ وہ دیوان صاحب نہیں
کہلاتے بلکہ عموماً بلقب پیر زادگان مشہور ہیں پس نہ فقط دیوان
صاحب اولاد میں سے ہیں بلکہ اور بھی ہیں اور نہ سب حضرات اولاد
امجاد دیوان صاحب کہلاتے ہیں ۔سبحان اللہ جناب منکر کو کہ اجمیر
شریف کے متوطن اور آستان پاک کے خادم ہیں ہنوز یہ خبر نہیں کہ
دیوان جی فقط ایک صاحب سجادہ کا لقب ہے نہ کہ عموماً اولاد امجاد یعنی
پیرزادگان کا علاوہ اس کے اجمیر شریف میں جس قدر چھوٹے بڑے
ہندو مسلمان بلکہ بڑے بڑے حکام والا شان ہیں وہ سب خطاب
قربت میں سجادہ نشین کو دیوان جی یا دیوان صاحب کہتے ہیں۔
یہاں تک کہ یہ لقب گویا قائم مقام نام کے ہوگیا ہے۔
(''گلدستہ چشتی چمن''۔ص۔۸۹)

مؤلف گلدستہ چشتی چمن کے اسلوب تحریر کے اظہار کے لیے درج بالا مثالیں کافی تھیں۔تاہم مزید دو تین دلچسپ مثالیں دے کر یہ واضح کرنا چاہوں گا کہ موصوف نے کس قدر باریک بینی سے منکر اولاد امجاد کے دلائل کا مطالعہ کیا ہے اور کس عمدہ اور واضح طریقہ سے ان کا رد بھی کیا ہے۔

قولہ مگر دعوے کی تردید کرنے والوں نے بھی ایسی تردید کی کہ حد کو پہنچا
دیا اور کوئی بات اس دعوے کے رد کرنے میں باقی نہ چھوڑی۔
اقول ظاہر اس دعوے بے دلیل اور فقرہ عدیم المثیل کے عند المنکر یہ

معنی ہیں کہ منکرین نے جس سے مراد حافظ محمد حسین صاحبِ رسالہ اوران کے اہل طائفہ ہیں تردید متعلق دعوے اولاد میں کوئی بات باقی نہیں چھوڑی' بالکل وجود دشمنان نے اولاد حضرت خواجہ کا صفحہ ہستی سے محو کردیا۔ مگر عنقریب اس چشتی چمن کی سیر سے ظاہر ہو جائے گا کہ اس دعوے ہمہ دانی اور نعرۂ لن ترانی سے جناب منکر صاحب کی حقیقت کیا ہے شعر

بگفتن چہ حاجت کہ ہنگام کار ہنر ہائے خود را کند آشکار

اوراس فقرہ کے الفاظ سے صاف صاف عیاں ہے کہ جناب منکر اپنے اس دعوے کے موافق امر تحقیقات وجود اولا دامجاد حضرت خواجہ بزرگ میں متعصب اور شدید الانکار ہیں۔ محقق احوال اور مورخ بے رعایت نہیں ہیں۔ (''گلدستہ چمن''۔ص۔۸)

قولہ چونکہ یہ بحث صحیح حال دریافت کرنے کے لائق ہے اس واسطے میں نے ارادہ کیا کہ جہاں تک ہوسکے اس کی تحقیقات بلاطرف داری کیجائے۔ اور جو حال دریافت ہو وہ دوسروں تک بعینہٖ پہنچا دیا جائے۔

اقول ہر گاہ کہ جناب منکر نے پیشتر خود یہ فیصلہ تحریر فرما دیا ہے کہ منکروں نے اولاد امجاد کے دعوے کی تردید حد کو پہنچا دی اور کوئی بات ہی باقی نہیں چھوڑی۔ کما سبق۔ پھر کیا حاجت اور کون سی چیز باقی رہی تھی۔ جس کا صحیح حال دریافت کرنے پر حافظ صاحب متوجہ ہوئے شاید کہ بمقتضائے قول مشہور کہ'' حافظہ نہ باشد'' اپنا ہی قول مرقومہ جناب منکر النر مانی محقق دورانی کو یاد نہ رہا اور حال یہ ہے کہ صحت وجود اولاد حضرت خواجہ بزرگ رضی اللہ عنہ' ان معتبر کتابوں اور معتمد وثیقوں سے جن کی صحت اور وثوق پر گویا اجماع واتفاق ہے

بخوبی ثابت ہے اس کثرت اور تواتر سے کہ جن میں انکار کو مجال نہیں ہے۔
الخ (گلدستہ چشتی چمن: ص ۱۹۔۱۸)

اس سلسلہ کی آخری مثال ملاحظہ فرمایئے۔

قولہ لہٰذا میں نے یہ مناسب سمجھا کہ اول کل بادشاہوں کی تصنیفات یا بادشاہی حکم سے جو تصنیف اور تالیف ہوئی یا کسی مورخ نے لکھی ہوں انہیں جس مقام پر درگاہ یا حضرت خواجہ یا اولاد خواجہ صاحب یا خادم صاحبوں یا مجاور صاحبوں کا خاص ذکر لکھا ہے اُسکا انتخاب کر کے ایک رسالہ میں درج کر دوں۔

اقول مجھے اب تک وہ سبب معلوم نہ ہوا جس کا اشارہ لفظ لہٰذا میں ہے یعنی کہ جب ارادہ جناب رئیس الحادین کا واسطے تحقیقات بلاطرفداری کے ہوا تو اس واسطے یہ کیوں مناسب سمجھا کہ اول تصنیفات بادشاہی کے ذکر درگاہ شریف اولاد امجاد و حضرت خواجہ بزرگؒ کا انتخاب کیا جاوے۔ ایسے سلطان الاولیاء سرحلقہ مشائخ ہندوستان رضی اللہ عنہ کی تحقیقات اولاد امجاد اول میں ملفوظات مشائخ و تصنیفات علمائے دین و اقوال عارفین کی طرف رجوع فرماتے اور جو کتابیں کہ بالخصوص واسطے ذکرِ خیر حضرات مشائخ چشت کی تالیف ہیں بلکہ بعض ان سے خالصتاً واسطے ذکر خیر حضرت خواجہ غریب نواز کے ہیں۔ اول ان سے سند لاتے ہیں یہ الٹی چال کیونکہ اس تحقیقات کو کتب تالیف، بادشاہوں اور مؤرخان سے شروع فرمایا کہ جس میں بخلاف تخصیص ذکر حضرات کے تمام دنیا کے قصے مذکور ہیں اور احوال حضرات مشائخ

عظام کے بہت ہی مختصر اور مجمل مسطور ہیں مگر سچ یہ ہے کہ کہ جناب منکر اس چال کے چلنے میں بسبب رعایت نفس اور حمایت قوم کے مجبور ہیں.... اور یہ التزام جو منکر صاحب نے کیا کہ جس مقام پر درگاہ یا حضرت خواجہ صاحب یا اولاد خواجہ کا یا خادم صاحبوں و مجاور صاحبوں کا خاص ذکر لکھا ہے اسکا انتخاب اس رسالہ میں درج کیا جاوے۔ یہ بھی عبث تطویل ہے کیونکہ جب یہ رسالہ مخصوص بابت بحث اولاد کے ہے تو سوائے ذکر اولاد امجاد کے دوسرے امور کا لکھنا بجز طرفداری قوم اور نمائش اپنے نفس کے اور کیا سمجھا جاوے۔
الخ (گلدستہ چشتی چمن: ص ۱۹-۲۰)

خان بہادر مولوی انوار الحق حقی نے یہ تحقیقی شاہکار تخلیق کر کے اپنے صاحبزادے مولوی مصباح الدین حقی کے نام سے شائع کروایا ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے جن اڑسٹھ (۶۸) کتب تاریخ سے استفادہ کیا ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

اکبر نامہ، آئین اکبری، اقتباس الانوار، احسن السیر، اسرار الاقطاب احوال جناب خواجہ بر حاشیہ شرح الہامات، انیس الارواح احوال ائمہ اثنا عشر، احوال ہفت چشت، اقبال نامہ جہانگیری، افضل الفوائد، بحر الانساب، بوستان خواجہ، بادشاہ نامہ تزک جہانگیری، تذکرہ آغا حسن قلی خاں، تاریخ فرشتہ، تاریخ ہندوستان ڈاکٹر منشی ذکاء اللہ خان بہادر، تذکرۃ الاولیاء حضرت عطار، تواریخ اجمیر، تذکرۃ السادات بہادر شاہی، چہار گلشن محمد شاہی، خلاصۃ التواریخ ذکر ملوک، خزینۃ الاصفیاء، دلیل العارفین، روزنامہ صوبہ اجمیر، روضۃ الاقطاب،

راحت القلوب، رسالہ احوال حضرت قاضی حمید الدین ناگوری، رپورٹ جاگیرات اجمیر شریف مترجم ، رقعات شیخ مبارک وفیضی فیاضی، زبدۃ التواریخ، سیر العارفین، سیر الاقطاب، سبع سنابل سیر المتاخرین ، سفینۃ الاولیاء ، سلسلۂ السادات قاسمی ، سبائک الذہب، سیر الاولیاء، طبقات اکبری، عمل صالح، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، فوائد الفوائد، فہرست التوالیف، فرع النامے عن اصل السامے ، فوائد السالکین کلمات الصادقین، کنز الانساب، گلزار ابرار، لطائف اشرفی، مراۃ الاسرار، مناقب الحبیب، مناقب المحبوبین ، مونس الارواح ، ماثر الکرام ، منتخب تواریخ ، ماثر عالمگیری، مراۃ اسکندری ، مطلوب الطالبین ، مدائن المعین ، ملفوظاتِ ابراہیمی ، مجموعۃ الروایات نفحات الانس، وقائع حضرت خواجہ معین الدین، وقائع راجپوتانہ، ہفت اقلیم۔

دوسری جانب خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی اولادِ امجاد کا انکار کرنے والے حافظ محمد حسین نے محض دس کتابوں سے اپنے دعویٰ ابطال کو ثبوت تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اِن کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اکبر نامہ، آئین اکبری، طبقاتِ اکبری ، تاریخ فرشتہ ،منتخب التواریخ ،تُزُکِ جہانگیری، اقبالنامہ جہانگیری، سفینۃ الاولیاء، سیر المتاخرین، تاریخ ہند

لیکن اِن دس کتابوں میں سے چھ کتابوں میں آپ کو ایک جگہ بھی کوئی ایسا مواد ہرگز دستیاب نہیں ہوتا جس سے اولاد حضرت خواجہ کے متعلق کوئی پہلو نفی کا ظاہر ہوتا ہو۔ کتب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

آئین اکبری ، طبقات اکبری، تُزکِ جہانگیری

سفینۃ اولیاء، سیر المتاخرین، تاریخ ہند

ساتویں کتاب ''تاریخ فرشتہ'' میں سروشِ غیبی کی طرح کے ذکر حضرت خواجہ کے شادی کرنے کا اور اولاد امجاد پیدا ہونے کا حافظ صاحب کے قلم سے بھی ظاہر ہو گیا ہے۔ جبکہ آٹھویں کتاب ''منتخب التواریخ'' میں صاف صاف حقیقت بیان کرتے ہوئے جناب حضرت شیخ حسین اجمیری سے اکبر بادشاہ کی ناراضگی اور معاندین بالخصوص مشائخ فتحپور کی دھوکہ بازی اور صدور و قضاۃ کی زمانہ سازی بسلسلہ تحقیقات اولادِ امجاد خواجہ بزرگ کی مفصل کیفیت موجود ہے۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آٹھ کتابیں تو منکرینِ اولادِ امجاد کے لئے کسی طرح معاونت نہیں کرتیں۔ اب رہی نویں کتاب ''اقبال نامہ جہانگیری'' تو یہ ''اکبر نامہ'' کی اس حد تک نقل ہے کہ ایک ذرہ ہے تو دوسری آفتاب، یعنی اِس کا قول دراصل ''اکبر نامہ'' ہی کا قول ہے۔ یہی ''اکبر نامہ'' حافظ محمد حسین کی دسویں اور آخری کتاب ہے جس سے انہوں نے اولادِ امجاد خواجہ بزرگ کے لئے مواد حاصل کیا ہے۔ ''اکبر نامہ'' کے لئے مشتے نمونہ از خروارے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ ابو الفضل کی تالیف ہے۔ منکرینِ اولادِ امجاد خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مدار یہی کتاب ہے۔ مولف شیخ ابوالفضل بن شیخ مبارک ناگوری اول درجہ کا عیار دنیادار اور امور دین میں محض بے اعتبار اور لاپرواِانسان تھا۔ اس کا بڑا بھائی ابوالفیض فیضی ملک الشعراء تھا لیکن ابوالفضل سے بھی زیادہ دین میں شر اور فتور پھیلانے والا شخص تھا اسی وجہ سے دین دار لوگوں میں انتہائی نامقبول تھا۔ بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کو نئے دین ''دینِ الٰہی'' کی طرف توجہ دلانے والے یہی دونوں تھے۔ جھوٹ اور بہتان لگانا اِن کے لئے بہت آسان شغل تھا نیز اہل عرب کی تذلیل کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ تذکرۂ آغا حسین قلی خان میں تحت ترجمہ شیخ فیضی کے یہ لکھا ہے۔

''کہ احوال کفرو الحاد اوبسبب ازراہ بُردن
بادشاہ کہ آن ہر دوبرادر اکبر را اکفر ساختند''

(گلدستہ چشتی چمن: ص۔۲۹)

منتخب التواریخ کے مطابق علمائے وقت مثل مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری سے ابوالفضل سرِ مجلس بحث و گرفت ان کی تذلیل کے واسطے کیا کرتا تھا اور جب کہ ابوالفضل کے مقابلے میں کسی مجتہد کا قول نقل کیا جاتا تو وہ جواب میں کہتا تھا کہ فلانے حلوائی اور فلانے کفش دوز اور فلانے چرم گر کا قول ہم پر حجت نہیں ہے۔ (گلدستہ چشتی چمن ص۔۳۰)

ابوالفضل کے شاگرد رشید پسر ملا مبارک نے ایک رسالہ در باب حقارت ارکانِ اسلام تصنیف کیا تھا۔ جب شیخ مبارک ناگوری مرا تو اس کے بیٹوں فیضی اور ابوالفضل وغیرہ نے تعزیت میں سر اور داڑھی مونچھیں اور بھنویں منڈوائیں۔ اس چار ابرو کی صفائی کی تاریخ ''شریعت جدید'' نکالی گئی ان ہی دونوں بھائیوں کے سبب رکنِ اعظم سلطنت خانِ اعظم اختلاف معتقدات اور مسائل سے پریشان ہوکر براہ دریا مکہ معظّمہ کو بھاگ گئے تھے۔

؎ کہاں تک سنو گے کہاں تک سناؤں

جہاں تک ''اکبرنامہ'' کا تعلق ہے، یہ کتاب اکبر بادشاہ کے حکم سے شیخ ابوالفضل نے لکھی جس میں سلطنتِ اکبر کے حالات یکجا کیے گئے ہیں۔ حال یہ ہے کہ لکھے گئے احوال و واقعات میں اختلاف و تناقص ہے جس کا خود ابوالفضل نے بھی اکبرنامہ میں اقرار کیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اکبر کی بادشاہت کے اول اٹھارہ سال تک واقعاتِ سلطنت جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ بعد میں جب اکبر کو اس طرف خیال آیا تو ابوالفضل کو واقعات جمع کرنے کا حکم دیا اور گذشتہ کیلئے کچھ سُنے سنائے پر اور کچھ اکبر کے حافظے پر اعتبار کر کے واقعات جمع کر لیے گئے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری اور برمحل معلوم ہوتی ہے کہ واقعہ

تحقیقات اولادِ حضرت خواجہ بزرگوارؒ بھی ۱۴ جلوسی میں ہوا تھا۔ (''گلدستہ چشتی چمن '': ص ۳۵) اس طرح یہ اندازہ لگالینا مشکل نہیں ہوگا کہ ''اکبرنامہ'' کس قدر بے اعتبار ہوگا۔

ایک تو ''اکبرنامہ'' بے اعتبار اس پر ستم یہ کہ اس کتاب سے حافظ جی نے جس طرح استفادہ کیا ہے، اس صورتِ حال نے تو ساری تحقیق کا ہی نہیں خادم صاحبان کا سارا پول کھول کر رکھ دیا ہے۔ اُن کا وعدہ تو یہ تھا کہ اپنی طرف سے کچھ کم یا زیادہ نہیں کروں گا لیکن قدم قدم پر وعدہ خلافی کی ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ ''اکبر بادشاہ کے رُوبرُو شیخ حسین نے جو دیوان حال درگاہ کے مورث تھے، دعویٰ خواجہ صاحب کی اولاد ہونے کا کیا، مگر خادم صاحبان درگاہ نے کہا کہ یہ اولاد خواجہ صاحب کی نہیں ہے'' ''بادشاہ نے اس جھگڑے کی تحقیقات فرمانی ضروری خیال کر کے معتبر اور منصف آدمیوں کو مقرر کیا کہ اس کی کامل تحقیقات کر کے جو اصلی حال ہو اس سے بادشاہ کو اطلاع دیں''۔ ''شیخ حسین صاحب کے اولاد ہونے کے دعوے کا یہ فیصلہ ہُوا کہ ان کا دعویٰ خارج ہُوا۔ دوسرے یہ بات ہوئی کہ عہدۂ تولیت ان کو سونپ دیا تھا۔ اس میں جو خادم صاحبوں کے واسطے نذر کا روپیہ آتا تھا وہ شیخ حسین کھا جاتے تھے۔ اس کے عوض وہ متولی کے عہدہ سے موقوف ہُوئے''۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ حافظ محمد حسین نے درج بالا تمام بیانات اور الزامات میں بہت ہی بیباکی کے ساتھ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ ظلم یہ کہ اول تو ابوالفضل نے اپنی بدطینتی کے سبب حضرت حسین اجمیری سے تعصب روا رکھا اور واقعات و حقائق میں کُھلے جُھوٹ سے کام لیا اس کے بعد جہاں کمی رہ گئی تھی وہ حافظ جی صاحب نے اس طرح پوری کر دی کہ اپنے تمام دعوؤں اور وعدوں کے خلاف غلط بیانی سے بھرپور کام لیا ہے۔ اول تو ''اکبرنامہ'' کی عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ جناب شیخ حسین اجمیری نے اکبر بادشاہ کے رُوبرُو خواجہ صاحب کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ''اکبرنامہ'' کی عبارت یوں

ہے اور حافظ صاحب نے بھی نقل کی ہے۔

''جمع کے دعویٰ فرزندی خواجہ داشتند وعہدۂ تولیت بالیشاں مفوض بود وریاست ایں طائفہ شیخ حسین داشت''

ترجمہ: ۔''جو لوگ کہ دعویٰ فرزندی حضرت خواجہ کا رکھتے تھے اور خدمت تولیت (درگاہ شریف) بھی انہی کے سپرد تھی...........''۔

چنانچہ اس میں کہیں نہیں لکھا کہ بادشاہ کے رُوبرُو جناب شیخ حسین نے دعویٰ فرزندی پیش کیا تھا۔ پھر یہ بھی قابل توجہ ہے کہ خود منکر صاحب کو بھی اعتراف ہے کہ جناب شیخ حسین اجمیری سجادہ نشین سابق دیوان جی صاحب کے مورث تھے۔

دوم یہ کہ ''اکبرنامہ'' میں لفظ جھگڑا کہیں نہیں لکھا۔ سوم یہ کہ منکر صاحب کے مطابق: اولاً تو یہ لکھا کہ اکبر بادشاہ نے اس مسئلہ میں تحقیقات کا ارادہ کیا پھر آگے چل کر مضمون کو اس طرح کی شکل دے دی گویا یہ ایک مقدمہ تھا جس میں حضرت شیخ حسین اجمیری نے اولاد میں ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور اکبر بادشاہ کے روبرو اپنی حق رسی کے لئے عرضی دعویٰ پیش کیا تھا۔ خادموں نے ان کے دعوے کے خلاف جواب دعویٰ لکھا۔ تب بادشاہ کے حکم سے معتبر آدمیوں نے تحقیقات کیں جس کا خلاصہ بادشاہ نے یہ تحریر فرمایا کہ ''دعویٰ فرزندی اصلے نداشت'' اس کے بعد انہوں نے یہاں تک لکھ دیا ''دعویٰ مدعی کا خارج ہوا۔

لہٰذا آپ اکبرنامہ میں دیکھ سکتے ہیں جناب انکار مآب نے غلط بیانی جاری رکھنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ ابوالفضل نے کہا ہے کہ عہدہ تولیت جناب شیخ حسین کے سپرد تھا جو کہ قدامت تولیت پر دلالت کرتا ہے مگر انہوں نے کمال ڈھٹائی سے لکھا ہے ''سونپ دیا گیا تھا'' جس سے تھوڑی مدت اور عارضی خدمت کا گمان ہوتا ہے یہی نہیں اکبرنامہ میں تصرف کر کے طرفداری کی بدولت نذر کا روپیہ فقط خادموں کے لئے بتایا گیا ہے۔

یہ تو ایک جھلک تھی حافظ محمد حسین نمائندہ خدام کی تحقیقی کاوش کی اب آپ ابوالفضل کی دیدہ دلیری اور اولیائے عظام اور ساداتِ کرام کے ساتھ دریدہ ذہنی ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت میراں سید حسین خنگ سوار علیہ الرحمت جو خود بقول ابوالفضل عوام میں امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد مشہور تھے۔

جن کو ابوالفضل کے ہم عصر ملا نظام الدین ہروی نے طبقات اکبری میں صاف صاف لکھا ہے کہ آپ امام حضرت زین العابدین کی اولاد میں تھے۔

صاحب تاریخ فرشتہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت خنگ سوار رحمتہ اللہ علیہ جناب امام زین العابدین کی اولاد تھے۔ لطف کی بات یہ کہ یہ عبارت حافظ محمد حسین نے بھی اپنے رسالہ کے صفحہ ۲۲ پر درج کی ہے کہ زبدۃ التواریخ میں ہے کہ "امام ممدوح علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے حضرت خنگ سوار کی شان میں یہ شعر لکھا ہے۔

شکر اللہ کہ بدل تافتہ انوار جلی
از حسین ابن علی ، ابن حسین ابن علی

اس تمام عظمت اور اعتراف کے باوجود ابوالفضل کی ہذیان گوئی ملاحظہ ہو

"وروز دیگر باتماشائے قلعۂ اجمیر کہ برکوہے واقع است متوجہ شدند و درآں عالی مقام بزیارت سید حسین خنگ سوار کہ درزبان عوام از اولاد امام زین العابدین است پر داختہ بترک جستند وتحقیق آنست کہ سید از ملازمان شہاب الدین غوری است ہنگامی کہ فتح ہندوستان کردہ مراجعت نمودہ اورابشقداری اجمیر گذاشت

و آنجا نقد حیات سپرد و بمرورِ ایام و ہجوم
عوام بولایت مشہور گشت (گلدستہ چشتی چمن ص۔۵۴)

یعنی حضرت میراں خنگ سوار علیہ الرحمتہ کو عوام امام زین العابدین کی اولاد خیال کرتے ہیں جبکہ تحقیق یہ ہے کہ وہ شہاب الدین غوری کے نوکر تھے۔ اجمیر کے حاکم تھے اور وہیں مر گئے ان کی وفات کے بعد ایک مدت گزرنے پر میراں صاحب ایک ولی مشہور ہو گئے۔

اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو دیدہ دلیری سے ایک مسلمہ بزرگ کو اس طرح توہین آمیز انداز میں پیش کر سکتا ہے' اس ابوالفضل نے اپنے عہد کے بزرگ حضرت حسین اجمیری کے ساتھ کیا کیا دریدہ دہنی نہ کی ہوگی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابوالفضل جس کی طبیعت کا تعفن ہر محبّ خواجہ غریب نواز اجمیری کے لئے باعث پریشانی ہے حافظ جی صاحب اُس سے بھی بازی لے جانے کی فکر میں ہیں۔

ابوالفضل نے ایک مقام پر لکھا کہ "دعویٰ فرزندی" حضرت حسین اجمیری نے فرمایا تو جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آ چکی تو اگلے مقام پر لکھ دیا کہ

"خود را از دخترے نژاد خواجہ میداند"

یہ تضاد بیانی ابوالفضل کی کیا کم تھی کہ حافظ محمد حسین صاحب نے مزید حاشیہ آرائی فرماتے ہوئے لکھ دیا کہ

"اور یہ بھی ثابت ہے کہ شیخ حسین یہ دعویٰ کرتے تھے
کہ میں خواجہ صاحب کی دختری یعنی بیٹی کی اولاد سے
ہوں۔ یہ دعویٰ نہیں تھا کہ پسری یعنی لڑکے کی اولاد
سے ہوں۔ پسری اولاد ہونے کا دعوی تو حال میں کیا گیا ہے

دختری اولاد، خواجہ بزرگؒ کے بارے میں تفصیلی بحث درج کرنے سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ پسری اولاد ہونے کا دعوی پہلے کبھی نہیں کیا گیا اور یہ دعوی محض حال میں کیا جارہا ہے اول تو اکبرنامہ میں صاف صاف الفاظ میں لکھا ہے شیخ حسین دعویٰ فرزندی رکھتے تھے بہرحال اب تک کی بحث اور منکرین اولاد امجاد خواجہ بزرگؒ کی غبار آلود تحقیقات نے جو مغالطے پیدا کئے ہیں ان کے سبب درج ذیل امور تحقیق طلب معلوم ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ حضرت خواجہ حسین اجمیری سے عہدہ تولیت کس طرح سلب ہوا؟

دوم یہ امر تحقیق مزید چاہتا ہے کہ آیا آپ کا دعویٰ فرزندی بے اصل نکلا؟

سوم تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا جناب خواجہ حسین اجمیری دختری اولاد یعنی محاورۂ اہل ہند کے مطابق نواسۂ حضرت خواجہ بزرگؒ تھے؟

مسئلہ اول کی تحقیق ظاہر کرتی ہے کہ فی الواقع ۱۶ء جلوس اکبر بادشاہ میں تولیت موروثی جناب خواجہ حسین سے سلب ہوگئی تھی۔ لیکن قدیم و جدید کتب مثل منتخب التواریخ، زبدۃ التواریخ، مناقب الحبیب اور فرامین سلاطین سے یہ ثابت ہے کہ آپ کو یہ منصب تولیت مع سجادگی خواجہ غریب نواز اجمیری ارثاً اور استحقاقاً پہنچا تھا۔ حضرت شیخ حسین صوبہ اجمیر میں بادشاہانہ زندگی بسر کرتے تھے کہ حاسدوں کی کوشش اور حسد کے نتیجہ میں اکبر بادشاہ کے دل میں ان کے بارے میں کدورت پیدا ہوگئی ادھر بادشاہ کے دل میں غبار تھا اُدھر خادموں نے نالش کردی کہ جناب سجادہ نشین اور ان کے متوسلین تمام نذور کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں اس موقعہ پر منکروں نے حضرت خواجہ حسین کی فرزندی خواجہ غریب نواز سے بھی انکار کردیا۔

ملا عبدالقادر بدایونی رقمطراز ہیں چونکہ بعض صاحبزادگان فتحپور اپنے رسوخ کے سبب مشائخ زمانہ کی جڑ کاٹنے میں خاطر خواہ کوشش کرتے تھے' حاضر بارگاہ تھے۔ ان کی راہنمائی سے دشمنوں نے یہ گواہی دی کہ ان کا نسب صحیح نہیں ہے کیونکہ دراصل حضرت خواجہ کی اولاد ہی باقی نہ رہی تھی اور اس قسم کا محضر صدور اور قاضیان زمانہ ساز نے بھی لکھ دیا۔ بوجوہ مذکورہ تولیت آستانہ پاک کی جو فی الحقیقت جز ولانیفک سجادگی کا تھی سلب ہو گئی یعنی کہ جب بقول دشمنان حضرت خواجہ کی اولاد باقی نہ رہی تھی تو نہ خواجہ حسین زمرہ اولاد امجاد سے رہے اور نہ مستحق تولیت درگاہ کے رہے۔ پس شیخ محمد بخاری جو سادات صحیح النسب ہندوستان سے رکن السلطنت نواب شیخ فرید سید مرتضیٰ خان بخشی الممالک کے ماموں تھے۔ متولی درگاہ حضرت خواجہ اجمیر مقرر ہو گئے۔ سلب تولیت کا زمانہ طویل یعنی تینتیس برس پر محیط تھا جبکہ خواجہ محمد بخاری فقط تین سال بعد گجرات میں ۹۷۸ھ میں شہید ہو گئے لہٰذا مختلف لوگوں کو یہ منصب تولیت بادشاہ کی جانب سے عطا ہوتا رہا۔

خواجہ حسین اجمیری رحمتہ اللہ عنہ لگ بھگ آٹھ سال تک سلب تولیت کے بعد اجمیر شریف میں مقیم رہے۔ اکبر بادشاہ ان برسوں میں اجمیر شریف آتے جاتے رہے مگر کوئی صورت صفائی کی نہ نکلی بلکہ بادشاہ کی رنجش اس سبب سے فزوں ہوتی رہی کہ مرجوع خلائق اور شان وشوکت حضرت خواجہ حسین کا روز افزوں تھا۔ اس وقت کے دستور کے مطابق کہ جب بڑے بڑے عمائدین وارا کین سلطنت اور مشائخ دین وملت پر بادشاہ کی نظر عتاب ہوتی تو ان کو مکہ معظّمہ کو رخصت کر دیا جاتا حضرت کو بالآخر مکہ معظّمہ رخصت کر دیا۔

مکہ معظّمہ سے مراجعت کے بعد حضرت شیخ حسین' اکبر بادشاہ سے ملاقات کے موقع پر نئے دین اکبری کے موافق تسلیمات نہ بجالائے چنانچہ بادشاہ نے انہیں قلعہ بھکر بھجوا دیا پھر ۱۰۰۲ھ مطابق ۴۰ء جلوس میں بھکر سے واپس بلالیا۔ اس کے بعد آپ کبھی فتحپور میں

اور کبھی نواح میں رہے، یہ مدت چھ سال رہی اس کے بعد ۱۰۰۸ء میں آپ کو عہدہ ءتولیت اور سجادگی پر بحال کر دیا گیا۔

بدخصلت ابوالفضل نے بھی سلب تولیت کی اس مدت کو دراز کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کیا تھا کتاب مناقب الحبیب میں درج ہے کہ

''ابوالفضل نے اکبر بادشاہ کے حضور میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ حضرت خواجہ حسین سجادہ نشین اس کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ جب اکبر بادشاہ نے اجمیر میں حضرت خواجہ حسین سے دریافت کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا ''کلُ مومن اخوۃ'' چنانچہ بادشاہ نے شیخ کے دعویٰ کو جھوٹ سمجھا اور شیخ نے ندامت اٹھائی جس سے ابوالفضل کی غیرت وحمیت کی رگ حرکت میں آ گئی چنانچہ ایک دن موقع پا کر بادشاہ سے عرض کیا کہ خواجہ حسین کا ایسا ارادہ ہے کہ لشکر جمع کر کے خود بادشاہ بن بیٹھیں اور اس کی تصدیق اس طرح ممکن ہے کہ بڑے بڑے سرداران و مہاراجگان ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اس لشکر میں شامل ہیں۔ بادشاہ ان سے کہیں کہ خواجہ حسین کا سر کاٹ کر لاویں سرداران نے بلحاظ آداب و پاس حرمت سجادگی اس خاندان عالیشان کے ہمیشہ سے مسلوک تھا صاف انکار کیا۔ بادشاہ کو شک ہوا۔ شیخ جی کا چکر چل گیا۔ چنانچہ جناب خواجہ حسین کو حکم ہوا کہ مکہ معظّمہ چلے جائیں ان کی روانگی کے بعد ابوالفضل نے بادشاہ سے عرض کر کے ان کی حویلی مسمار کروادی اور اس کی جگہ اکبری مسجد بنوائی گئی۔

یہ کل حقیقت تھی حضرت خواجہ حسین کے سلب تولیت اور اس کے بعد کے حالات کی جس کو منکرین اولاد امجاد خواجہ بزرگؒ نے طرح طرح کی غلط بیانیوں سے آلودہ کر دیا ہے۔ پھر یہ حکم آخر جو ۴۶ جلوس میں اکبر بادشاہ کی طرف سے جاری ہوا اس کے مطابق حضرت خواجۂ حسین کو بدستور سابق منصب تولیت جو موروثی اور متعلق سجادگی تھا واپس مل گیا اور آپ کو اجمیر شریف میں رہائش کی اجازت بھی مل گئی تھی۔

دوسرا تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا حضرت شیخ حسین کا دعویٰ فرزندی بے اصل نکلا تھا۔ اس ضمن میں محقق گلاستہ چشتی چمن واضح کرتے ہیں کہ صورت حال یہ تھی۔

''وجوہ اور دلائل معتمدہ اور براہین وحجج معتبرہ سے صحیح ثابت یہ ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ قدس اللہ سرہٗ متاہل ہوئے اور صاحب اولاد تھے اور جناب شیخ حسین اجمیری وغیرہ بھی بیشک حضرت خواجہ کی اولاد تھے۔ آج تک ان کی نسل واولاد شہر اجمیر میں با احترام تمام ساکن اور وارثان خواجہ حسین علیہ الرحمتہ سے خود باقرار منکر اولاد حافظ محمد حسین سجادہ نشین حال مسند سیادت پر متمکن ہے ان کے خاندان قدیم کے ہزاروں لاکھوں معتقد اطراف ہند میں ہنوز موجود ہیں۔ ان کے آثارات وعمارات وجاگیرات وسندات قدیم ان کی صحت نسب و مراتب پر شاہد عادل حاضر ہیں کتابیں ان کی تصدیق کرتی ہیں کتبہ ان کی توثیق سے موزوں حقوق وآداب واعزاز لوازم منصب سجادگی خاص آستان پاک میں ان کے واسطے موجود ہیں۔ اس کی صحت اور قدامت اور ثبوت اور شہرت تواتر سے نسلاً بعد نسلٍ صد ہا برس سے جاری ہے چنانچہ کسی کے کہنے سے دعویٰ فرزندی ان کا بے اصل نہیں ہوسکتا۔ اصول یہ ہے کہ کوئی ثابت چیز بغیر دلیل کے بے اصل نہیں ہوسکتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ منکرین اولاد وامجاد کے سرخیل نے دلیل کہاں سے دی۔ ان کی دلیل کے ماخذ اکبر نامہ اور اقبال نامہ ہیں جن میں اقبال نامہ محض اکبر نامہ کا مقلد اور متبع ابوالفضل کا ہے تو حقیقتاً ماخذ ایک ہی رہ گیا۔

ابوالفضل کے علاوہ کسی اور مورخ نے انکار وجود اولاد امجاد کا نہیں کیا۔ بلکہ اکبر نامہ اور اقبال نامہ پر کئی کتابوں میں جرح وقدح اسی بحث انکار کے سبب موجود ہے۔ چنانچہ صرف ایک ابوالفضل کی ملاحی سے منکرین اولاد امجاد کا بیڑا کیونکر پار ہوسکتا ہے۔ ابوالفضل کے جو سوانحی حالات بیان کئے گئے ہیں ان کی موجودگی میں اس کی بات کس طرح تسلیم کی جا سکتی ہے۔ جن عدول وثقاہ کا ذکر منکرین کرتے ہیں ان کے نام وہ دیتے ہیں اور نہ ہی

اکبرنامہ نے ان کے نام دیئے پھر یہ کہ کسی مورخ کی شہادت ان کی موید نہیں۔ابوالفضل نے لکھا ہے کہ مجاوروں نے دعویٰ فرزندی میں شیخ حسین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی تکذیب کی بادشاہ نے چاہا کہ ثقات وعدول قرار واقع تحقیق کریں بڑی پیروی کے بعد ظاہر ہوا کہ دعویٰ فرزندی بے اصل تھا۔اس واسطے شیخ محمد متولی کیے گئے۔فقیر حقیر یہ عرض کرتا ہے کہ مجاورین جنھوں نے انکار فرزندی حضرت شیخ حسین وغیرہ اولاد پاک کا کیا تھا ان کے حق میں صاحب زبدۃ التواریخ جو تالیف عہد جہانگیر ہے مرقوم ہے کہ "سکان آن روضہ رضیہ (حضرت اجمیر) از شرارت وحسد درنسب فرزندی شیخ حسین سخنی داشتند" یعنی مجاورین نے حسد اور شرارت سے فرزندی شیخ حسین کا انکار کیا تھا اور حضرت بادشاہ جہاں پناہ جنھوں نے تحقیقات کروائی ان کی نسبت صاحب منتخب التواریخ یوں فرماتے "دشمنوں نے بعض مشائخ کے بہکانے سے خواجہ حسین کے نسب کی نفی میں گواہی دی اور زمانہ سازی کے طور قاضیوں اور صدور نے محضر لکھا اور جناب ابوالفضل علامی جنھوں نے اکبر نامہ لکھا ان کی عداوت موروثی قدیمی اور رنج جدید کا حال پیشتر لکھا گیا ہے۔واضح رہے کہ یہ وہ عدول ثقات ہیں جن کا ذکر حافظ محمد حسین انکار مآب نے بہت اہتمام سے کیا ہے۔

اب آپ خود انصاف کریں کہ مدعی شریر اور حاسد، بادشاہ منکر، محققین دشمن وزمانہ ساز، مورخ موروثی متعصب ہیں۔یہی نہیں بادشاہ اور وزیر دونوں کے عقائد ایک سے ایک اعلیٰ چنانچہ اس تحقیقات پر صرف منکرین اولاد امجاد ہی اعتبار اور ناز کر سکتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ حقائق اولاد امجاد خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے حق میں جاتے ہیں۔

نمبر 1 منصب تولیت درگاہ شریف حضرت خواجہ اجمیر کا صاحب سجادہ اولاد حضرت خواجہ سے وابستہ تھا چنانچہ متواتر فرامین بادشاہان سلف سے اور کتب تاریخ سے ثابت ہے منتخب التواریخ کی عبارت "کہ آن تولیت موروثی چندین روزے" یہ ظاہر کرتی ہے کہ حاسدوں

کی شرارت کے سبب چند سال کے لئے یہ منصب آپ سے چھین لیا گیا تھا یعنی پہلے اور بعد میں واپس مل گیا یعنی اکبر بادشاہ کے ۴۶ جلوس کے حکم سے منسوخ ہو گیا چنانچہ دعویٰ منکرین کے مطابق اگر تولیت ختم ہونے سے دعویٰ فرزندی ختم ہو گیا تو تولیت بحال ہو جانے سے دعویٰ فرزندی بھی ثابت ہو گیا۔

نمبر 2 تولیت کے بحال ہونے کے بعد حضرت خواجہ حسین خود متمکن مسند سجادگی و فرزندی ہوئے اور اُن کے بعد ان کے وارثان اور جانشین نسلاً بعد نسلٍ آج تک موجب منکروں کے سرخیل سجادہ نشین چلے آرہے ہیں۔

یوں بھی اگر عہد اکبری کی یہ تحقیقات صحیح ہوتی تو دوسرے سلاطین نبیرگان جلال الدین اکبر بادشاہ یا دیگر سلاطین وحکمران بغیر اعتراض کے کس طرح حضرت خواجہ حسین کی اولاد میں سلسلہء سجادگی بحال رکھتے۔

نمبر 3 اگرچہ ابوالفضل نے گول گول لکھا کہ عدول وثقات کی تحقیق سے ثابت ہوا کہ دعویٰ فرزندی بے اصل تھا لیکن عدول وثقات کے نام نہیں لکھے مگر بعنایت الٰہی خود رسالہ منکرہ کے ملاحظہ سے واضح ہو گیا کہ وہ عدول وثقات شیخ زادگان فتحپور تھے جو کہ خوان احسان شہنشاہ اکبر اور موید الطاف شیوخ ناگور (ابوالفضل، فیضی) کے تھے۔

نمبر 4 شیخ ابوالفضل نے بمقتضائے فطرت اس امر کو بھی گول کر دیا کہ آیا فقط دعویٰ شیخ حسین اجمیری کا بابت اولاد خواجہ بزرگ بے اصل نکلا یا سب اولاد حضرت خواجہ کا دعویٰ بے اصل تھا۔ ابوالفضل کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب دعویٰ کرنے والی ایک جماعت تھی تو دعویٰ بھی پوری جماعت کا ہی رد ہوا ہوگا۔

صاحب منتخب التواریخ کے مطابق شیوخ فتحپور وغیرہم کی شہادت یہ تھی کہ حضرت خواجہ سے اولاد ہی باقی نہیں رہی تھی۔

شیوخ فتحپور کی شہادت تو اس لئے بھی بے اصل ہے کہ آج بھی خدام درگاہ خود بڑھ بڑھ کر اجمیر شریف میں واقع اولاد خواجہ بزرگ کے مزارات پر زائرین کو یہی کہہ کر فاتحہ پڑھواتے ہیں اور نذورات طلب کرتے رہتے ہیں کہ یہ مزارات حضور کے محرمات کے ہیں اور یہ مزار حضرت کی دختر بی بی حافظ جمال کا ہے اور ان کے پائینی دو قبریں صاحبزادگان صغیر سن حضرت صاحبزادی ممدوحہ کی ہیں اور وہ چبوترہ لب حوض جھالرہ حضرت خواجہ کے صاحبزادہ سید ابو سعید کا ہے۔

نمبر 5 کتاب ''الاخبار الاخیار'' میں لکھا ہے کہ عام لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ نے شادی نہیں کی تھی اور آپ کی اولاد نہیں ہوئی تھی غلط فاش ہے۔

نمبر 6 عبارت منتخب التواریخ کی اکبر نامہ کے قول کی تکذیب کرتی ہے۔

نمبر 7 گلزار ابرار کے مطابق جو لوگ حضرت خواجہ کو بے شادی کے اور بے اولاد کے کہتے ہیں یہ فقط ان کا گمان ہے صحیح یہ ہے کہ حضرت کی اولاد تین فرزند تھے اور آگے بھی ان سے اولاد چلی۔

نمبر 8 عبارت سیر الاقطاب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ حضرت خواجہ کی اولاد میں اختلاف رکھتے ہیں وہ سب غلطی پر ہیں۔ عوام کے قول کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

نمبر 9 مرآت الاسرار میں منقول ہے کہ اکبر نامہ اور اقبال نامہ جہانگیری میں جو کچھ درباب یعنی اولاد حضرت خواجہ کے لکھا ہے وہ تعصب سے ہے اور اسی کتاب میں جناب شیخ حسین اجمیری کو صاحب سجادہ لکھا ہے۔

نمبر 10 مطلوب الطالبین میں بھی اکبر نامہ اور اقبال نامہ پر صریح اعتراض موجود ہے۔

نمبر 11 مونس الارواح کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کہتے ہیں حضرت خواجہ نے شادی نہیں کی تھی اور بعض کہتے ہیں شادی کی تھی مگر اولاد نہ ہوئی تھی یہ دونوں قول ضعیف ہیں

اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ یہ قول یعنی حضرت کی اولاد نہ ہوئی تھی غلط فاش ہے۔

نمبر 12 اقتباس الانوار میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کی اولاد اور پوتوں کا وجود یقینی ہے اور یہ قول حضرت خواجہ بے شادی اور بے اولاد تھے غلط فاش ہے اور اسی کتاب میں جناب خواجہ حسین کو ان کے وارثوں اور جانشینوں کو اولاد صحیح حضرت خواجہ کی لکھا ہے۔

نمبر 13 روضۃ الاقطاب میں مانند مطلوب الطالبین کے اکبر نامہ اور اقبال نامہ پر تعریض اور تصحیح وجود اولاد امجاد کی درج ہے۔

نمبر 14 مدائن المعین اور اشجار الجمال کا ترجمہ جو راقم کے پیش نظر ہے اچھی طرح مثبت صحت سجادہ نشینان سابق کا ہے جو وارث اور جانشین خانوادہ حضرت خواجہ حسین اجمیری میں ہو گزرے ہیں اور اسی اصل پاک کی یہ فرع پاک ہے جو آج کے دن برومند سعادت ہے۔ (یہ کتاب گلدستہ چشتی چمن' جس دور میں تالیف کی گئی تھی اس وقت دیوان غیاث الدین علیخاں صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف تھے)۔

نمبر 15 کتاب مناقب الحبیب میں سلسلہ نسب اولاد امجاد حضرت خواجہ بزرگ کا تابہ جناب دیوان سید سراج الدین علیخاں درج ہے اور جناب دیوان صاحب ممدوح والد بزرگوار دیوان سیّد غیاث الدین علیخاں صاحب کے تھے جو سجادہ نشین حال ہیں۔ (گلدستہ چشتی چمن)

ان تمام براہین کی موجودگی میں یہ باآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اکبری تحقیقات بالکل بے اصل تھیں اور اکبر نامہ نا معتبر اور نا مقبول ہے۔ سوم تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا حضرت حسین اجمیری' حضرت خواجہ بزرگؒ کی دختری اولاد یعنی' محاورۂ ہندی کے مطابق خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے نواسے تھے۔ اس بارے میں مولف گلدستہ چشتی چمن رقمطراز ہیں کہ مطابق اکبر نامہ حضرت خواجہ حسین اجمیری اپنی ذات کو اولاد دختری حضرت خواجہ بزرگؒ کی بتاتے تھے۔ یہ بیان بھی شیخ ابوالفضل کا بالکل غلط اور بے اصل ہے

اور بنیاد اس نواسہ لکھنے کی سوائے خبث نفس کے اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اول تو اس کا دعویٰ بے دلیل ہے اور بغیر شہادت کے ابوالفضل کی بات کس طرح تسلیم کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک جدید افترا ہے اور افترا پرداز بالکل جھوٹا ہے۔ وہ شخص کیونکہ پیوند زمین ہو گیا اس لئے اس کے سجادہ نشین خاتم المنکرین سے ہم سند کا مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ہی بتا دیں کہ کس کتاب یا کس مکتوب میں حضرت خواجہ حسین نے حضرت خواجہ بزرگ کا نواسہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے یا دختری نژاد حضرت خواجہ کا ہونے کی بات کی ہے۔

دوئم یہ کہ ایک جگہ ابوالفضل نے لکھا کہ دعویٰ فرزندی داشتند و ریاست این طائفہ شیخ حسین داشت یعنی آپ پوتا ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے پھر اکبرنامہ کی تیسری جلد میں ذکر نواسہ ہونے کا تحت وقائع ۴۶ جلوس کر دیا ہے۔ اس طرح شیخ چلی کا بنا بنایا گھر خود اسی کے ہاتھوں مسمار ہو گیا۔

سوئم اعتراض منکرین پر یہ ہے کہ اگر بفرض محال کہا جائے کہ ابوالفضل نے لفظ فرزندی میں پوتا یا نواسہ کی تخصیص نہیں کی تھی کیونکہ نواسہ بھی فرزند ہی ہوتا ہے لہٰذا ابوالفضل کے مطابق خواجہ حسین کا پوتا ہونا بے اصل ٹھہرا تھا اور نواسہ ہونے میں کچھ اعتراض و عذر نہیں ہے تو نواسگی ان کی مسلم ہے مگر اس کا کیا کہا جائے کہ قدیم اور جدید کتب میں متواتر لکھا ہوا ہے کہ حضور خواجہ کی سوائے ایک 'دختر نیک اختر یعنی بیٹی نہیں تھی اور حضرت بی بی ممدوحہ کے سوائے دو فرزند کے اور کوئی بیٹی اور بیٹا نہ ہوا تھا اور وہ دونوں فرزندار جمند لڑکپن میں فوت ہو گئے تھے۔ اس پر جمہور مورخین کا اتفاق ہے۔ ان کے مزارات کی خدام زائرین کو زیارت بھی کرواتے رہے ہیں تو ابوالفضل بتائیں کہ وہ کون سی صاحبزادی تھیں جن کی اولاد آپ حضرت حسین اجمیری کو تسلیم کرتے ہیں۔

چہارم یہ کہ مستند کتب منتخب التواریخ ' زبدۃ التواریخ مرآت الاسرار' اقتباس الاسرار' اخبار الاخیار' گلزار ابرار' خزینتہ الاصفیاء مناقب الحبیب تذکرۃ السادات اور مونس الارواح کے بیانات واضح کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ ؒ کی دختری اولاد نہیں چلی تھی۔

پنجم یہ کہ تمام فرمان واسناد بادشاہاں وحکام سابقین لاحقین بھی مطابق کتب مذکورہ ذکر وجود اولاد نرینہ کے شاہد ہیں جس کو شبہ ہو نقول دفتر سرکار سے اب بھی دیکھ سکتا ہے۔

منشی امین الدین کی ''کتاب التحقیق'' کا رد

بعض خدام نے اپنی تالیفات وتصنیفات میں اپنے دل کی بدی اس طرح بھی ظاہر کی ہے کہ حضرت خواجہ کی عظمت کے لئے ضروری نہیں کہ ان کی اولاد کی بحث میں پڑا جائے یوں بھی اولاد کو حضرت خواجہ بزرگؒ سے نام اور عزت ملی ہے نہ کہ حضرت کی اولاد کے سبب عزت بڑھتی ہے۔ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ بے شک حضرت خواجہ کی عظمت ان کے اعمال وکردار، اخلاص، محبت خداوندی اور حبِ نبی ﷺ کے ساتھ شعائرِ اسلام کی پیروی کے باعث تھی لیکن نیک اور صالح اولاد یقیناً اسلافؒ کے لئے باعث راحت و نیک نامی ہوتی ہے یونہی تو نہیں کہہ دیا گیا۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہی نہیں، اولاد کی محبت تو ایک فطری جذبہ ہے جو ہر ذی روح میں پایا جاتا ہے نبی کریم ﷺ اپنے صاحبزادے کے وصال پر غمگین ہو جاتے ہیں۔ آپؐ کی صاحبزادیوں سے محبت وشفقت کے مثالی مظاہرے اسلامی تاریخ کا حصہ ہیں۔ اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو پھلتے پھولتے دیکھنا سب ہی کے لئے باعث روحانی تسکین ہوتا ہے۔ یوں بھی نیک اور صالح اولاد والدین کے لیے بعد از وصال بھی جاری خیر اور ثواب کا سبب بنتی ہے۔

دوسرے یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ اس طرح اولاد امجاد خواجہ بزرگؒ کی نفی یا بے توقیری کرنے والے، خدام کی خدمات اور عظمتوں کے قصے اس طرح بیان کرتے ہیں گویا یہی خدام حضرت خواجہ کی نیک نامی اور عزت کا باعث ہیں اور ان کا ذکر سوانح حضرت خواجہ غریب نواز کے ساتھ نہ کیا گیا تو شاید حضرت کی سوانح نامکمل رہ جائے گی۔

حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد امجاد کے ضمن میں تمام مذکورہ بالا واقعات، حالات اور حقائق کے علاوہ اگر خواجہ بزرگ کی عقیدت ومحبت کی آنکھ سے دیکھا جائے تو بقول صاحب سجادہ آستانہ عالیہ اجمیر شریف دیوان سید آل مجتبےٰ علیخاںؒ کے حضرت خواجہ کا منشائے رسول مقبول ﷺ کے تحت اس پیرانہ سالی میں پہلا نکاح فرمانا اور اسی کے کچھ عرصہ بعد حضرت امام جعفر صادق کی بشارت کے تحت وجیہہ الدین مشہدی رحمتہ اللہ علیہ کا اپنی صاحبزادی کو حضرت کے نکاح میں دینا ظاہر کرتا ہے کہ آپ کی ازدواجی زندگی کی مصلحت ہی یہ تھی کہ آپ کی اولاد کا سلسلہ چلے اور قائم رہے۔ بلکہ حقیقت واقعہ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ پہلی بی بی امۃ اللہ سے اولاد کا سلسلہ چلا جبکہ دوسری، بی بی عصمت سے اولاد کا سلسلہ قائم ہوا۔ نیز یہ امر تو دل ودماغ دونوں کو ہی قابل قبول نظر آتا ہے کہ وہ حضرت جن کے بارے میں معترضین منکرین گستاخی سے منہ کھولتے ہیں ان میں سے حضرت تاج الدین بایزید جن کے بارے میں مفاد پرستوں کی جانب سے سب سے پہلے اعتراض کیا گیا تھا ان کی سیرت وکردار کے بارے میں صاحبِ سیر العارفین لکھتے ہیں۔

جب اجمیر شریف میں میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ آپ ہندوستان میں اولین اساتذہء علم حدیث وعلم فقہ تھے۔

آپ پہلے ہی ایک جید عالم تھے لیکن آپ کی بغداد ہجرت نے آپ کی علمی بصیرت کو مزید جلا بخشی۔

اولاد امجاد خواجہ بزرگؒ میں دوسری نامور ہستی خواجہ حسین اجمیری رحمتہ اللہ کی ہے جن کو خدام اور دیگر مفاد پرستوں نے اولاد خواجہ ماننے سے انکار کیا اور آپ کے دعویٰ کو غلط بیان کیا۔ ان کا کردار اس حد تک پاکیزہ تھا کہ آپ نے اکبر کے دین الہٰی'' کے خلاف اس طرح جہاد کیا کہ تمام سختیاں اٹھا کر اس کی مخالفت فرمائی ملا عبدالقادر بدایونی جن کی تعر

کرتے ہوئے لکھتے ہیں آپ فرشتہ صفت' درویشانہ عادت کے مالک انسان تھے۔ یہی کہا جاتا ہے کہ اگر خواجہ حسین رحمتہ اللہ علیہ کی ذات نہ ہوتی تو اکبر کا دین الٰہی اسلام کیلئے بہت زیادہ نقصان کا باعث بنتا۔

اب آپ غور فرمائیں اتنی عظیم صفات کی مالک ہر دو شخصیات سے کس طرح ممکن تھا کہ آپ غلط بیانی سے کام لے کر اپنے سلسلہ نسب کو غیر حقیقی طور پر خواجہ بزرگؒ سے ملاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی شخصیات سے اتنا گھٹیا دعویٰ تصور میں بھی نہیں آتا۔ حافظ محمد حسین کے بعد اپنی سابقہ روایات کے مطابق دیوان سید آلِ رسول علیخاںؒ سجادہ نشین آستانہء عالیہ اجمیر شریف کے دورِ سجادگی میں اولادِ خواجہ کے ایک اور حاسد منشی امین الدین مفتون نے اپنے دل کی بدی ظاہر کی لیکن یہ صرف کہی سنی بات نہیں ہے' میرا ایمان ہے کہ جب آپ اعوذ باللہ پڑھیں گے تو شیطان آپ کے قریب بھی نہیں آسکے گا اس کے علاوہ بھی بزرگوں نے شیطان سے بچنے کی بہت سی تراکیب بیان کی ہیں۔

عرض مدعا یہ ہے کہ ان حضرات کے لئے جو خواجہ بزرگ کے آستانے کے زائر ہیں لیکن خدام آستانہ کے ہاتھوں عاجز آ گئے ہیں' ان کو چاہئے کہ ان خدام کو اپنے سے دور بھگانے کے لئے ''گلدستہ چشتی چمن'' کا ذکر چھیڑ دیں۔ اس کتاب میں نہ صرف اولاد امجاد خواجہ غریب نواز کے تفصیلی حالات لکھے گئے ہیں بلکہ خدام آستانہ کی بد طینتی اور اولاد خواجہ سے ان کا خداواسطے کا بیر اس قدر وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ ''گلدستہ چشتی چمن'' کے نام سے ہی خدام کے پر جلتے ہیں۔

منشی امین الدین مفتون نے بزعم خود ''کتاب التحقیق'' کے عنوان سے ایک رسالہ لکھ کر مدعیان فرزندی حضور غریب نوازؒ کی تکذیب کرنی چاہی ہے۔ ان کی اس کاوش پر اظہار خیال کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ''مفتون'' ہو یعنی فتنہ میں پڑا

ہوا۔ اس کی تحقیق بجائے خود ایک فتنہ ہی ہوگی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ ان کا نام نہیں ہے بلکہ خود تجویز کردہ تخلص ہے۔ بالفاظ دیگر انہیں خود اقرار ہے کہ وہ فتنہ میں پڑے ہوئے ہیں اور اگر مفتون کے دوسرے معنی عاشق لیے جائیں تو بھی یہ بات ظاہر ہے کہ اس پوری تصنیف میں موصوف کسی بھی طرح خواجہ صاحب سے اظہار محبت کرتے دکھائی نہیں دیئے کیونکہ محبت کا یہ متفقہ اصول ہے کہ جس سے محبت کی جاتی ہے اس کی ہر ہر ادا اور اس کے ہر ہر تعلق سے محبت کی جاتی ہے چنانچہ اس کی اولاد سے محبت تو بہت اہمیت رکھتی ہے۔ جو لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں وہ آپ کی اولاد سے بھی محبت رکھتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ''رسول اللہ'' کی حیثیت سے دیکھتے ہیں وہ آپ کی اولاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ ان میں سے بہت سے تو سادات کرام کو آپ کی اولاد بھی تسلیم نہیں کرتے۔

منشی صاحب کی اس تحریر میں ان کی محبت و عقیدت کا محور وہ خدام ہیں جو اپنی عظمت و شان بڑھانے کے لئے خواجہ صاحب کی اولاد کی بے توقیری کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر مفتون کے معنی ''فریفتہ'' لیے جائیں تو موصوف صرف خدام کے اس گروہ کے عاشق ہیں جو اولاد خواجہ بزرگ کی توہین اور تردید کرنے میں پیش پیش ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ مفتون محقق، تحقیق کرنے چلے ہیں اولاد امجاد خواجہ بزرگ کی اور عالم یہ ہے کہ اس ضمن میں ان کے اپنے پیرو مرشد حافظ محمد حسین کی کتاب جو کہ ان کی اس ہرزہ سرائی سے تقریباً نصف صدی پیشتر منظر عام پر آ چکی تھی نہ تو اس کا کوئی ذکر ہے اور نہ ہی اس کتاب کے رد میں لکھی گئی گلدستہ چشتی چمن پر ان کی نظر پڑی۔

حقیقت حال یہ ہے کہ حافظ محمد حسین کی کتاب مفتون صاحب نے ضرور دیکھی ہے کیونکہ اُن کی اور اِن کی تحقیق کا نہ صرف لہجہ ایک ہے بلکہ ماخذ اصلی بھی وہی ''اکبر نامہ''

ہے ظاہر ہے کہ جب حافظ جی کی کتاب کا مطالعہ کیا اور اس کے بعد ان کی تحقیق کے چیتھڑے اڑانے والی کتاب ''گلدستۂ چشتی چمن'' کا مطالعہ کیا تو مفتون صاحب نے یہی مناسب سمجھا کہ نہ اس کتاب کا ذکر کیا جائے نہ کسی کو اس کے رد میں لکھی گئی کتاب ''گلدستہ چشتی چمن'' کی یاد آئے گی۔

اگر میرا یہ گمان غلط ہے تو قارئین پھر بھی موصوف کی تحقیق کا معیار اور اس کی اہمیت با آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ جو محقق صرف پچاس سال پہلے کی ہر دو جانب کی تحقیق سے بے خبر ہے اس کی تحقیقات کا معیار کتنا ''اعلیٰ'' ہوگا۔ کتاب کے مقدمہ میں سید محمد الیاس رضوی لکھتے ہیں:

''حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتیؒ کی اولاد ہونے کا دعویٰ اور اس سے انکار اور اس پر اصرار اس کشمکش کو آج قریب قریب پانچ سو سال ہو گئے''

(دیکھیے کتاب التحقیق، منشی امین الدین مفتون' صوفی پریس' اجمیر جون 1944ء۔ مقدمہ)

لطف کی بات یہ ہے کہ نہ مصنف نے اور نہ ہی مقدمہ نگار نے واضح طور پر لکھا کہ

کیا آپ خواجہ صاحب کی اولاد کے سرے سے انکاری ہیں؟

آپ پانچ سو سال سے قبل خواجہ صاحب کی اولاد کی موجودگی کے قائل ہیں یا انکاری؟

اگر خواجہ صاحب کی اولاد تھی تو اس کا سلسلہ کب ختم ہوا؟

آپ کی آخری اولاد کون تھی؟ جس کو وہ اولادِ خواجہ بزرگ تسلیم کرتے ہیں۔

نیز یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ خواجہ صاحب کی اولاد میں ہونے کا دعویٰ کرنے والے ایک ہی خاندان کے افراد ہیں یا مختلف خاندانوں کے افراد ہیں؟

اور کیا وجہ ہے کہ دعویٰ فرزندی کرنے والوں میں سے ہی کوئی منصب سجادگی پر

فائز رہا؟ یہ سوال بھی وضاحت طلب ہے کہ دعویٰ فرزندی کرنے والے اس شخص کے خلاف ہی خدام نے محاذ آرائی کیوں کی جو منصب سجادگی پر فائز تھا؟

اوّل بات یہ ہے کہ جس تحقیق و جستجو کے بعد درج بالا اتنے اہم سوالات جواب طلب ہوں اور ان کا محقق کی طرف سے شافی تو کیا مبہم جواب بھی نہ ملے وہ کتنی غیر معیاری اور غیر حقیقی تحقیق ہوگی۔ دوم یہ کہ غور سے دیکھا جائے تو یہ محض سوالات نہیں ہیں بلکہ مدعیان فرزندگی کے لئے مسکت جوابات ہیں کیونکہ اول تو تاریخی شواہد اور بزرگوں کے تذکروں سے یہ یقینی امر ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کی اولاد تھی اور نہ صرف اولاد تھی بلکہ اس کا آگے سلسلہ بھی پختہ دلائل سے ثابت ہے۔ اس ضمن میں تفصیلی بحث ''گلدستۂ چشتی چمن'' کے حوالوں سے بیان کی جا چکی ہے۔

دیکھا جائے تو منکرین نے بھی پانچ سو سال کی بات کر کے یہ اقرار کر لیا کہ اس سے پہلے آپ کی اولاد کے وہ بھی قائل ہیں۔ بصورت دیگر ان کو خواجہ صاحب کی اس اولاد کا بھی انکار کر دینا ضروری ہے جس کو ان کے اجداد بھی اولاد خواجہ بزرگؒ بتا بتا کر زائرین سے رقم بٹورتے رہے ہیں۔ تفصیل ''گلدستۂ چشتی چمن'' کی بحث میں آ چکی ہے اور شامل کتاب ھٰذا ہے۔

نیز یہ بھی طے ہے کہ وہ ایک ہی خاندان ہے جس کے پیچھے خدام اپنے ذاتی اور مادی مفادات کے حصول کے لئے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی اولاد کی نفی کر کے اپنی مشیخت قائم کی جائے۔ ظاہر ہے یہ گھٹیا مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب خواجہ صاحب کی اولاد امجاد کا بطلان کر دیا جائے۔

اس امر کا واضح ثبوت بھی یہی ہے کہ ہر دور میں خدام صرف اس شخص کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے رہے جو منصب سجادگی پر فائز تھا۔ واضح رہے کہ اس ضمن میں بھی

تفصیلی اور مربوط بحث ''گلدستۂ چشتی چمن'' میں موجود ہے اس کا اجمالی ذکر کتاب ھٰذا میں کیا گیا ہے۔

قارئین کرام! ہم نے درج بالا تمام سوالات میں بنیادی نوعیت کے اور مسئلہ کو صحیح رخ پر رکھنے کے لئے یہ چند اہم سوالات کئے ہیں ورنہ مفتون صاحب نے تو اپنی بحث کو بزعم خود موثر بنانے کے لئے وہ بے سروپا سوالات کئے ہیں کہ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک جس کے واقعات کی تفاصیل محفوظ رکھنے میں صحابہ کرام کی مساعی قابل ذکر اور قابل قدر ہیں بہت سے اہم واقعات میں اس طرح کے سوالات کا جواب نہیں مل سکے گا۔ نموتناً ملاحظہ فرمائیے کہ تاج الدین بایزیدؒ کے زمانے کے اجمیر کے بارے میں کیا کیا سوالات کیے گئے ہیں؟

''میں نہایت ادب کے ساتھ یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ عبارت بالا میں جس زمانہ کا نقشہ کھینچا گیا ہے اس وقت اجمیر کی کل آبادی کتنے نفوس پر مشتمل تھی؟ ہندوؤں کی تعداد کیا تھی؟ مسلمان کس قدر تھے؟ جس دارالعلوم کی بدولت اجمیر رشک شیراز و بغداد تھا وہ کس مقام پر تھا۔ اس میں کس قدر طلباء تعلیم پاتے تھے اور کتنے اساتذہ خدمت درس و تدریس پر مامور تھے۔ اس دارالعلوم کے اخراجات کا کیا انتظام تھا۔ خزانہ شاہی سے نقد رقم ملتی تھی تو اس کی تعداد کیا تھی؟ اور اگر اس کے لئے وقف تھا تو اس کے وقف میں کتنے گاؤں تھے اور اس کا واقف کون تھا؟ یہ تمام تفصیلات کسی کتاب میں درج ہوں گی۔؟

محققِ اعظم نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا آگے فرماتے ہیں لہٰذا عالی جناب مرزا عبدالقادر بیگ ایڈووکیٹ نمائندہ دیوان صاحب کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنے اس بیان کے ثبوت میں کہ سلطان محمود خلجی نے تاج الدین بایزید کے لئے بیش قرار ماہوار مقرر کر دی تھی اور آپ کی وجہ سے صرف علماء و شرفاء کے ۳۳۵ خاندان یہاں آباد ہو گئے تھے کوئی

مدلل ثبوت پیش کریں۔

گویا درج بالا اقتباس اول کے سوالات سے مفتون صاحب کی طبیعت کی سیر نہیں ہوئی چنانچہ مزید دو مطالبات بھی پیش فرمادیئے۔

ملاحظہ فرمایئے سر دھنیے اور مجھے بتایئے کہ اِن تفاصیل کے ساتھ اجمیر شریف کی کون سی تاریخ آج تک محفوظ ہوئی ہے کہ مفتون صاحب کو ان کا جواب دوں تا کہ ان کی تسلی ہو سکے۔

محقق بے مثل سے مزید گذارش ہے کہ اگر اسی نوع کے سوالات سے کسی کی محنت اور حقائق کا بطلان کیا جاتا ہے تو آپ بھی اپنے درج ذیل بیان کی روشنی میں وضاحت کریں بصورت دیگر آپ کا ابتدائی بیان غلط ثابت ہوگا اور نتیجتاً یہ کہنا آپ کے اصول تحقیق کے مطابق درست ہوگا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تاثریا می رود دیوار کج

آپ کا فرمانا ہے:

''آج سے ۵۶ سال پیشتر جب میری عمر صرف سات سال کی تھی اپنے پدر بزرگوار اور تین بڑے بھائیوں کی معیت میں مرکز اسلام کعبۃ الہند اجمیر شریف میں آکر مقیم ہوا۔ اس طویل قیام کی بناء پر عوام کے نزدیک اجمیر شریف میرے لئے وطن ثانی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر چونکہ میری نشو ونما تعلیم وتربیت سب کچھ اجمیر شریف سے متعلق ہے اس لئے اسے اپنا وطن اصلی سمجھتا ہوں۔ اس عرصہ طویل میں طالب علمی کے زمانے سے لے کر آج تک میرے تعلقات خدام صاحبان اور دیوان صاحب درگاہ اجمیر شریف سے برابر قائم رہے اور جس طرح خدام صاحبان کے حالات سے واقفیت بہم پہنچتی اسی طرح

دیوان صاحب کے خاندانی واقعات بھی معلوم ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ شہر کے معقول اور سن رسیدہ حضرات کی گفتگو بھی سنی۔ حقیقت یہ ہے کہ سماعی شہرت کی بناء پر ابتداء میں میرا بھی عقیدہ تھا کہ دیوان صاحب حضور غریب نوازؒ کی اولاد میں ہیں لیکن جب ہر دو فریق کی لکھی اور لکھوائی ہوئی کتابوں کے علاوہ تاریخ کی وہ تصنیفات جو محققین کے نزدیک مستند اور صحیح ہیں مطالعہ میں آئیں اور تحقیقی نظر ڈالی تو سابقہ عقیدہ میں اضمحلال اور انحطاط پیدا ہونا شروع ہوگیا۔۔۔ اس تلاش و تحقیق کے دوران میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی معرکتہ الآراتصنیف یعنی اخبار الاخیار کے دو قلمی نسخے بیک وقت مجھے دستیاب ہوگئے اور ان دونوں نسخوں کی متضاد عبارت نے صدیوں کے بنائے ہوئے طلسم کا بھانڈا پھوڑ دیا اور دعویٰ فرزندی کی حقیقت بالکل آشکار ہوگئی'' (کتاب التحقیق: ص ۱۔۲)

موصوف کے اس طویل بیان پر کچھ الزامی اور کچھ حقیقی اور بنیادی نوعیت کے سوالات یکجا کیے جائیں تو حضرت کو جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی مثلاً:

(1) آپ نے چھپن سال پیشتر اجمیر شریف آنے کی بات کی لیکن اس کے ثبوت میں کوئی مستند حوالہ نہیں دیا جس سے معلوم ہو کہ آپ واقعی ابتداء سے اجمیر شریف کے رہائشی نہیں ہیں۔

(2) اجمیر شریف آمد سے قبل آپ اور آپ کے بھائی کہاں مقیم تھے۔ اجمیر شریف کیوں آئے؟

(3) کیا ثبوت ہے کہ آپ کے تعلقات خدام اور دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے یکساں قائم تھے؟

(4) طالب علمی کے زمانے سے ہی خدام اور دیوان صاحب سے تعلقات کس طرح قائم ہوئے؟

(5) دیوان صاحب سے تعلقات کی وہ کونسی نوعیت ہے جس کو آپ آج تک" نبھا رہے ہیں؟

(6) آپ کے تمام بیان میں خدام کا ذکر پہلے اور دیوان صاحب کا ذکر بعد میں آتا ہے آپ جبکہ غیر جانبدار محقق ہیں تو یہ طریقہ اظہار کیوں اختیار کیا گیا؟

(7) وہ کون لوگ تھے جن کے ذریعے آپ خدام اور دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے حالات وواقعات سے آگاہ ہوتے رہے۔ نیز یہ بھی بتائیں ان کے نام پردہ نشینوں میں کیوں رکھے گئے؟

(8) بالخصوص یہ بتانا چاہئے کہ دیوان صاحب کے خاندانی واقعات کس کس سے حاصل کیے گئے تھے؟

(9) عقیدہ، پختہ یقین کا نام ہے چنانچہ بتایا جانا ضروری تھا کہ آپ نے "سماعی شہرت" پر دیوان صاحب کے اولاد خواجہؒ ہونے پر کیوں عقیدہ قائم کرلیا؟

(10) کیا "سماعی شہرت" سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ بالعموم اہل اجمیر شریف، عوام وخواص دیوان صاحب کو اولادِ خواجہ بزرگؒ بیان کرتے تھے؟

(11) ہر دو فریق کی "لکھی لکھوائی" کتب کے نام اور ناشر کا پتہ تفصیلاً کیوں نہ بیان کیا گیا؟

(12) بالخصوص وہ کونسی کتاب تھی جس کے مطالعہ سے آپ کے عقیدہ سابق میں اضمحلال وانحطاط پیدا ہوا؟

(13) اگر وہ "اکبر نامہ" تھا تو آپ نے اس کا نام کیوں نہیں لکھا؟ (یہ وہ کتاب ہے جس پر محقق کی تمام تحقیق کا انحصار ہے)

(14) کیا بادشاہ اکبر اعظم اور "اکبر نامہ" مسلمانوں کے نزدیک کسی اعتبار سے مستند مانے جاتے ہیں؟

(15) کیا آپ اکبر کے ''دین الٰہی'' کے ماننے والے ہیں؟

(16) کیا آپ ''بے چارے ابوالفضل'' کو دین اسلام کا سچا خیر خواہ تصور کرتے ہیں؟ (کتاب التحقیق: ص۔۹)

(17) طرفین سے خوشگوار تعلقات کے دعویٰ دار محقق کو بیٹھے بٹھائے فریق بننے کی ضرورت کب' کیوں اور کیسے پیش آئی؟

(18) ''اخبار الاخیار'' کے دو قلمی نسخوں کا فرق تو بیان کیا گیا ہے لیکن ثبوت کے طور پر دیگر اہم معلومات اور ذرائع کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا ہے۔آپ کے دعویٰ کو کس طرح درست تسلیم کیا جائے؟

(19) ''اخبار الاخیار'' کے بارے میں نہ اس سے پہلے کسی نے یہ تضاد بیان کیا نہ بعد میں کہیں' کسی نے اس تضاد کی نشاندہی کی آخر آپ کو یہ نسخے کہاں سے مل گئے؟

(20) بالفرض دونوں نسخوں میں تضاد ہے تو پھر بھی یہ کیسے سمجھا گیا کہ وہ نسخہ قابل اعتبار ہے جو آپ کی طرفداری کو تقویت دیتا ہے؟

(21) آج ہر لائبریری اور بازار میں وہی نسخہ رائج ہے جس میں خواجہ بزرگؒ کی اولاد کا تفصیلی ذکر ہے۔کیا یہ سمجھا جائے بقول آپ کے غلط بیانی پر مبنی نسخہ بہت ہی نادر ہے اور آپ تک آپ کے اجداد کے ورثہ کے طور پر پہنچا ہے؟

درج بالا سوالات میں سے بعض ممکن ہے محض جوابی کارروائی کا حصہ سمجھے جائیں لیکن اکثریت ان سوالوں کی ہے جن کی وضاحت مفتون صاحب کی سات پشتیں بھی فراہم نہیں کر سکتیں۔البتہ ''گلدستۂ چشتی چمن'' کی موجودگی میں مفتون صاحب کی اس دیدہ دلیری کا مظاہرہ اس امر کا عکاس ہے کہ موصوف خدام کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنی امتیازی شان' ڈھٹائی' بے ادبی' اکبر بادشاہ اور ابوالفضل کی ارادت مندی سے صاف پہچانے جا رہے ہیں۔

خواجہ بزرگؒ کی اولاد کا بغض ان لوگوں کے دلوں میں اس حد تک پیوست ہے کہ دیدہ دلیری سے مسلمانوں کی ایک مسلمہ بزرگ شخصیت جناب عبدالحق محدث دہلوی کی شہرہ آفاق کتاب اخبارالاخیار کو متنازع اور مشکوک بنایا جارہا ہے۔ حالانکہ یہ اس قدر مستند کتاب ہے کہ ''مفتون'' جیسا شخص بھی سرے سے اس کتاب کا انکار یا اس کے مندرجات کو غلط کہنے کی جرات نہ کرسکا۔ چنانچہ اخبارالاخیار نمبر ا اور اخبارالاخیار نمبر ۲ کی ترکیب اختراع کرنی پڑی۔ ان دونوں نسخوں میں نمبر ا اصل اور مفتون صاحب کے لئے بھی قابل قبول ہے جبکہ نمبر ۲ دعویٰ فرزندی کرنے والوں کی الحاقی کتاب ہے۔ مفتون صاحب کے بقول ایک نسخہ سوا دوسو سال پرانا اور دوسرا پونے دوسو سال پرانا ہے۔ یہ بتانا ان کی ذمہ داری ہے کہ ان میں کونسا نسخہ الحاقی ہے اور اس زمانے میں کس سجادہ نشین کو یا اولاد خواجہ کو یہ الحاقی مضامین شامل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس وقت ان کے مخالف کون صاحبان تھے؟ کیونکہ ''گلدستۂ چشتی چمن'' اور حافظ محمد حسین کی کتابوں کے مطالعہ سے تو اس دور میں اس نوع کی کسی اختلافی بحث کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

لطف کا پہلو یہ ہے کہ جس نسخہ کو وہ نمبر ا قرار دے رہے ہیں اور معیاری تسلیم کرتے ہیں اور دونوں نسخوں کے فرق واضح کرنے کے لئے اس سے عبارت نقل کررہے ہیں، خود اس کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ یقین نہ آئے تو میری ساری بحث ایک طرف رکھ کر ان کی کتاب التحقیق کے صفحہ نمبر ۴۸ پر موجود اس عبارت پر غور کریں۔ انہوں نے اخبارالاخیار نمبر ا کا اقتباس نقل کیا ہے۔

''(خواجہ معین الدین خورد پسر بزرگ خواجہ حسام الدین سوختہ است و اورخورد بہ نسبت بخواجہ بزرگ میگویند و ایں منقبت اورابس است درویش کامل بود وے پیش از آنکہ مرید شود بکسب ریاضت کار بجائے

رسانیدہ بود کہ بے واسطہ از حضرت خواجہ استفاضہ میکرد، عاقبت بحکم خواجہ مرید شیخ نصیر الدین محمود شد و خرقہ خلافت از وے ستد) ویکے از احفادِ خواجہ شیخ بایزید است کہ در زمان سلطان محمود خلجی کہ پادشاہ مندو است بعد از عمرہا از سفر باز آمد و ادعاء نسبت خواجہ کرد۔ سلطان محمود خلجی اور ابتدریس اجمیر نصب کرد۔ دانشمند بود، شیخ احمد مجد و بزرگان دیگر شاگرداوینہ و اختلاف مردم کہ در فرزندان خواجہ مشہور است درہمیں شیخ بایزید است کہ بعد از مدتے از اقامت اجمیر جماعہ انکار فرزندی کردند بپادشاہ رسانیدند، بادشاہ از علماء و مشائخ آنزماں استفسار کرد، مخدوم خواجہ حسین ناگواری و مولانا رستم اجمیری کہ از علماء وقدمائے اجمیر بود و علماء دیگر گواہی دہند کہ شیخ بایزید از فرزندان شیخ قیام الدین بابریال بن شیخ حسام الدین بن شیخ فخر الدین بن خواجہ معین الدین است وفی الحقیقت اگر خواجہ حسین اعتراف نسبت او کردہ باشد بس است زیرا کہ وے ولی بود مقتدائے اوعارف بسلسلہ ایشاں واز انکہ ایشاں بفرزندان شیخ بایزید نسبت خویشی کردند ودختر دادند ظاہر میشود کہ پیشِ ایشاں نسبت فرزندی وے محقق است۔ واللہ اعلم۔ الغرض وجود اولادِ احفاد وخواجہ متیقین است۔

اس طویل اقتباس میں واضح طور پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اولاد خواجہ بزرگ کی موجودگی اور جاری رہنے کا بیان انتہائی وثوق کے ساتھ فرمایا ہے یہاں تک کہ بحث کے اختتام پر حاصل کلام کے طور پر فرماتے ہیں۔

الغرض وجود اولاد واحفاد خواجہ متیقن است

یہ حوالہ مفتون صاحب نے اخبار الاخیار نمبر ا سے خود شامل تحقیق کیا ہے لیکن یقین

اس قول پر بھی نہیں ہے کیونکہ اپنی بحث کے اگلے مرحلے میں حضرت شیخ رحمتہ اللہ کے اس قول پر محقق صاحب اپنی عالمانہ اور عارفانہ بحث کے بعد اس کا بھی رد فرما رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ کی عظمت کا اعتراف اور نسخہ نمبر ا، نسخہ نمبر ۲ سب ہیر پھیر ہے ورنہ اصل صورت حال مختصراً یہی ہے کہ ہر وہ کتاب مفتون صاحب کے نزدیک بے اعتبار ہے جس میں ان کی دلی خواہش کے برعکس اولاد خواجہ بزرگ کا اثبات موجود ہے۔

مفتون صاحب کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جب وہ حضرت خواجہ اجمیریؒ کی ذات سے اکبر بادشاہ کے انتہائی تعصب کے اس بیان کو اپنے حق میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کو شمس العلماء محمد حسین آزاد نے بھی اپنی تصنیف ''دربار اکبری'' صفحہ ۷۷ پر تحریر فرمایا ہے۔

اکبر بادشاہ کی والدہ مریم مکانی کہتی ہیں!

''پوتم او مادر پیر فرتوت دارد در اجمیر دلش برائے دیدن فرزند کباب است چہ شود اگر او را رخصت فرمایند او ہیچ مدد معاش از شما نمی خواہد، اکبر نے ہرگز نہ مانا اور کہا آچہ جیو در آنجا کہ میرود باز دکانے برائے خود وا میکند و فتوحات و نذر و نیاز برائے اومی آرند او جماعت را گمراہ میسازد نمایتش اینکہ والدہ خود را از اجمیر ہمانجا طلبد''۔

بیان واضح ہے کہ اکبر کی والدہ حضرت شیخ حسین کو بے قصور اور بے ضرر سمجھتی ہیں چنانچہ ان کی والدہ کی بے قراری کا خیال کر کے بادشاہ کو حضرت کی رہائی کے لئے سفارش کرتے ہوئے یہاں تک کہہ رہی ہیں کہ وہ تم سے کسی مالی مدد کا بھی طلبگار نہیں لیکن اکبر تو اپنے چہیتے نورتن ابوالفضل کے بہکاوے میں مبتلا ہے جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آ چکی ہے چنانچہ ماں کی سفارش کا بھی اس پر ہرگز اثر نہ ہوا اور جواب میں جو بات کہی وہ بھی

وضاحت کے ساتھ مفتون صاحب کی تحقیق پر جھاڑو پھیر رہی ہے کیونکہ اکبر کے ایک ایک لفظ سے اس کا حضرت شیخ حسین اجمیری سے دلی تعصب اور خوف ٹپک رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

''درآنجا کہ میرود باز دکانے برائے خود وامیکند'' سے کیا یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ آپ اس سے پہلے بھی اہل اجمیر شریف کے نزدیک اپنی بزرگی اور اولاد خواجہ ہونے کے ناطے مکرم ومحترم تھے لوگ انہیں عقیدت ومحبت کا مرکز سمجھتے ہوئے فتوحات اور نذر نیاز پیش کرتے تھے۔ پھر ''جماعت را گمراہ میسازد'' کہنا یہ ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں کہ لوگوں کا ایک کثیر حلقہ آپ کے اثر میں تھا۔ یہی وہ اثر تھا جو ابوالفضل کی شرارت کے سبب اکبر کو پریشان کر رہا تھا کہ آپ اپنے اس حلقہ اثر کو اکبر کے خلاف استعمال کریں گے۔ تفصیل گذشتہ صفحات میں آ چکی ہے۔ اس موقع پر یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ درج بالا تمام فارسی اقتباس کا بعینہ یہی ترجمہ اور مفہوم مفتون صاحب نے بھی اپنی کتاب کے صفحات نمبر ۱۵-۱۴ پر درج کر رکھا ہے۔

مفتون صاحب کی بحث کا انداز کس قدر لایعنی ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو اب تک کے تنقیدی جائزہ سے ہو چکا ہوگا تاہم ان حضرات کیلئے جو تنقیدی مباحث کی باریکیوں میں نہیں پڑنا چاہتے۔ نموتاً مفتون صاحب کا ایک لایعنی اقتباس پیش خدمت ہے۔

> ''ممکن ہے کہ شیخ کے زمانے تک میاں نجم الدین منڈوی کا مزار اجمیر ہی میں ہو لیکن ڈیڑھ سو سال کے طویل عرصہ میں جب میاں نجم الدین منڈوی نے یہ دیکھا کہ میری قبر پر نہ تو کوئی پھول چڑھاتا ہے اور نہ چراغ جلاتا ہے اور میری قبر ہی کا ذکر کیا جن بزرگ نے مجھے یہاں دفن کیا تھا ان کی اولاد کا اس آستانہ اقدس میں ذرا بھی دخل نہیں اور وہ کیا یہاں کے انتظامی معاملات میں ایک رائی برابر بھی حق نہیں

رکھتے تو بے چارے ''کس نمی پرسد کہ بھیا کیستی'' کا وظیفہ پڑھتے ہوئے اپنی قبر اور سنگ مزار کو اپنے ساتھ لے کر اجمیر شریف سے ہجرت فرما گئے اور پھرتے پھراتے جب مالوہ پہنچے تو وہاں کی آب وہوا کو پسند کر کے قصبہ نعلچہ میں تالاب کے کنارے اپنے ہاتھوں سے اپنا مزار اور گنبد بنا کر مقیم ہو گئے۔ فرمایئے اس سے بڑھ کر میاں نجم الدین منڈوی کی اور کیا کرامت ہوسکتی ہے کہ مرنے کے بعد بھی جہاں جی چاہا، صرف یہی نہیں کہ خود وہاں پہنچ گئے بلکہ، اپنی قبر اور قبر کا سارا ساز و سامان بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ کیا ان ثبوت اور دلائل کے بعد بھی کسی کو مندرجہ بالا واقعات کے الحاقی ہونے میں شک وشبہ باقی رہتا ہے۔ (کتاب التحقیق: ص ۱۲۔)

محققِ بے بدل کے افسانوی انداز بیان کی داد دیجئے۔ اس بے سروپا لہجہ کے بعد بھی حضرت کو گمان یہی ہے کہ تحقیق کر رہا ہوں۔ اخبار الاخیار، مفتون صاحب کو اور ان کے دیگر حواریوں کو خار کی طرح کھٹکتی ہے۔ ان کی تمام تر کوشش میں اس مستند کتاب کو کہیں براہ راست تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے تو کہیں ''الحاقی اخبار الاخیار'' کا ایک فرضی نسخہ بیان کر کے اس کتاب کا اعتبار کم کرنے کی ناپاک جسارت بار بار کی جاتی رہی ہے۔

حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت خواجہ بزرگ کی اولاد کے واقعات بے تحقیق تو بیان نہیں کر دیئے آپ نے جا بجا فوائد الفواد اور ایسی دیگر معتبر اور قدیم کتب سے استفادہ کا ذکر کر رکھا ہے مثلاً صرف ایک صفحہ پر دو جگہ خواجہ صاحب کی اولاد کا ذکر ہے۔ خواجہ احمد رحمتہ اللہ علیہ کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

''پسر شیخ ابویزید بن شیخ نجم الدین بن شیخ قیام الدین است در فوائد

الفواد نقل از شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ می کند کہ فرمود خواجہ احمد نبیرہ شیخ الاسلام معین الدین عظیم صالح بود" (دیکھیئے اخبار الاخیار' عبدالحق محدث دہلوی' فاروق اکیڈمی ضلع خیر پور: ص۔۱۱۶)

اسی طرح خواجہ وحید رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ

"برادر خواجہ احمد ست ہم در فوائد الفواد نقل از شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ می کند کہ وقتی من و نصیر الدین طالب علم پیش شیخ فرید الحق والدین نشستہ بودیم جوگی آمد و زمین بوس کرد و بنشت نصیر الدین از جوگی پرسید کہ بابوسر موی آدمی بچہ دارو دراز گردد مرا زیں پر سیدن او در حضرت شیخ ناخوش آمد ناگاہ خواجہ وحید نبیرہ خواجہ معین الدین آمد والتماس ارادت کرد۔۔۔" (ص ۱۱۶)

مشتے نمونہ از خروارے ان مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فسادیوں کی کوشش اولاد خواجہ بزرگ کا بطلان کرنے میں کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکی۔

محقق مفتون نے جس دلیری سے حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی مستند اور معروف تالیف "اخبار الاخیار" کو مشکوک اور غیر معتبر ٹھہرایا ہے اس فریب کو چاک کرنا اس طرح آسان اور یقینی ہو جاتا ہے کہ بفضل تعالیٰ عہد جہانگیر کی معروف تصنیف "زبدۃ التواریخ مصنفہ شیخ نور الحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک قلمی نسخہ جو ان کے پوتے محمد انوار الحق حقی رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۲۸۱ ہجری میں نقل کیا تھا۔ اس وقت بھی میری نگاہوں کے سامنے موجود ہے۔

محمد انوار الحق حقی مرحوم وہی نامور محقق "گلدستۂ چشتی چمن" ہیں جنہوں نے اپنی وسیع تحقیق وتنقید کے ذریعے حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد امجاد کے منکرین کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔

اب محققانہ اور ناقدانہ جائزہ لینا کس قدر آسان ہو جاتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اولاد امجاد از خواجہ بزرگ کے متعلق مستند تاریخی حوالوں ملفوظات مثل فوائد الفواد سے استفادہ کر کے اثبات اولاد کے دلائل فرمائے پھر ان کے صاحبزادے ولی عہد شیخ نور الحق محدث دہلوی نے حضرت خواجہ بزرگؒ کی اولاد کا ذکر، حاسدین کے حسد کا بیان فرماتے ہوئے لکھا کہ

''سکان ان روضہ رضیہ از شرارت وحسد اندوزی در نسبت فرزندی شیخ حسین کہ متولی انجا بود سخنے داشتند واز مشار الیہ اظہار وشکایت (الخ)

(دیکھیے ''زبدۃ التواریخ'' تالیف شیخ نور الحق محدث دہلوی، قلمی نسخہ ۱۲۸۱ھ، ذاتی لائبریری جناب سید عبدالمغنی مرحوم بنگلہ نمبر ا۔ صدر روڈ پشاور۔ مغنی صاحب کی اہلیہ مرحومہ حقی خاندان سے تھیں۔ محمد انوار الحق مرحوم اُن کے دادا تھے۔ ڈاکٹر میجر سید اطہر سری الغنی صاحب کے تعاون سے مطالعہ کا موقع ملا۔ جس کے لیے جذباتِ تشکر پیش ہیں۔)

اس کے بعد انہی نور الحق رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے جناب انوار الحق مرحوم نے ''گلدستۂ چشتی چمن'' مطبوعہ ۱۲۹۵ھ میں تالیف کر کے اثبات اولاد خواجہ کے ذکر کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ مدلل اور جامع جائزہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ خواجہ صاحب کی اولاد سے کس قدر محبت وعقیدت رکھتے ہیں اور اس کی موجودگی کے کس قدر شدومد کے ساتھ قائل ہیں۔

اللہ اکبر! تحقیق کا یہ معیار، اور چلے ہیں دیوان سید آل رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کو ''کھلی چٹھی لکھنے۔ پھر خواہش یہ کہ حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ بنفس نفیس آپ کی فضولیات کا جواب دیں۔ معروف ایڈووکیٹ مرزا عبدالقادر بیگ ''ممبر کمیٹی درگاہ حضرت

خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اجمیر شریف، مفتون کی تمام ہرزہ سرائی کا منہ توڑ جواب دیتے رہے ہیں جس کا جستہ جستہ حوالہ خود مفتون صاحب نے اپنی اس ''بے مثال و بے نظیر'' کتاب میں بھی دے رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ''کتاب التحقیق میں کوئی نئی بات ایسی نہیں کہ ''گلدستۂ چشتی چمن'' میں حافظ جی کی کتاب کے ضمن میں اس کا کافی شافی جواب نہ دے دیا گیا ہو۔ چنانچہ اس بحث کو یہاں ختم کرنے سے قبل مفتون صاحب اور ان کی خدام برادری سے ایک بار پھر یہ سوال کروں گا کہ آپ کی بحث اگر واقعی تحقیقی، تنقیدی اور قانونی تقاضوں کو پورا کرتی ہے تو عدالت سے مختلف مقدمات میں مسلسل ذلت ورسوائی کیوں آپ کا مقدر بنی رہی۔ آپ تو آج تک بھی یہ ثابت نہیں کر سکے کہ حضرت خواجہ بزرگ حصور تھے یا اولاد کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ قیامت تک کوئی شخص خواجہ صاحب کی اولاد کا بطلان نہیں کر سکے گا۔

حضرت دیوان صاحب سیّد آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ تو اٹھارہ دعوے داروں کے مقابلہ میں کھلی تحقیق کے بعد نجیب الطرفین اولاد خواجہ ثابت ہو چکے ہیں اور یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ آپ ہی سابق سجادہ نشین کی قریب ترین ہم جد اولاد ہیں لہٰذا دیوان صاحب اجمیر شریف اور سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف قرار دیئے جا چکے ہیں۔

غیر منقسم ہندوستان میں آپ ۱۹۲۲ء میں منصب سجادگی پر فائز ہوئے۔ اپنے قیام ہندوستان کا ۱۹۴۷ء تک کا عرصہ انتہائی متانت، وقار اور حلم و بردباری کے ساتھ آستانہ عالیہ اجمیر شریف کے سجادہ نشین کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔ آج بھی ہندوستان میں آپ کی درگاہ کے لئے سجادہ نشین کے دعوہ دار کسی نہ کسی طرح اپنا رشتہ اور تعلق حضرت دیوان سید آلِ رسول علی خاں رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حکومت ہندوستان جس سے راضی ہو اس کا دعویٰ درست تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ اس طرح سجادگی کا مسئلہ وقتی طور

پر حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیونکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ دیوان سید آلِ رسول علی خاں رحمتہ اللہ علیہ کا کوئی قریبی رشتہ دار جو دعویٰ سجادگی کر سکے' ہندوستان میں موجود نہیں ہے وہاں موجود لوگ وہی ہیں جو کسی نہ کسی طرح دیوان سید آلِ رسول علی خاں رحمتہ اللہ علیہ کے مقابل امیدوار کے طور پر ۱۹۲۲ء میں برائے سجادگی سامنے آ چکے تھے اور بعد تحقیق کسی نہ کسی کمی اور خاندانی کوتاہی کے سبب رد کر دیئے گئے تھے۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ نااہلوں میں کسی کو اہل ظاہر کر کے خواجۂ بزرگ کی سجادگی کے لئے مقرر اصولوں کو پامال کر کے درگاہ کا تقدس مجروح کیا جا رہا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اپنے وصال کے وقت تک چشتیہ سلسلہ کی تمام درگاہیں آپ ہی کو دیوان صاحب اجمیر شریف کے طور پر جانتی اور مانتی رہیں۔ ازاں بعد حضرت کے بڑے صاحبزادے دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں قدس سرہ' اس منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کے صدقہ میں آپ کو صحت وتندرستی کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک اپنے جد کریم رحمتہ اللہ علیہ کے مقدس مشن کو چلانے پر تادم آخر ثابت قدم رکھا۔ اجمیر شریف میں درگاہ خواجہ صاحب پر حکومت ہندوستان کی جانب سے فائز نام نہاد ''سجادہ نشین صاحبان'' اپنی سجادہ نشینی کے حق بجانب ہونے کے ضمن میں اب بھی حضرت دیوان سیّد آلِ رسول علیخاں قدس اللہ سرہ' العزیز کی ذات سے اپنے رشتے جوڑ کر اپنے دعویٰ سجادگی کو ''جائز'' ثابت کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اوّل تو اُن لوگوں کا نسبی سلسلہ حضرت سے نہیں ملتا دوم یہ کہ جب اللہ رکھے حضرت کی اولاد موجود ہے تو ہجرت کرنے کے بعد یہ روحانی سلسلہ اب بھی انہی کی اولاد میں جاری ہے۔ سیاسی اور جغرافیائی پابندیاں یا مجبوریاں منصب سجادگی کا بنیادی اصول تبدیل نہیں کر سکتیں۔

سچ تو یہ ہے کہ خواجہ بزرگؒ کو سلطان الہند کے لقب سے یاد کیا جانا برحق ہے۔
آپ اپنی حیات مبارک میں اپنے مجاہدۂ اخلاق، کردار اور پاکیزہ نفسی کے سبب لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے جبکہ بعد وصال روضۂ مبارک سے پورے ہندوستان پر حکومت کررہے ہیں۔ حیات مبارک میں آپ غریب نواز کے لقب سے مشہور ہوئے تو بعد وصال بھی غریبوں کو نوازنے کا سلسلہ قائم ہے۔ آپ کے دربار سے وابستہ خدام کے خاندان کے خاندان آپ کے واسطے سے روزی پارہے ہیں۔ ان خدام کے ذمہ آپ کے دربار کی صفائی، لنگر کی تقسیم اور زائرین کی آسائش کے دیگر امور مقرر ہیں۔

یہ لوگ اگر اپنی ذمہ داریاں دربار خواجہ کا تقدس ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کریں تو ہم خرمہ و ہم ثواب ہو لیکن اکثر زائرین ان سے شاکی نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ باہر سے آنے والے زائرین کو بہانے بہانے سے عطیات دینے کیلئے مجبور کرتے ہیں۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ یہ دیدہ دلیر خدام زائرین کی بالا ہی بالا آپس میں خرید و فروخت تک کر جاتے ہیں۔ بسا اوقات یہ لوگ زائر پر قبضہ کرنے میں اتنے بے حس اور لالچی ہو جاتے ہیں کہ آستانے کے احاطے میں باہم لڑائی جھگڑا کر کے دربار خواجہ کا تقدس پامال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

کس قدر حیرت اور افسوس کی بات ہے خواجہ صاحبؒ سے عقیدت کا دم بھرنے والے خدام کو اپنے جد امجد کا سلسلہ تو مل گیا لیکن وہ خواجہ بزرگؒ جن کے صدقہ میں ان کو عزت، دولت سب کچھ ملا ان کی اولاد پر جس کو مستند حوالوں سے پرکھا اور تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کا وجود ان کو مشکوک نظر آتا ہے۔ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ ذاتی مفادات نے ان کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی ہے اور حرص و لالچ ان خدام کے دلوں میں اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ ان میں بیشتر کو اولاد خواجہ غریب نواز ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ تاریخ شاہد ہے کہ

خواجہ بزرگؒ کے تمام سجادہ نشینان ان کی چیرہ دستیوں کے سبب پریشان رہے۔ دیوان سید آل رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کو بھی ان خدام نے پریشان کیے رکھا۔ لیکن اس عزم و ہمت کے پہاڑ نے اپنی سچائی اور خلوص کے باعث ۱۹۳۸ء میں درگاہ ایکٹ منظور کروا کے بہت حد تک ان کی بے اعتدالیوں کا تدارک کرلیا تھا۔ درگاہ ایکٹ کی تفصیلی خصوصیات اگلے صفحات میں پیش کی جائیں گی۔

نقشہ تفصیل فرامین

نمبر	تاریخ فرمان	نام حاکم\بادشاہ	نام حاصل کنندہ	کس بابت فرمان جاری ہوا
1۔	ذیقعد۹۹۹ھ	اکبر بادشاہ	خواجہ حسین رحمتہ اللہ	درباب منع تدفین میت اندرون درگاہ بغیر اجازت خواجہ موصوف
2۔	۱۵جلوس ۹۸۵ھ	ایضاً	ایضاً	درباب تقسیم وظائف وانتظام عرس لنگر خانہ وروشنی فروش وعمارات وغیرہ
3۔	7جلوس	جہانگیر بادشاہ	ایضاً	استقرار تولیت وتاکید احترام واختیارات خواجہ حسین
4۔	7جلوس	شاہجہان بادشاہ	شیخ معین الدین	معافی موضع گناہڑہ درمدد معافی شیخ موصوف
5۔	۱۰۶۹ھ	ایضاً	شیخ علاء الدین	درباره منظوری خدمت بنام سجادگی سید محمد خلف ایشان
6۔	۲۵ج	اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ	سید محمد برہان سید عبدالسجان	بحکم اجرائے یک روپیہ روزینہ نقدی برائے اوشاں
7۔	۱۰۷۴ھ	حافظ محمد ناصر بحکم اورنگزیب عالمگیر بادشاہ	شیخ خواجہ احمد	بابت معافی 60 گہ اراضی
8۔	۱۱۲۶ھ	سید محمد افضل خان صدر الصدور بحکم فرخ سیر بادشاہ	سید سعد الدین ولد محمد برہان	بحکم عطاء 8 یومیہ فوطہ سائر پرگنہ سانبہر
9۔	۳ج	عالمگیر ثانی	میر غیاث الدین وغیرہ	فرمان معافی موضع بدھ گاؤں
10۔	۱۱۸۴ھ	شاہ عالم بادشاہ ثانی	دیوان سید امام الدین فرزندان	بحکم معافی موضع ہوکران وکش پورہ بمعاوضہ وظیفہ یومیہ وغیرہ
11۔	شقہ بلاتاریخ	اکبر بادشاہ ثانی	سیّد مہدی علیخاں دیوان صاحب سجادہ	بمنظوری تولیت بنام صاحب عالم مرزا تیمور شاہ و نیابت بنام) سجادہ نشین موصوف

12۔ راضی نامہ۲۵ جماعت خدامان وظیفہ خواجہ احمد سجادہ نشین اقرار مخدوم زادگی......
ذوالحج ۲۱ جلوس داران و اہالی موالی نبیرہ دیوان شیخ معین باظہار استرضاء اقرار مخدوم زادگی ایشاں و
اورنگزیب بادشاہ آستانہ شریف الدین تسلیم خادمیت خود ہا......

13۔ ۲۷ رجب سیواجی ناظم دیوان اصغر علی سجادہ نشین بمعافی موضع ہوکران وکش پورہ
۱۱۹۱ھ

14۔ یکم جنوری لارڈلٹن بجکم دیوان غیاث الدین سند خطاب شیخ المشائخ
۱۸۷۷ء ملکہ معظمہ قیصر ہند صاحب سجادہ حال

یہاں سلطان محمود خلجی کے دور میں اولاد امجاد خواجہ بزرگؒ کی موجودگی کے ثبوت میں مختصر حال بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک مقام پر حافظ محمد حسین نے لکھا کہ سلطان محمود خلجی نے بھی اولاد خواجہ کو کچھ نہیں دیا اور یہ کہ اس کے عہد دولت میں بھی وجود اولاد امجاد کا کچھ پتہ نہیں ہے۔

اس ضمن میں حقائق یہ بتاتے ہیں کہ سلطان محمود خلجی اولاد امجاد حضرت خواجۂ بزرگؒ کا بہت معتقد تھا اور وجود بھی اس عہد میں ان کا ثابت ہے۔ چنانچہ شیخ قطب الدین کو اس بادشاہ نے چشت خان کا خطاب دیا تھا اور ہزار سواروں کا مالک کر دیا تھا نیز حضرت بایزید بزرگ کو اس بادشاہ نے بکمال اعتقاد مدرس مقرر کر کے اجمیر شریف بھیجا تھا اور دعویٰ فرزندی شیخ بایزید کا سبب انکار بعض حضرات کے اس بادشاہ کے حکم سے بعد تحقیقات صحیح ثابت ہوا تھا اور ان کے فرزند کو شیخ حسین ناگوری نے اپنی بیٹی دی تھی اور یہ سب حال اخبار الاخیار مونس الارواح سیر الاقطاب اقتباس الانوار وغیرہ کتابوں میں بہ تفصیل درج ہے۔

نسب نامہ چشت خان کا مناقب الحبیب میں اس طرح موجود ہے۔

خواجہ سید قطب الدین المخاطب چشت خان بن فرید الدین بن سید نظام الدین بن خواجہ معین الدین خورد بن خواجہ حسام الدین سوختہ بن خواجہ فخر الدین بن خواجہ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ البتہ اس موقع پر اتنا عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رئیس احمد کی مرتبہ

کتاب خواجہ خواجگان جو کہ خدام کی نمائندہ کتاب ہے۔ اس کے صفحہ نمبر ۶۳ پر ''خواجہ بزرگ کے خادم خاص حضرت خواجہ فخر الدین گردیزی کے عنوان سے مولوی سید غیور احمد چشتی کا ایک مضمون شامل کیا ہے جس میں گھوم پھر کر یہی بتانا چاہتے ہیں کہ موصوف حضرت خواجہ بزرگؒ کے خادم خاص تھے اور آج خدام خواجہ ان کی اولاد ہیں۔

خدام خواجہ صاحب (سیدزادگان) رجسٹرڈ (انڈیا) درگاہِ مُعلیٰ اجمیر شریف نے حال ہی میں ۲۰۰۷ء/ ۲۰۰۴ء کے دورانیہ کیلئے ۴۴ صفحات پر مشتمل ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جو زائرین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کتابچے میں بھی یہ دعویٰ موجود ہے کہ ''آستانۂ عالیہ کی خدمت صرف خدام ہی گزشتہ آٹھ سو سال سے انجام دیتے آئے ہیں۔ خدام کے جدِ اعلیٰ خواجہ فخر الدین گردیزی خواجہ غریب نوازؒ کے خادم خاص تھے (ص۔۳۸)۔ کتابچے کے صفحہ ۲۲ پر خلفاء کی جو فہرست شامل کی گئی ہے اُس میں بھی نمبر ۶۵ پر خواجہ فخر الدین گردیزی کا نام درج ہے۔ افسوس ناک امر ہے کہ پورے پمفلٹ میں حضور غریب نوازؒ کی اولادِ اطہار اور سجادگان کا تذکرہ ضروری نہیں سمجھا گیا۔ تاہم صفحہ ۲۱ پر تسلیم کیا گیا ہے کہ حضور خواجہؒ کے تین فرزند اور ایک دختر تھیں۔ نیز یہ کہ جنوبی دروازوں کی طرف جالی دار چاردیواری میں صاحبزادی بی بی حافظہ جمال صاحبہؒ کا مزار ہے۔ بالائے دروازہ جھالرہ' حضور خواجہؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ ضیا الدین ابوسعیدؒ کا مزار ہے۔ پمفلٹ کے آخری صفحہ پر جلی حروف میں اشتہار دیا گیا ہے کہ ''حضور غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی نذر کے مستحق قانوناً' رواجاً اور شرعاً صرف خدام خواجہ صاحب ہی ہیں۔''

صاحب گلدستہ چشتی چمن کے جو اعتراضات اس ضمن میں تقریباً ایک صدی قبل سامنے آئے تھے آج کے دور کی اس کتاب میں وہ اسی طرح قائم ہیں۔ خدام کے نمائندہ اپنے تمام تر زورِ قلم کے باوجود یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خواجہ فخر الدین گردیزی نام کے کوئی

بزرگ حضرت خواجہ بزرگؒ کے ساتھ آئے تھے دوم یہ کہ خدام خواجہ بزرگؒ انہی کی اولاد میں ہیں۔ قابل غور اور وضاحت طلب ہے کہ حضرت خواجہ عثمان کے مرید نے اپنے پیر کے بجائے حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ کی خدمت میں رہنا کیوں اختیار کیا دوم یہ کہ حضرت خواجہ بزرگؒ جیسے غریب پرور اور منکسر المزاج بزرگ نے اپنے علوم ظاہری اور باطنی سے آراستہ پیر بھائی سے وہ خدمت لینا کیوں پسند فرمائی جو خدام سے لی جاتی ہے۔

صاحب گلدستہ چشتی چمن نے ایک طویل بحث میں خدام کے دونوں گروہوں شیخ وسید کو اس بات کا چیلنج بھی دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو جن خدام خواجہ بزرگؒ سے وابستہ کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو اول تو ان کی اولاد ثابت کرنے سے عاجز ہوں گے دوم یہ کہ جن خدام خواجہ بزرگؒ سے یہ اپنا جعلی رشتہ جوڑتے ہیں' ان کے متعلق یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ وہ حضرت خواجہ کے ساتھ اجمیر شریف آئے تھے۔ یہ طویل پرمغز اور دلچسپ بحث ہے لیکن ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے تفصیلات درج نہیں کی جا رہیں۔ کسی صاحب کو دلچسپی ہو تو گلدستہ چشتی چمن کے صفحات ۱۸۔۹ کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

اب اپنے موضوع کی طرف واپس آتے ہیں اور اس کل بحث کا اختتام ان اقوال پر کرتے ہیں جو کتب معتبرہ سے ثابت ہیں اور ان اصحاب سے منسوب ہیں جن کے آگے ہر اولیائے کرام سے محبت رکھنے والے شخص کا بالخصوص ہر چشتی کا سر جھک جاتا ہے۔

۶۳۳ھ تاریخ وصال حضرت خواجہ بزرگؒ رحمتہ اللہ علیہ سے اب تک ساڑھے چھ سو سال گزر چکے ہیں (گلدستہ چشتی چمن کی تالیف کے وقت حضرت خواجہ کے انتقال کو لگ بھگ ساڑھے چھ سو سال گزرے تھے۔ اب تو یہ مدت آٹھ سو سال کے قریب پہنچ رہی ہے) اس پورے عرصہ میں صرف چند منکرین اولاد امجاد خواجہ بزرگؒ گزرے ہیں کہ جن کی تعداد اصحاب کہف کی طرح مختلف خیال میں آتی ہے۔ اول وہ حضرت جنہوں نے حضرت

خواجہ بزرگؒ کو حصُور اور بے شادی کے بیان کیا۔ ان کی غلطی پر اخبار الاخیار مونس الاسرار گلزار ابرار وسیر العارفین وغیرہ نے بہت تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے۔ دوسرے وہ حضرات منکرین ہیں جنہوں نے نسبت فرزندی شیخ بایزید کے بارے میں انکار کیا۔ ان ہی کی وجہ سے سلطان محمود خلجی کے دور میں تحقیقات ہوئیں تیسرے منکرین عہد اکبر شاہی اور چوتھے وہ جو حافظ محمد حسین کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس کے مقابل ایسی ایسی شہادتیں بسلسلہ ثبوت اولاد امجاد خواجہ بزرگ تواتر اور تکاثر سے نظر آتی ہیں کہ کسی مسلمان بالیقین کو تردد کا مقام ہی باقی نہیں رہتا۔

سب سے اول اور افضل قول خود حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، فرماتے ہیں ''اولاد معین الدین وحمید الدین یکے است'' اور پھر کتب تاریخی کے مطابق ایسا ہی ظاہر ہوا۔

حضور موصوف کا بخطاب حضرت سلطان التارکین کہ ''حمید الدین چوں است کہ وقتی کہ ما جوان بودیم ہر چہ از درگاہ ایزدی می طلبیدم زُودمی یافتم اکنوں کہ پیر وضعیف شدہ ایم چوں حاجت بدعا میشود کار بدرنگ میکشدٗ۔ یعنی جب میں جوان تھا تو جو اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا تھا جلدی مل جاتا تھا۔ اب جبکہ بوڑھا اور ضعیف ہو چکا ہوں تو ایسا نہیں ہوتا۔

تیسرا قول حضرت ممدوح کا کہ ''ہر کہ مرید فرزندان معین الدین باشد (الخ)

چوتھا قول حضرت سلطان التارکین کا بجواب ارشاد و حضور غریب نواز کہ خواجہ راروشن است (الخ)

پانچواں قول حضرت گنج شکر کا بخطاب خواجہ وحید الدین حضور غریب نواز کہ مادریوزہ از خانوادہ شما آوردہ ایم۔

چھٹے قول حضرت سلطان المشائخ کا بابت بیعت خواجہ وحید الدین

ساتواں قول حضرت سلطان المشائخ کا بابت ذکر صلاح خواجہ نبیرہ حضرت خواجہ کے

آٹھواں قول سید محمد کرمانی صاحب سیر الاولیاء کا کہ فرزنداں خواجہ را برآں آور دند کہ در شہر بروند از بادشاہ مقرر داشت بیارند (الخ)

نواں قول حضرت سید محمد گیسودراز کا درباب فرزنداں حضرت خواجہ کہ کون سے محل کے بطن مبارک سے ہیں۔

دسواں قول حضرت سید شمس الدین طاہر کا بابت اختلاف قول سابق الذکر بطن فرزنداں حضور کے

گیارہواں قول حضرت خواجہ حسین ناگوری کا درباب تصدیق ولایت حضرت شیخ بایزید

بارہواں قول مولانا رستم اجمیری کا درباب شیخ ممدوح کے

تیرھواں قول دوسرے علمائے نامدار اس عہد کے درباب جناب شیخ بایزید ممدوح

چودھواں قول مولانا احمد خادم خاص حضرت خواجہ بزرگ کا

پندرھواں قول مولانا جمالی دہلوی کا

سولہواں قول مولانا احمد مجد علیہ الرحمتہ کا جس کا ذکر مونس الارواح میں ہے۔

سترہواں قول حضرت شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی کا

اٹھارواں قول ہندوشاہ (تخلص فرشتہ) مُلا محمد قاسم تاریخ فرشتہ کا

انیسواں قول حضرت شیخ محمد غیاث الدین گوالیاری پیرومرشد اکبر بادشاہ کا

بیسواں قول شیخ عبدالقادر بدایونی کا

اکیسواں قول شیخ عبدالنبی قدوسی صدر الصدور عہد اکبری کا

بائیسواں قول سید عبد الواحد بلگرامی کا

تئیسواں قول حضرت مولانا نور الحق محدث دہلوی کا

چوبیسواں قول شیخ عبد الرحمٰن علوی چشتی صاحب مراۃ الاسرار کا

پچیسواں قول صاحب سیر الاقطاب کا

چھبیسواں قول جہاں آراء بیگم بنت شاہجہاں بادشاہ کا

ستائیسواں قول سید محمد بولاق صاحب مطلوب الطالبین کا

اٹھائیسواں قول صاحب چہار گلشن محمد شاہی کا

انتیسواں قول صاحب مجموعۃ الروایات کا

تیسواں قول شاہ نجم الدین چشتی سلیمانی کا

اکتیسواں قول مفتی غلام سرور لاہوری کا

ان اقوال واقعات، حالات اور تحقیقات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اولاد امجاد حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں شکوک رکھنے والے بہت کم ایسے ہیں جو واقعتاً حالات سے ناواقف ہیں ورنہ بیشتر نے شرارتاً انکار کیا ہے۔ان میں سے بیشتر اصحاب کے اقوال ہماری بحث میں مختلف مقامات پر آ چکے ہیں۔

بیادحضرت قبلہ دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمۃ اللہ علیہ

ترے فراق میں یوں زندگی گزرتی ہے
جہاں تہاں تری صورت دکھائی دیتی ہے
جہاں جہاں سے ہے وابستہ یاد ماضی کی
وہاں وہاں تری صورت دکھائی دیتی ہے
چمن میں پھول میں پتی میں اور کلیوں میں
کہاں کہاں تری صورت دکھائی دیتی ہے
میں تیری یاد سے غافل نہیں ہوں لحہ بھر
نہاں عیاں تیری صورت دکھائی دیتی ہے
میں تیری قبر پہ جب سر جھکائے بیٹھا ہوں
تو بے گماں تری صورت دکھائی دیتی ہے
جہاں جہاں تجھے دیکھا ہے میں نے محوِ خرام
وہاں رواں تری صورت دکھائی دیتی ہے
رہِ حیات کی کٹھنائیوں میں گر بھٹکوں
تو اک نشاں تیری صورت دکھائی دیتی ہے
کروں جو وِرد میں آلِ رسول آلِ رسول
تو ضو فشاں تری صورت دکھائی دیتی ہے
غموں کی رات میں گھبرائے دل جو آنس کا
تو اِک اماں تری صورت دکھائی دیتی ہے

- صداقت پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا انسان کو کسی حال، کسی صورت میں صداقت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ سچ کے لئے ہمت وجُرات سے کام لینا چاہیے۔
- یگانہ وَ بے گانہ کے ساتھ چشمِ مروت سے پیش آنا چاہیے۔
- حق کو ہمیشہ فتح نصیب ہوتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ صبر وقناعت کا دامن نہ چھوٹے۔
- انسان کو صرف اپنی عقل پر انحصار نہیں کرنا چاہیے بلکہ مخلصوں اور صاحبان فہم و زکاوت کی مشورت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران:۱۵۹)

(اور اپنے کاموں میں مخلصین سے مشورت کرلیا کرو)

قرآن حکیم ہی میں دوسری جگہ ارشاد ہے :

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

(اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں) (الشوریٰ:۳۸)

- بزرگوں اور چھوٹوں سے حتی المقدور لطف ومحبت کا برتاؤ کرنا چاہیے۔
- اگر اللہ تعالیٰ رتبہ عطا فرمائے تو انسان نخوت شعار نہ بنے بلکہ اعتدال کو پیش نظر رکھے اسی میں عزت ہے۔
- اگر کارگاہِ حیات میں ہمت شکن مصائب کا سامنا ہو تو خون جگر اور دل کی حرارت سے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔
- کامیابی اور فتح مندی انسان کے قدم چومتی ہے اگر اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی حمایت ونصرت پر رہے۔
- فنا اور بقا کے بارے میں دوسرے سوچیں ہمیں تو صرف انکی رضا کی فکر ہے۔

- رسول اکرم ﷺ کی ہستی پر ہی سارے عالم کی بقاء کا دارومدار ہے۔
- الفت کی راہ میں بہر حال گزارا کرنا چاہیے دیکھو شبنم بھی تو نوک خار پر گزارا کرتی ہے۔
- بشر اپنی عظمت سے غافل ہے دیکھو وہ ذات محمد ﷺ جس کی صفات خدائی میں نہیں سما سکتی تھی لیکن بشر میں سما گئیں۔

حضرت دیوان صاحب سید آلِ رسول علیخاں سجادہ نشین رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر ایک نظر

- وہ اسلامی اصولوں پر کسی سے مفاہمت نہیں کرتے تھے۔
نظام اسلامی کے لئے وہ سخت گیر تھے۔
- آپ کی زندگی میں شریعت وطریقت کا بہترین توازن دیکھا جا سکتا تھا۔
- نگاہ میں حیا تھی۔ اسلام کے نظام پردہ کو از حد پسند فرماتے تھے۔
- معاملات دنیا میں پاک صاف تھے نذر نذرانہ قبول کرنے سے گریز کرتے تھے۔
- دینی فرائض کو شدید بیماری میں بھی با اہتمام ادا کیا حتی کہ نیم بے ہوشی کی حالت میں بھی نماز کے اوقات میں اشاروں سے نماز ادا فرمائی۔
- نہایت غریب پرور انسان تھے۔ غریبوں کی امداد اس طرح فرماتے گویا احسان نہیں فرض کی ادائیگی فرمارہے ہیں۔ کئی افراد کے وظائف مقرر فرما رکھے تھے۔
- غریب نواز۔ دلنواز۔ ہمدرد اور نہ صرف اہل خاندان بلکہ ہر فرد پر جو اُن سے وابستہ تھا بے حد مشفق تھے۔
- ایثار وقربانی کا پیکر تھے۔ تقویٰ و پرہیز گاری میں نمونۂ اسلاف تھے۔ بزرگان کرام اور حضور نبی کریم ﷺ کی محبت کو جز وایمان اور باعث نجات فرماتے تھے۔
- حضور دیوان صاحب کو فہم وفراست علم وتدبر اور عالی دماغی قدرت سے بطور خاص عطا ہوئی تھی حق وانصاف کا نہایت پامردی وثبات سے ساتھ دیا کرتے تھے۔
- آپ فرمایا کرتے تھے اگر مشائخ کرام نے اپنے منصب اصلی کو نہ پہچانا اور متحد نہ ہوئے تو ان کی خانقاہوں پر تالے پڑ جائیں گے۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ بڑی بڑی درگاہوں کے سجادہ نشینان کو بے دخل کر کے محکمہ اوقاف ان پر قابض ہے۔

- علمائے کرام مسلکِ اہل سنت سے دلی محبت رکھتے تھے۔ علماء کی صحبت بے حد پسند تھی۔ ترویج دین کے لیے ان سے دامے، درہمے، سخنے ہر نوع کا تعاون زندگی بھر کا معمول تھا۔
- بچوں سے آپ کا برتاؤ انتہائی مشفقانہ ہوتا تھا۔ بچوں کو ایسے کھیلوں کی ترغیب دیتے تھے، جن سے ان کی ذہنی اور جسمانی نشوونما ہو، نیز کھیل ہی کھیل میں اخلاقی تربیت بھی ہو جائے۔

تذکرۂ انساب

حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ بزرگ معین الاولیاء معین الحق وملت والدین قدس اللہ سرۂ العزیز کی ایک صاحبزادی حافظ بی بی جمال اور تین صاحبزادے تھے۔ خواجہ سید فخر الدین وخواجہ ابوسعید ضیاء الدین وخواجہ سید حسام الدین۔

خواجہ سید فخر الدینؒ: فرزندوں میں سب سے بزرگ ترین تھے اور موضع ماندل میں سکونت رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ قدس سرۂ انہی کے لیے فرمان حاصل کرنے کی غرض سے دہلی تشریف لے گئے تھے۔ بعد میں قصبہ سردار جو اجمیر سے سولہ فرسنگ یعنی اڑتالیس میل (۴۸) ہے سکونت اختیار کی۔ آخر وہیں واصلِ حق ہوئے اور ان کی مرقدِ اطہر برلبِ حوض واقع ہے اور ان کا سال وفات ۶۵۵ ھجری ہے۔

خواجہ حسام الدین سوختہؒ: آپ حضرت خواجہ فخر الدین کے صاحبزادے ہیں، طبیعت میں انتہائی سوز و گداز تھا اسی سبب "سوختہ" کے لقب سے ملقب ہو گئے۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدینؒ محبوب الٰہی۔ کے ہم عصر تھے اور ان سے محبت اور صحبت کا تعلق قائم تھا۔ اِن کا مزارِ مبارک قصبہ سانبھر میں ہے۔ خرقہ واجازت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سے رکھتے تھے اور ہندوستان کے اولیائے کبار میں سے تھے۔ ان کا وصال ۷۴۴ھ میں ہوا اور ان سے دو پسر ہوئے۔ اول خواجہ معین الدین جو معین الدین خورد کے لقب سے مشہور ہوئے اور یہ فضیلت ان کے لیے کافی ہے۔ دوسرے صاحبزادے خواجہ قیام الدین بابریال، نہایت دلیر تھے انکا لقب ہندوؤں میں ہٹیلا باگھ یعنی شیرِ دلاور مشہور ہوا۔ بت پرستوں کے ساتھ محاربہ کرتے تھے۔ ان کا سالِ وصال ۷۶۷ھ ہے، اور مدفن حضرت خواجہ بزرگؒ کے روضہ

کے پائین مجرِ (جالی دار) سنگِ مرمر باؤلی کے برابر ہے۔

خواجہ نجم الدین خالدؒ: خواجہ قیام الدین بابریالؒ کے صاحبزادے ہیں۔ ان کا سالِ وفات ۷۶۶ھ ہے۔ ان کے دو فرزند تھے ایک خواجہ ابو یزیدؒ اور دوسرے صاحبزادے سید کمال الدین حسن احمدؒ۔ ان کا سال وصال 786ھ ہے۔ اور ان کے صاحبزادے سید شہاب الدینؒ نہایت پاکباز اور متقی تھے۔ کفار کے ہاتھوں بہت اذیتیں اور تکالیف اٹھائیں جو بیان سے باہر ہیں۔ آخر ۸۱۱ھ میں عالم فانی سے عالم باقی رحلت فرما گئے۔ ان کے ایک صاحبزادے سید تاج الدین بایزید بزرگؒ ہندوؤں کے ہاتھوں تنگ آ کر جب کہ حضرت خواجہ کی اولاد مندو وغیرہ منتشر ہو گئی تھی۔ یہ بغداد تشریف لے گئے اور تحصیلِ علوم فرمائی۔ جب سلطان محمود خلجی نے کفار پر غلبہ حاصل کیا حضرت تاج الدین بایزیدؒ نے بغداد سے مراجعت فرمائی۔ شیخ السلام مفتی محمود دہلوی چونکہ اُن کے احوال سے واقف تھے اس لیے ان کو اپنی دامادی میں لے لیا۔ ایک مدت ان کے ساتھ رہے۔ آخر کار سلطان محمود خلجی کے حکم سے، چشت خان کے اشارے پر جو خود اولادِ خواجہ سے تھے اجمیر میں آ کر تدریس دین میں مشغول ہو گئے۔ یہ وہی' بایزید بزرگؒ ہیں کہ عوام جہلا نے ان کے نسب کے بارے میں انکار کیا۔ شدہ شدہ یہ خبر سلطان محمود خلجی کی عدالت میں پہنچی چنانچہ سلطان مذکور نے علماء کے ایک گروہ کو مامور و مقرر کیا تاکہ اچھی طرح تَفَحّص و جستجو کر کے حقیقت حال معلوم کریں۔ بہت تفتیش کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ سید بایزید بزرگؒ بے شک حضرت خواجۂ بزرگؒ کی اولاد سے ہیں انہی بزرگ کی ذات کے بارے میں مورخوں کو غلطی ہوئی کہ جنہوں نے اولادِ حضرت خواجہ کی مطلقاً نفی کر دی' حالانکہ اُسی زمانے کے سلطان محمود خلجی کے فیصلہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ نادانی سے عوام کے قول کا اعتبار کر کے مستند کتب' تصنیفات اور تحقیقی فیصلوں پر نظر نہ رکھی۔ خواجہ بایزید بزرگ مستند اولاد خواجہ تھے سلطان محمود نے چھان

پھٹک کروا کے فیصلہ بھی دے دیا تھا پھر ایک فرضِ محال کے طور پر یہ کہا جائے کہ خواجہ بایزید حضرت خواجہ بزرگؒ کی اولاد نہیں تھے، اس سے حضرتِ خواجہ کی اولاد کی نفی کا نتیجہ نکالنا سوائے نادانی وسفاہت کے اور کیا ہوسکتا ہے مثلاً ہم یہ کہیں: یہ انسان ہے، پس حیوان جو انسان سے عام ہے اُس کا ہونا ثابت ہوگیا یا یہ فرض کریں یہ انسان نہیں ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حیوان بھی نہیں ہے۔ پس ناظرین غور کریں۔ مخدوم سید حسین ناگوریؒ نے بایزید بزرگؒ کے فرزندوں کو اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ سید بایزید بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی وفات ۸۰۰ھ میں ہوئی۔ ان کے فرزند سید نورالدین المشہور بالطاہرؒ مدتِ دراز تک جادۂ مشیخت پر فائز رہ کر طالبان حق کو فیضِ ظاہر و باطن سے مالا مال کرتے رہے اوران کی اہلیہ مخدوم خواجہ حسین ناگوری کی صاحبزادی تھیں۔ آخر ۹۰۵ ھجری میں جاں جانِ آفریں کے سپرد کی۔ ان کے فرزندِ ارجمند سید رفیع الدین بایزید خوردؒ صاحب کشفِ جلی اور کراماتِ صحیح تھے۔ گلزارِ ابرار کا نسخہ ان کی بزرگی اور فضیلت پر کافی وافی شاہد و گواہ ہے۔ بہت سے گم کردہ راہ لوگوں کو راہِ ہدایت پر ڈالا ان کی زوجۂ طاہرہ سلطان التارکین خواجہ حمید ناگوریؒ کے خاندان سے تھیں۔ ان کا وصال ۹۲۲ ھجری میں ہوا۔

سید معین الدین ثالثؒ: ان کے فرزندِ دلبند تھے۔ جس وقت کہ کفارِ ہند کا ظلم و تعدی ہندوستان کے مسلمانوں پر بہت ہوا تو یہ خورد سال تھے۔ جانثاروں نے ان کو ناگور شریف پہنچا دیا آخر دم تک ناگور میں رہے اور ۹۴۰ ھجری میں عالمِ فانی سے رحلت فرمائی اور مدفن سلطان التارکین خواجہ حمید الدین صوفی کے روضہ کے جوار میں پایا۔ تین صاحبزادے چھوڑے خواجہ حسنؒ، خواجہ حسینؒ، خواجہ ابوالخیرؒ، خواجہ حسن مجذوب تھے، ان کی ایک صاحبزادی تھیں۔ خواجہ حسین متاہل نہ ہوئے۔

سید معین الدین ثالثؒ کے بڑے صاحبزادے مجذوب تھے۔ چنانچہ سجادگی خواجۂ بزرگ خواجہ حسین اجمیریؒ کو ملی جو ایک طویل عرصہ منصبِ سجادگی پر فائز رہے۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں ابوالفضل اور فیضی کی شرارتوں کے سبب ان کو منصب تولیت سے ہٹا دیا گیا لیکن پھر منصب سجادگی اور منصبِ تولیت اکبر بادشاہ کے حکم سے آپ کی ذات میں مجتمع ہو گیا۔ منکرین اولادِ خواجۂ بزرگ خواجہ حسین اجمیریؒ کی ذات کو وجۂ نزاع بتاتے ہیں حالانکہ اس وقت صرف آپ ہی اولادِ خواجہ کی یادگار نہیں تھے منکرین و معاندین اولادِ خواجہ اُن کو منصبِ سجادگی پر برداشت نہیں کر سکتے اس لیے مختلف اعتراضات کرتے رہے ورنہ اُسی دور میں ان کے چھوٹے بھائی ابوالخیر بھی موجود تھے جنہوں نے خواجہ حسین اجمیریؒ کے وصال کے بعد منصب سجادگی سنبھالا خواجہ ابوالخیرؒ کثیر العیال تھے۔ ۱۰۲۹ھ میں انتقال ہوا آپ کے صاحبزادوں میں پانچ ان کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے دو صاحبزادے سید محمود اور سید مودود نے مجردانہ زندگی بسر کی۔ صاحبزادوں میں سید علم الدین نمایاں ہیں جن کی زوجہ حضرت خواجہ سلطان التارکین ناگوری کی اولاد میں تھیں۔ ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے سید علاء الدین، سید حسام الدینؒ اور سید ابوالفتحؒ ان کے چار فرزند تھے اور سید سراج الدینؒ جو سجادہ نشین حضرت خواجۂ بزرگؒ رحمتہ اللہ علیہ ہوئے دوسرے بیٹے سید شمس الدین تیسرے پسر اسد اللہ اور چوتھے صاحبزادے سید عطاء اللہ تھے ان کے چار صاحبزادے تھے ان میں سے دو صاحبزادوں کے نام سید ہدایت اللہ اور سید اطیعو اللہ تھے تیسرے اور چوتھے صاحبزادے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔

سید ہدایت اللہؒ کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں ان میں سے سید حفیظ اللہ کی زوجہ حضرت شیخ حمزہ کی اولاد سے تھیں ان سے ایک دختر پیدا ہوئیں اور ایک بیٹے سید مسیح اللہ تھے۔ یہی مسیح اللہ صاحب ہیں جنہوں نے اجمیر شریف سے ترکِ سکونت

کر کے دھول کوٹ کو اپنا مسکن بنایا اس کا مفصل حال اس طرح ہے۔ سید مسیح اللہ کا پہلا نکاح اجمیر میں دیوان سید اصغر علی صاحب کی بیٹی ہدایت النساء سے ہوا تھا بحوالہ: "معین الاولیاء" ان سے ایک فرزند میر شاہ علی پیدا ہوئے۔ ابھی یہ فرزند ڈیڑھ سالہ تھے کہ ان کی والدہ انتقال کر گئیں۔ میر شاہ علی نے نانا کے زیر تربیت رہ کر پرورش پائی۔ ان حالات سے سید مسیح اللہ ایسے رنجیدہ ہو گئے کہ ان کا دل دنیا اور اسبابِ دنیا سے اٹھ گیا۔ ہر چند دیوان صاحب اور دیگر معززین قوم نے نکاح ثانی کی تجویز دی لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے اور ایک مدت اس طرح گزر گئی کہ سید مسیح اللہ کو اپنے شیخ سید عظیم الدین کی زیارت کا شوق ہوا اس زمانے میں سید عظیم الدین حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ کے چلہ خانہ میں اپنے چچا سید نجم الدین چلہ کش کے چلہ خانہ کے بجائے یہاں چلہ کش تھے۔ جب سید مسیح اللہ نے سعادت و زیارت حاصل کی۔ سید عظیم الدین کو بہت خوشی ہوئی کہ بعد ترکِ اجمیر عزیز انِ وطن سے ملاقی نہیں ہوئے تھے لہٰذا مسیح اللہ کے آنے کو غنیمت تصور کر کے کمال شفقت و محبت سے اپنے پاس رکھا۔ ایک روز تخلیہ کی حالت میں ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے فرزند تم میرے نزدیک معززِ قوم ہو دو باتیں تم سے کہنی ہیں اگر تسلیم کر لو۔ سید مسیح اللہ نے فرمایا جو فرمان ہوگا بچشم بجالاؤں گا۔ آپ نے فرمایا دونوں امر تمہارے لئے بہتر ہیں اسی لئے تم سے کہتا ہوں۔ سید مسیح اللہ نے دوبار عرض کیا آپ میرے شیخ ہیں آپ کے ارشاد سے انحراف نہیں ہوگا۔ سید صاحب موصوف نے قدرے سکوت فرمایا اور آبدیدہ ہو کر فرمایا بابا! اگر چہ مجھ سے محروم الوطن کی دل شکنی کرنے کا تمہیں اختیار ہے۔ اس پر سید مسیح اللہ اپنے شیخ کی ایسی کیفیت دیکھ کر بے قرار ہو گئے اور عرض کیا جو فرمان ہوگا میں اس کا مطیع و منقاد ہوں گا۔ سید عظیم الدین نے حلف کی درخواست کی چنانچہ بعد حلف سید صاحب موصوف نے فرمایا اول یہ کہ میرے نزدیک رہو گے اور میرے جانشین بنو گے دوم یہ کہ ایک شریف

خاندان سے تمہارے لئے ایک لڑکی طلب کی ہے اس کو قبول کرو گے۔ سید مسیح اللہ نے جب یہ بات سنی تو دم بخود ہو گئے کہ ان کے وہم وگمان میں بھی ان دو باتوں کا خیال نہیں گزرا تھا تاہم بہت تامل کے بعد سر اٹھا کر عرض کیا حکم منظور کروں گا آپ کے فرمانِ مطاع سے گریز پا نہ ہوں گا۔

سید عظیم الدین رحمتہ اللہ علیہ نے پیام نسبت ایک لڑکی سے جو حسن صوری اور معنوی سے آراستہ تھیں اولادِ حضرت شیخ عبدالقادر غوث الاعظمؒ سے زینت باڑی دہلی میں رہائش پذیر تھیں۔ حضرت شاہ نور قادری پیرزادگان ساڈھورا سے تھے اور محلّہ زینت باڑی میں رہائش پذیر تھے' اُن کو جب پیغام بھیجا گیا تو انہوں نے اپنے فرزند میاں قمر دین کو سید مسیح اللہ کو دیکھنے کے لئے بھیجا۔ میاں قمرالدین نے میر مسیح اللہ کو جو وجیہہ اور شریف تھے پسند کیا لیکن اپنی ہمشیرہ کو اجمیر شریف بھیجنا پسند نہیں کیا لیکن سید عظیم الدین کی فرمائش پر شاہ نور نے اجمیر بھیجنا منظور کر لیا۔ بالآخر نیک ساعات میں نکاح منعقد ہو گیا۔ چونکہ ان ایام میں راستہ پر خطر تھا اور بغیر قافلہ کے سفر ناممکن تھا لہٰذا سید مسیح اللہ نے قافلہ کے انتظار میں چند ماہ توقف کیا۔ جب قافلہ مرتب ہو گیا سید مسیح اللہ اجمیر شریف روانہ ہو گئے۔ سید مسیح اللہ نے چند سال کے عرصہ میں چار پانچ بار دہلی آمد ورفت رکھی۔ آخری مرتبہ مع فرزندان سید فضلِ علی اور میر کرم علی دہلی چلے گئے۔ مراجعت کے وقت اہل قصبہ دھول کوٹ نے چند روز قیام کی تکلیف دی حضرت سید مسیح اللہ نے ان کی عرض داشت کو قبول کیا اور چند روز دھول کوٹ اقامت اختیار کی۔ اُس زمانے میں گاؤں کے چوہدری کو ایک پیر کامل کی تلاش تھی۔ چونکہ دھول کوٹ دہلی کے لئے گزرگاہ تھا اس وجہ سے علماء اور مشائخ کا وہاں سے اکثر گزر رہتا تھا۔ چنانچہ چوہدری مذکور ان صاحبان کو بطور مہمان ٹھہرا کر دراصل اُن کے کمال اور صلاحیت کو دیکھنا چاہتا تھا کہ اطمینانِ قلب کے ساتھ مرید ہو سکے مگر ابھی تک ان کی کسی

ایسے صاحب سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ بالآخر جب حضرت مسیح اللہ رحمتہ اللہ علیہ وہاں پہنچے تو چوہدری نے حسب سابق انہیں اپنا مہمان بنایا دوران قیام ان کی صلاح وتقویٰ زیارات اور حضور خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی صحیح انسب اولاد ہونے کا علم ہوکر، گاؤں کے چوہدری صاحب مرید ہو گئے اور ان کے مرید ہونے کے بعد ایک ساتھ تمام گاؤں میر صاحب ممدوح کے ہاتھ پر بیعت ہو گیا۔ اور اہل دھول کوٹ نے انہیں بہ اصرار یہیں قیام کرنے پر مجبور کر دیا۔ تمام عمر عقیدت ومحبت سے خدمت کرتے رہے۔ اسی اثناء میں کسی نے یہ افواہ پھیلا دی کہ میر مسیح اللہ کا دھول کوٹ میں انتقال ہو گیا ہے۔ ان کی اہلیہ جو اس وقت اجمیر شریف میں تھیں پریشان ہو کر دھول کوٹ روانہ ہو گئیں وہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے شوہر اور صاحبزادوں کو زندہ سلامت پایا۔ اس بات سے تو انہیں اطمینان ہوا لیکن بلا اجازت دیوان صاحب کے گھر سے نکل کر دھول کوٹ آنے پر شرمندہ تھیں۔ اسی حالت میں پانچ ماہ بعد رحلت فرما گئیں۔ میر مسیح اللہ نے بھی اس واقعہ پر ندامت کے باعث دوبارہ اجمیر شریف جانے کا خیال دل سے نکال دیا۔ جب دیوان صاحب محتشم علیخاں کو اس بات کا معلوم ہوا تو پریشان ہو کر میر مسیح اللہ صاحب کو اجمیر آنے کی تاکید کی مگر مذکورہ بالا واقعہ سے بدظن ہو کر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ دیوان صاحب موصوف ایک بار خود بھی ان کو اجمیر شریف واپس لانے کے لئے گئے مگر میر صاحب پھر بھی نہ مانے چنانچہ انیس سال (۱۹) اپنی عمر عزیز دھول کوٹ میں گزار کر (۸۴) چوراسی سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور پسماندگان میں سید فضل علی اور سید کرم علی کو بطور یادگار چھوڑا۔ دھول کوٹ کے مریدین دونوں صاحبزادوں کی خدمت احسن طریقے پر کرتے رہے۔

دیوان سید مہدی علیخاں صاحب جب اکبر شاہ غازی کے عہد میں دہلی تشریف لے گئے تو گڑھی ہرسرو کے مقام پر پہنچے جو دھول کوٹ کے قریب ہے تو خدم وحشم کو چھوڑ کر

ہوادار کی سواری میں ڈھول کوٹ پہنچ گئے اور ایک شب قیام فرمایا۔ ڈھول کوٹ آنے سے قبل دیوان صاحب نے میر فضل علی کو طلب فرمایا تھا اور ان کی معیت میں ڈھول کوٹ تشریف لائے تھے اہل موضع دیوان صاحب کے ساتھ بہت تواضع اور اخلاص کے ساتھ پیش آئے۔ دیوان صاحب نے پھر دونوں صاحبزادوں کو اجمیر شریف چلنے کی ترغیب دی لیکن اُس زمانے میں اہل ڈھول کوٹ ان صاحبان سے قوی اعتقاد رکھتے تھے اور ان کی زیارت کو سعادت عظیم تصور کرتے تھے اور ان کے فرمان کو حرفِ آخر جانتے تھے۔ ان وجوہ پر نظر کر کے صاحبزادگان اجمیر شریف جانے پر راضی نہیں ہوئے۔ میر مسیح اللہ کے وصال کے بعد میر فضلِ علی صاحب ان کے سجادہ کے وارث ہوئے اور وہ تقویٰ اور صلاح سے آراستہ تھے اور ہمیشہ اذکار و اشغال میں مصروف رہتے۔ اخلاق حسنہ اور عاداتِ رضیہ کے مالک تھے اور عنفوانِ شباب کہ وہ رندی اور بے قیدی کا زمانہ ہوتا ہے پابند طریقۂ مشائخ تھے اور دنیا اور اہل دنیا سے اختلاط بہت کم رکھتے تھے، مذہبی مشاغل کے سبب عوام سے زیادہ ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان سے بہت سی کرامات کا مشاہدہ ہوا ہے ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک روز کسی کام سے گاؤں میں جا رہے تھے عزیزوں میں ایک صاحب ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش نہیں آئے اس کے باوجود میر فضل علی نے انہیں گھوڑے پر سوار کر دیا۔ گھوڑا چند قدم چلا تھا کہ بلا سبب بدک گیا اور ان صاحب کو زمین پر گرا دیا کہ ان کا سیدھا ہاتھ تکلیف سے بے کار ہو گیا۔ ہر چند علاج کرتے رہے لیکن فائدہ نہیں ہوا یہاں تک کہ ایک روز جدِ بزرگوار خواجہ معین الدین چشتیؒ کو اور میر مسیح اللہ کو خواب میں دیکھا۔ میر مسیح اللہ فرما رہے تھے کیوں مشقت اٹھاتے ہو تمہارا ہاتھ ٹھیک نہیں ہوگا۔ جتنا بھی ٹھیک ہو گیا ہے۔ غنیمت جانو اور اپنی غلطی پر نادم رہو۔ چنانچہ جب بیدار ہوئے تو یہ جان لیا کہ ہاتھ درست نہیں ہوگا۔

دوسرا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک شخص مولوی جام جو مولانا ضیاء الدین صاحب کے مرید اور شاگرد تھے۔ ان کا ظاہری حال درویشانہ تھا اور کلمات جذب ان کی زبان پر رہتے تھے۔ موضع دھول کوٹ میں وارد ہوئے اور وہاں دو سال قیام کیا۔ ان کی عادت تھی کہ نماز فجر کے بعد میر فضلِ علی شاہ اپنے اوراد سے فارغ ہو کر مکان میں تشریف رکھتے تھے تو مولانا جام ان کے ہاتھ چومتے تھے اور بارہا کہتے جاتے کہ آؤ اے میرے خواجہ کی زیارت میں تمہاری زیارت کو خواجۂ بزرگ کی زیارت جانتا ہوں۔

ایک مجذوب فقیر جو برہنہ رہتے تھے غلام علی شاہ صاحب کے تکیہ کے قریب جو متصلِ موضع تھا۔ برگد کے درخت کے نیچے آ کر رہتے اور مجذوبانہ باتیں کرتے تھے۔ موضع کے لوگ کہتے تھے کہ تم موضع کے لوگوں سے شرم نہیں کرتے۔ مجذوب کہتے یہاں مرد کون ہے کہ میں اس سے حیاء کروں اسی اثناء میں میر فضلِ علی دور سے ظاہر ہوئے جب مجذوب نے ان کو قریب آتے دیکھا تو شور کرنا شروع کر دیا کہ مرد آ رہا ہے اور گدڑی تہبند کی جگہ لپیٹ لی اور میر فضلِ علی رحمتہ اللہ علیہ سے بہت دیر تک گفتگو کرتے رہے۔

رُوح اللہ خان نامی راجپوت جو میر مسیح اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے متوسلین میں سے تھے اپنے گھر کے صحن میں حقہ پی رہے تھے۔ ایک گائے کا بچہ جس کی زندگی مشکوک تھی زنِ غالب یہ کہ مردہ پڑا تھا۔ اتفاقاً میر فضلِ علی وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیوں پڑا ہے جواباً روح اللہ خان نے کہا چند روز سے بیمار تھا اب مر گیا۔ میر فضل علی نے کہا یہ زندہ ہے اس پر روح اللہ خان نے کہا اگر زندہ ہے تو آپ کی ملکیت ہے میر فضلِ علی نے اپنا ہاتھ اُس پر ملا تو اس نے لمبا سانس لیا اور کان ہلائے۔ جب خان موصوف نے یہ ماجرا دیکھا تو اس کو کھڑا کیا اور اس کو پانی اور چارہ دیا۔ بچہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا بیمار تھا ہی نہیں۔ چار سال کے بعد وہ بیچا گیا اور اس کی قیمت میر فضلِ علی کو پہنچا دی گئی۔

ایک بار ایسا ہوا کہ عرب سرائے اور مقبرہ ہمایوں کے درمیان ایک قدیم مسجد واقع تھی مسجد کے قریب ہی مزروعہ زمین تھی جو کہ ہندو زمینداروں نے اس کے مالک سے اجارہ پر لے رکھی تھی اور وہاں اپنے مویشی چراتے تھے۔ دھوپ کے وقت ان کے یہ مویشی مسجد میں سایہ دار جگہ پر آ کر بیٹھ جاتے تھے، عرب سرائے کے شرفاء بیشتر ملازمت کے سلسلہ میں باہر رہتے تھے اور وہاں چمار اور قصائی اس مسجد میں نماز پڑھتے تھے انہوں نے ہندوؤں کو ہر چند منع کیا کہ اپنے مویشی یہاں نہیں بٹھایا کرو لیکن وہ باز نہیں آئے۔ اتفاقاً ایک روز میر فضل علی عرب سرا گئے ہوئے تھے کہ اس معاملہ سے واقف ہو کر ہندوؤں کو منع کیا لیکن انہوں نے پروا نہیں کی۔ ایک مصیبت ان کے سر پر آ پڑی جب مقررہ وقت پر مویشی مسجد میں آئے اور سائے میں بیٹھ گئے۔ ان مویشیوں میں ایک گائے جو بیش قیمت اور خوبصورت تھی ایسی بیٹھی کہ ہر چند اٹھایا نہ اٹھی۔ ہندوؤں نے گماں کیا اس پر آسیب کا اثر ہو گیا ہے تمام رات اس کے سامنے دف بجاتے رہے اور منتر پڑھتے رہے الغرض علم سفلی کے ماہر آتے رہے اور اپنا عمل کرتے رہے لیکن وہ تو غضب الٰہی کے سبب باندھ دی گئی تھی چنانچہ اس کی بندش نہیں کھلی۔ تیسرے دن میر فضلِ علی اپنے احباب حافظ محمد بخشی اور الٰہی بخش کے ساتھ تھے انہوں نے فرمایا کہ اگر ہندو اپنی حرکت سے توبہ کر لیں تو گائے ٹھیک ہو جائے گی۔ جب ہندوؤں نے اقرار کر لیا کہ اس کے بعد مویشی مسجد میں نہیں جائیں گے اور بہت معذرت کی تو میر فضل علی رحمتہ اللہ علیہ نے گائے کے سامنے جا کر پانی پر دم کیا اور گائے پر چھڑکا۔ دعا بھی فرمائی جس کے بعد گائے فی الفور اٹھ گئی۔

ایک زمانے میں دھول کوٹ میں بخار کی وباء پھوٹ پڑی اور بہت سے لوگ مرنے لگے لوگوں نے میر فضلِ علی سے عرض کیا اس بارے میں کچھ سوچیں تا کہ اس بلا سے نجات ملے۔ میر فضل علی کو وہ درود شریف جو حضرت سید میر مسیح اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے پہنچا تھا

اس کا وظیفہ کیا اُسی شب خواب میں دیکھا کہ کثیر مخلوق آئی ہوئی ہے اور مرصع تخت پر حضور رسولِ کریم ﷺ اور صاحبزادگان حضرات کریمین سبز و سُرخ کرسی پر تشریف فرما ہیں اور ایک طرف سید مسیح اللہ رحمتہ اللہ علیہ کھڑے ہیں جب میر فضل علی نے اپنے والدِ بزرگوار کو دیکھا تو سلام عرض کیا والد بزرگوار نے انہیں اشارے سے بلایا جب سامنے پہنچے تو پہلے حضور رسول کریم صلوٰۃ اللہ علیہ کو اور حضراتِ حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سلام عرض کیا اور اپنے والد کی خدمت میں عرض کی کہ حضور رسول کریم ﷺ سے میری جانب سے عرض کیجیے کہ ہمارے قصبہ میں بخار کی وباء ظاہر ہوگئی ہے کیا تدبیر کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں ہوسکتا لیکن جب سید مسیح اللہ نے کئی بار عرض کیا تو تیسری مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دعا تعلیم فرمائی کہ اس کو لکھ کر گلے میں باندھ لیں اور دھو کر پلائیں۔ میر فضلِ علی نے دعا اُسی وقت یاد کر لی۔ صبح اپنے اوپر اور اہل قصبہ پر وہی عمل کیا جس مریض کو بھی دیا گیا اس نے صحت پائی گویا مرض اُس دن سے ناپید ہوگیا۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ فخرِ دو عالم نبی اکرم ﷺ کی زیارت کرے تو چاہیے کہ یہ "**اللّٰھُمَّ صل علیٰ محمدً و آلِ محمدٍ بعَدَ دِ کُل وَقتِ وحِین**" مذکورہ درود شریف کا ورد گیارہ گیارہ بار کرے۔ اُسے انشاء اللہ اُسی شب، دوسری شب ورنہ بضرور تیسری شب زیارت نصیب ہوگی۔

سید میر فضلِ علی کا نکاح عرب سرائے میں جو دہلی کہنہ کے محلّہ میں ہے اور اب تک حضرت محبوب الٰہی نظام الملتہ والدین نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ اور مقبرہ ہمایوں کے درمیان واقع ہے۔ سید عبدالقادر جو "خورد" کے لقب سے ملقب ہیں ان کے ہاں منعقد ہوا اور چار فرزند پیدا ہوئے۔ بڑے صاحبزادے سید کرامت علی دوسرے سید حسین تیسرے سید نور الدین اور چوتھے سید عبدالغفور تھے۔ چاروں صاحب مروت ولحاظ اور زیور

صلاح وتقویٰ سے آراستہ تھے۔ سید حُسین کا نکاح عرب سرائے میں سید عبداللہ کے ہاں ہوا اوران کے ایک صاحبزادے سید باقر علی ہوئے۔ سید نورالدین لاولد رہے۔ سید عبدالغفور کے ایک فرزند اور تین بیٹیاں تھیں میر سید کرامت علی کا نکاح بمقام دہلی محلّہ فراش خانہ میں پیرزادہ سید بدرالدین صاحب کی دختر سے منعقد ہوااور ایک فرزند یعنی میر خورسند علی رحمتہ اللہ علیہ اور دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ سید فضل علی شاہ کے وصال کے بعد سید کرامت علی شاہ اُن کے وارثِ سجادہ ہوئے۔ آپ کی بڑی صاحبزادی کا میر غلام علی سے جو پیرزادگانِ اجمیر سے تھے نکاح ہوا۔ اور چھوٹے صاحبزادہ سید باقر علی پسر سید حسین ابن سید فضلِ علی شاہ سے منسوب ہیں اور سید خورسند علی رحمتہ اللہ علیہ کا نکاح محلّہ فراش خانہ دہلی میں حافظ محمد عمر صاحب کے گھر ہوا جو معززین اور شرفاء دہلی سے تھے۔ ان کے چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادوں کے اسماء سید آل محمد۔ سید آلِ رسول۔ سید آلِ احمد اور سید آلِ نبی تھے۔

میر سید خورسند علی کی دوسری صاحبزادی کا نکاح دہلی کے معزز خاندان سادات میں سید حمیدالدین صاحب سے ہوا جو محلّہ چتلی قبر میں رہتے تھے اور محکمہ پی ڈبلیوڈی میں ملازم تھے ان کے بطن سے ایک صاحبزادے سید غلام معین الدین اور دو صاحبزادیاں متولد ہوئیں۔

میر خورسند علی رحمتہ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے سید آلِ محمد مجذوب صفت تھے اور لاولد بھی رہے ۱۹۴۷ء میں وصال ہوا۔ ملتان میں مدفون ہیں۔ سید خورسند علیؒ کے دوسرے بیٹے سید آلِ رسولؒ ' آستانۂ عالیہ سلطان الہند غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے ازروئے ارث سجادہ نشین ہوئے۔ کتاب ھٰذا کے ممدوحین خصوصی میں شامل ہیں اس لئے حضرت دیوان صاحب موصوف اور ان کی اولاد کا تفصیلی ذکر آخر میں کیا جائے گا۔ میر خورسند علی کے تیسرے صاحبزادے سید آلِ احمد کا نکاح دیوان سید آلِ رسول علیخاں کے چھوٹے ماموں حافظ سید مشرف حسین مرحوم کی بڑی صاحبزادی سے ہوا ان کے دو صاحبزادے سید آلِ عبا پیرزادہ اور سید آلِ ابطحی پیرزادہ اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔

سید آلِ نبی پیرزادہ کا نکاح سید شرف حسین صاحب (ذکر اوپر آچکا ہے) میر صاحب
کے تیسرے صاحبزادے کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا۔ ان کے دو صاحبزادے سید آلِ
مزمل پیرزادہ اور سید آلِ محبوب پیرزادہ اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ اب صرف چھوٹی
صاحبزادی بفضل خدا بقید حیات ہیں۔ آپ دیوان سید آلِ رسول علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے
سب سے چھوٹے صاحبزادے سید آلِ سیدی پیرزادہ کی اہلیہ ہیں۔

حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت' والدین' تعلیم و تربیت اور منصبِ سجادگی

حضور سرکار عالی وقار دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین سلطان الہند غریب نواز اجمیری ۱۸۹۳ء میں موضع دھول کوٹ میں میر سید خورسند علی رحمتہ اللہ علیہ کے گھر متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے شفیق والدین کے زیر تربیت حاصل کی۔ آپ کے والد محترم نہایت عابد' زاہد اور متواضع طبیعت کے انسان تھے۔ عربی فارسی زبان پر عبور حاصل تھا۔ حضرت خواجہ صاحب کی اولاد نیز اپنے اسلاف کا شجرہ کے طرز پر تحریر کردہ فارسی زبان میں ایک قلمی نسخہ آپ کی یادگار رہے۔ اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات کے حصول میں اس نسخہ سے بھرپور مدد ملی ہے۔ آپ ایک حاذق طبیب تھے۔ آپ کی بزرگی اور عظمت خاندانی کے سبب مریض آپ سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ ایک بار آپ نے ایک مریض کو نسخہ لکھ کر دیا۔ اس نے نسخہ کے مطابق دوائیں استعمال کرنے کے بجائے اس نسخہ کو پانی میں جوش دے کر پی لیا۔ دوسرے دن واپس آیا کہ حضرت مجھے کافی فائدہ ہوا ہے ایک نسخہ اور لکھ دیں آپ معاملہ کو سمجھ چکے تھے لہٰذا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلا نسخہ کہاں گیا؟ بلکہ اس کی خواہش کے مطابق دوسرا نسخہ لکھ کر عنایت فرمادیا' ساتھ ہی اس مریض کے حق میں اللہ تعالیٰ سے اس کی شفایابی کی دعا کی۔ حضرت دیوان صاحب قبلہ نے حضور غریب نواز اجمیریؒ کے احوال و افکار کا ایک عاشق صادق کی نگاہ سے مطالعہ کیا تھا چنانچہ اکثر مواقع پر حضرت خواجہ بزرگ کے ملفوظات عالیہ کا ذکر آپ کے لبوں پر آجاتا تھا۔ خواجہ معین الدین چشتی نے ایک مجلس میں والدین

کی عظمت و شان میں فرمایا کہ اپنے والدین کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ ان کو محبت سے دیکھا جائے تو دیکھنے والے کے نامہ اعمال میں ایک حج مبرور کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت دیوان صاحبؒ اکثر خواجہ صاحب کی بیان کردہ اس حکایت کو بھی بطور نصیحت بیان فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ بلند مرتبہ کیسے نصیب ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں نصف شب کے وقت میری والدہ محترمہ نے مجھ سے پینے کے لئے پانی طلب کیا۔ میں پیالہ بھر کر جب والدہ کی خدمت میں پہنچا تو اس وقت ان کی آنکھ لگ گئی۔ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ ان کو جگا کر پانی پیش کروں چنانچہ اسی طرح پیالہ ہاتھ میں لے کر خاموشی کے ساتھ اس انتظار میں ان کے سرہانے کھڑا رہا کہ جب آنکھ کھلے گی تو پانی پیش کر دوں گا۔ رات کے آخری حصہ میں والدہ محترمہ کی آنکھ کھلی تو میں پانی لیے کھڑا نظر آیا۔ سردی کے سبب میرا ہاتھ پیالے سے چپکا ہوا تھا۔ والدہ نے شفقت میں میرا سر بغل میں لے کر سینے سے لگا کر بوسہ لیا اور فرمایا! میرے بیٹے تو نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ پھر بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ اللہ بزرگ و برتر جو ستر ماؤں سے زیادہ شفیق ہے، اس نے میری ماں کی دعا قبول فرمائی اور یہ سب مرتبہ مجھے اپنی ماں کی دعا کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

دیوان صاحبؒ بزرگان دین متین بالخصوص اولیائے چشت اہل بہشت کا ذکر بہت ہی محبت و عقیدت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ شیخ الشیوخ حضرت فرید الدین مسعود بابا فرید گنج شکرؒ کا وہ واقعہ بھی ان خوش نصیب کانوں نے حضرت کی زبانِ شیریں مقال سے کئی بار سنا کہ ایک دن جناب حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدین

حسن سنجریؒ اور حضرت قطب المشائخ حضرت قطب الدین بختیار کا کیؒ اور بابا فریدؒ ایک حجرہ میں موجود تھے۔ اثنائے گفتگو شیخ معین الدین حسن نے خواجہ قطب الدین سے فرمایا کہ بختیار! تو اس جوان کو کب تک مجاہدہ کی آگ میں جلائے گا۔ جو کچھ بخشش وعطا کرنی ہے کر دے شیخ نے عرض کی مجھے یہ مجال کہاں کہ اپنے شیخ کی نظر مبارک کے سامنے کچھ بخشش کروں۔ شیخ معین الدین اجمیری نے فرمایا کہ اس کی توجہ صرف تیری طالب ہے۔ یہ کہہ کر خواجہ بزرگؒ کھڑے ہو گئے اور فرمایا بختیار! تم بھی کھڑے ہو جاؤ تا کہ ہم دونوں بخشش کریں۔ چنانچہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ ان عظیم ہستیوں کی مہربانی سے بابا صاحبؒ کو کیا کیا فیض حاصل ہوا ہوگا۔

حضرت قبلہ کی والدہ ماجدہ ایک عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔ خدا ترسی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں کئی کئی مسکین، مجبور اور یتیم افراد پرورش پاتے تھے۔ آپ ان سے بالکل اپنی اولاد کی طرح برتاؤ کرتیں یہاں تک کہ ان کے شادی بیاہ کے اخراجات بھی خود اٹھاتی تھیں۔ انتہائی منتظم مزاج کی مالکہ تھیں فارسی اردو کے بے شمار اشعار اور مناجات ازبر تھیں۔ اولاد کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں بہت محنت فرماتی تھیں۔ گھر میں کسی کی بیماری اور تکلیف دیکھتیں تو بے چین ہو جاتی تھیں یہاں تک کہ تیمارداری میں راتیں جاگتے ہوئے کاٹ دیتی تھیں۔

حساس، درویش صفت، نیک نفس، خدمت شعار اور ایثار پسند والدین کی تربیت اور صحبت نے حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاںؒ کے مزاج میں بھی یہی اوصاف شامل کر دیئے تھے۔

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو والدہ ماجدہ سے جو دلی محبت اور عقیدت تھی، اس کی ایک جھلک ان اشعار میں واضح ہے۔ ایک ہی مضمون

مختلف قطعات کی صورت بیان ہو رہا ہے لیکن طبیعت ہے کہ سیر نہیں ہوتی۔

بوقت نزع جاری شد ندائے یا رسول اللہ
نہ خالی گشت حقا آں صدائے یا رسول اللہ
خو د آغوش کرم واکردہ آمد رحمت عالم
شد اکسیر شفاعت بس دعائے یا رسول اللہ

بوقت نزع جاری تھی ندائے یا رسول اللہ
نہیں خالی گئی ہرگز صدائے یا رسول اللہ
خود آغوش کرم کھولے ہوئے تشریف لے آئے
ہے اکسیر شفاعت بس دعائے یا رسول اللہ

جان دینے کی یہ تدبیر بہت اچھی تھی
اور شفاعت کی یہ تعبیر بہت اچھی تھی
شافع امتِ عاصی کو پکارا تم نے
اماں ' جی آپ کی تقدیر بہت اچھی تھی

ذکر احمد ہے عین ذکر الہٰ
آپ کی ذات دو جہاں کی پناہ
نکلا جب منہ سے یا رسول اللہ
ہو گئی تم پہ ان کی لطف و نگاہ

کلیدِ سعادت ہے نام محمدؐ
سراسر شفاعت ہے کام محمدؐ
پکارا دم نزع جب تم نے ان کو
تو لے آیا ہاتف پیامِ محمدؐ

فاطمہ خُو و رابعہ طینت
ہو گئیں آپ خُلد کی زینت
جب کہا تم نے یا رسول اللہ
تھی یہی گویا خُلد کی قیمت

آپ کی شخصیت پر حضرت کے ماموں صاحبان کی نیک نفسی، علمیت اور پرہیز گاری کا بھی گہرا اثر تھا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگار آپ کے وصال کا ذکر کرتے ہوئے یہ واقعہ اہتمام سے بیان کرتے ہیں کہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ\۱۹۲۱ء میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے۔ اُن کی آمد کی خبر پا کر اُن سے ملاقات کی، بڑی شان وشوکت کے بزرگ تھے۔ طبیعت میں بڑا ہی استغناء تھا، مسلمان جس طرح عربوں کی خدمت کیا کرتے تھے، ان کی بھی خدمت کرنا چاہتے تھے، نذرانہ پیش کرتے تھے مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ بفضلہٖ تعالیٰ میں فارغ البال ہوں، مجھے ضرورت نہیں، ان کے اس استغناء اور طویل سفر سے تعجب ہوا، عرض کیا حضرت یہاں تشریف لانے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا، مقصد تو بڑا ازریں تھا لیکن حاصل نہ ہوا جس کا افسوس ہے، پھر اُن بزرگ نے اپنے دہلی تشریف لانے کے واقعہ کی تفصیل اس طرح فرمائی:

''واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی۔ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاضرِ دربار ہیں، لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے، قرینے سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا فداک ابی وامّی! کِس کا انتظار ہے؟ ارشاد فرمایا'' احمد رضا کا انتظار ہے'' میں نے عرض کیا '' احمد رضا کون ہیں؟'' فرمایا ''ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں'' بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی، معلوم ہوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا۔ میں ہندوستان آیا بریلی پہنچا، معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہوگیا اور وہی ۲۵ صفر ان کی تاریخ وصال تھی۔ میں نے طویل سفر صرف ان کی ملاقات کے لئے ہی کیا لیکن افسوس کہ ملاقات نہ ہو سکی۔ اس واقعہ کا اعتبار جس تفصیل سے قائم ہوتا ہے بعض اہل قلم شاید اس کی اہمیت کو نہ سمجھتے ہوئے یا تساہل سے کام لیتے ہوئے وہ واقعہ مذکورہ کا مآخذ بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتے چنانچہ اعلیٰ حضرت کے وصال کا ذکر کرتے ہوئے بات یوں شروع کرتے ہیں ''ایک شامی بزرگ بیان کرتے ہیں'' حالانکہ حسنِ عقیدت کے طور پر بہت لوگ اپنے ممدوحین کے لئے اس نوع کے خواب بیان کرتے رہتے ہیں لیکن یقین اُس روایت پر کیا جاتا ہے جس کا راوی قابل اعتبار ہو۔ واضح ہو کہ شامی بزرگ کا یہ واقعہ سجادہ نشین دیوان سید آلِ رسول علیخاںؒ کے ماموں علیہ الرحمہ کا بیان کردہ ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کے نامور محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے لہٰذا انہوں نے ''شامی بزرگ'' کے اس واقعہ کو مع ضروری ابتدائیہ کے کچھ اس طرح نقل کیا ہے۔

پروفیسر موصوف تالیف ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' میں رقمطراز ہیں۔

''مولانا عبدالعزیز محدث مراد آبادی (آستانہ دارالعلوم اشرفیہ اعظم گڑھ)

درگاہ اجمیر شریف کے سجادہ نشین دیوان سید آلِ رسول علیخاں صاحب کے عم محترم علیہ الرحمہ (جوایک بلند پایہ بزرگ تھے) کی زبانی ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں جس سے فاضل بریلوی کی ساعتِ وصال کی حقیقی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے' راوی معتبر ہے اور بات خواب کی ہے اس لئے تنگ دلی یا تعصب سے اس کا جھٹلانا' نامناسب اور غیر معقول ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت قلبی سے نوازا ہے وہ اس واقعہ سے ضرور روشنی حاصل کریں گے۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے والدِ بزرگوار اکلوتے تھے چنانچہ یہ وضاحت کرتا چلوں کہ اس واقعہ کے راوی حضرت دیوان صاحب کے ماموں سید مشرف حسین مرحوم تھے۔ آپ کو اولیاء اللہ سے دلی محبت تھی اور نسبت شناسی تو گویا درجۂ کمال تک تھی۔

حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم والدِ بزرگوار سے حاصل کی۔ اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک جید عالمِ دین مولانا عبدالمجید مرحوم و مغفور سے بھی علمی اکتساب کیا۔ عربی فارسی اور اردو میں اچھی دسترس تھی بلکہ اردو اور فارسی میں تو شاعری بھی کرتے رہے ہیں۔ نمونۂ کلام شامل تحریر ہے۔ گفتگو اور تحریر انتہائی موثر اور مربوط ہونے کے ساتھ ساتھ مدلل ہوا کرتی تھی۔ دینی اور مذہبی تعلیم کے حصول کے ساتھ انگریزی زبان میں بھی اچھی تحریر فرمالیا کرتے تھے۔ لیکن اس زبان سے دلی شغف کبھی ظاہر نہیں کیا۔

حضرت کا بچپن اور جوانی بزرگوں اور نیک نفس لوگوں کی صحبت میں گزرا۔ طبعیت کا میلان اولیاء اللہ بالخصوص خواجۂ بزرگ کی محبت سے مملو تھا چنانچہ ابتداء ہی سے نماز روزہ کی پابندی اور وظائف بھی آپ کے معمول میں شامل رہے۔ حضرت وضو فرماتے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال اس اہتمام سے فرمایا کرتے تھے ایک ہاتھ کو باہر کی

طرف نکال کر دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے خلال کرنا وضو میں بہت نمایاں نظر آتا تھا۔ حضرت کی حیاتِ مبارکہ میں اس انداز اور اہتمام کو دیکھ کر ایک نوع کی حیرت ہوتی تھی لیکن جب دلیل العارفین کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ والا شان بھی وضو میں خلال کی سنت پر بہت اہتمام اور تاکید کے ساتھ عمل فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح ہر عضو کو اہتمام کے ساتھ تین بار دھونا بھی نبیٔ پاک صاحبِ لولاک ﷺ کی وہ سنت ہے جسے خواجہ صاحب نے اپنے ملفوظات عالیہ میں شامل رکھا اور حضرت دیوان صاحبؒ کو بھی ہمیشہ اس سنت پر عامل پایا۔ قرآنِ پاک کی تلاوت اور تفسیر کا مطالعہ روز کے معمولات کا حصہ تھا اس کے علاوہ اولیائے چشت کے سوانح اور ملفوظات بھی بہت دلچسپی سے پڑھتے اور جستہ جستہ نصیحت آموز واقعات سنایا بھی کرتے تھے۔ زندگی کے تلخ و شیریں حالات و واقعات انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہوتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اچھے حالات میں انسان خدا اور فرمانِ خدا کو فراموش کر بیٹھتا ہے یا اس کے برعکس حالات میں انسان اپنی قسمت کو کوسنے لگتا ہے گویا اللہ تعالیٰ سے شاکی نظر آتا ہے۔ مگر کامیاب انسان وہی ہے جس کے قول و فعل میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اس طرح نظر آئیں کہ یہ طرزِ عمل اس کی فطرت کا حصہ ہے۔ یہ خصوصیت انسان میں اسی وقت جلوہ گر ہوتی ہے جب بچپن ہی سے اسے اچھے بُرے کی تمیز اس طرح واضح طور پر سمجھا دی جاتی ہے کہ وہ غیر محسوس طور پر وہی کرتا ہے کہ جو رضائے الٰہی اور منشائے رسول ﷺ ہو۔

حضرت دیوان صاحبؒ نے مہاجرت سمیت زندگی کے کٹھن حالات بحیثیت سربراہِ خاندان بارہا دیکھے لیکن کبھی کسی شخص نے آپ کے منہ سے تقدیر کی شکایت سنی' نہ ہی سجادگیٔ اجمیر شریف جیسے شاہانہ منصب کے حصول کے باعث آپ کی طبیعت میں کسی بڑائی' تکبر اور نمود و نمائش کی جھلک دیکھی۔ حضرت قبلہ کو یقین کامل تھا کہ خواجہ غریب نوازؒ اللہ تعالیٰ

کے مقبول اور انعام یافتہ اولیائے کرام میں نمایاں مقام پر فائز ہیں۔ لہٰذا اپنے مریدین اور متعلقین کو ہمیشہ خواجہ صاحبؒ کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں رہنمائی فرماتے۔ اگر کوئی قرض خواہ حاضر خدمت ہو کر اپنی پریشانی بیان کرتا تو آپ اپنے وسائل سے اس کی حاجت پوری فرمانے کی سعی کرتے نیز قرض کی لعنت سے نجات کے لیے خواجہ صاحب کے بیان کردہ نسخہ قرآنی کو اس یقین سے تعلیم فرماتے گویا پریشانی کا دور ہونا عین منشائے ربی قرار پائے گا۔ آپ حاجت مند سے فرماتے کہ ہر نماز کے بعد اول آخر درود شریف کے بعد **قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (٢٦) تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَاب** (آل عمران: ۲۶۔۲۷) تک آیاتِ مبارکہ پڑھیں تو پردہ غیب سے قرض کی ادائیگی کا سبب پیدا ہو جائے گا۔

اسی طرح چیچک اور وبائی امراض سے محفوظ رہنے کے لیے خواجہ صاحبؒ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق سورۃ رحمٰن کا گنڈا اس طرح تجویز فرماتے کہ ہر بار **فبای آلا ربکما تکذبان** پر ایک نیلے دھاگے پر گرہ لگاتے جائیں جب سورۃ الرحمٰن پوری ہو جائے تو یہ دھاگہ مریض کے گلے میں ڈالیں تو شفا ہوگی اور احتیاطی تدبیر کے طور پر ڈالیں تو وبائی مرض سے محفوظ رہیں گے۔ انشاءاللہ العزیز۔

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد مع شجرہ

دیوان سید آل رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ: ان کا نکاح سید سعید الدین صاحب، جو معزز سادات دہلی میں سے ہیں دہلی کے مشہور محلہ چتلی قبر میں سکونت پذیر تھے۔ ان کی یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیوں سے ہوا۔ دیوان صاحب کے چار صاحبزادے دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں، سید آلِ حامد پیرزادہ، سید آلِ طٰہٰ پیرزادہ اور سید آلِ سیدی پیرزادہ اور ایک صاحبزادی تھیں۔ دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں کیونکہ دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے جانشین اور آستانہ عالیہ سلطان الہند معین الدین حسن سنجری اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے سجادہ نشین ہوئے اس لئے ان کا اور ان کی اولاد کا ذکر آخر میں نسبتاً تفصیل سے کیا جائے گا۔

دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے سید آل حامد پیرزادہ کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔ بڑے صاحبزادے سید آلِ اطہر طویل علالت کے بعد عالم جوانی میں انتقال کر گئے دوسرے صاحبزادے سید آلِ مطہر پیرزادہ ہیں جن کا نکاح ان کے ماموں سید غلام معین الدین مرحوم کی چوتھی صاحبزادی سے ہوا۔ تیسرے بیٹے راقم الحروف پیرزادہ سید آلِ اظہر آنس کا نکاح دیوان صاحب قبلہ سیّد آل مجتبےٰ علیخاںؒ کی دوسری صاحبزادی سے ہوا۔ چوتھے صاحبزادے سید آلِ منیر پیرزادہ کا نکاح بھی آپؒ ہی کی تیسری صاحبزادی سے ہوا۔ پانچویں صاحبزادے سید آلِ ظاہر پیرزادہ کا نکاح غلام معین الدین مرحوم کی ہی پانچویں صاحبزادی سے ہوا اور چھٹے صاحبزادے سید آلِ ہاشم پیرزادہ کا نکاح سید آلِ مجتبیٰ علیخاںؒ کی چوتھی صاحبزادی سے ہوا۔ سید آلِ حامد پیرزادہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے سید آلِ طاہر پیرزادہ کا نکاح بھی سید غلام معین الدین مرحوم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سے ہوا ہے۔

اس طرح یہ دلچسپ حقیقت سامنے آئی کہ سید آلِ حامد پیرزادہ کے چھ صاحبزادوں میں تین کا نکاح چچازادیوں میں ہوااور تین کا نکاح ماموں زادیوں میں منعقد ہوا ہے۔ سید آلِ حامد پیرزادہ کی بڑی صاحبزادی کا نکاح دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاںؒ کی ماموں زاد بہن کے صاحبزادے سید عرفان احمد سے ہوا ہے۔ دوسری صاحبزادی طویل عرصہ بیمار رہیں ۲۸ اگست ۱۹۹۹ء کو دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ پشاور میں مدفون ہیں۔ جبکہ آپ کی چھوٹی صاحبزادی کا نکاح دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاںؒ کے صاحبزادے سید آلِ حسیب پیرزادہ سے ہوا ہے۔

حضرت دیوان آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے تیسرے صاحبزادہ سید آلِ طٰہٰ پیرزادہ کا نکاح پشاور کے ایک معزز گیلانی خاندان سید حسن بادشاہ کی اولاد جناب سید سعید جان گیلانی کی دختر سے ہوا۔ آپ کے دو صاحبزادے سید آلِ آمر پیرزادہ اور سید آلِ ناصر پیرزادہ ہیں اور ایک صاحبزادی ہیں جن کا نکاح اسی گیلانی خاندان کے سید منیر سکندر ولد سید چاند بادشاہ مرحوم سے ہوا ہے۔

قبلہ دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے سید آلِ سیدی پیرزادہ کا نکاح دیوان صاحب رحمتہ اللہ کے چھوٹے بھائی سید آل نبی مرحوم کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا ان کے دو صاحبزادے سید آلِ شاہد پیرزادہ اور سید آلِ مشہود پیرزادہ ہیں ایک صاحبزادی تھیں عالم جوانی میں انتقال کر گئیں۔ پشاور میں مدفون ہیں سید آلِ سیدی پیرزادہ کے صاحبزادے سید آلِ شاہد پیرزادہ کا نکاح علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کی دختر سے ہوا ہے۔ جن کا چند سال قبل انتقال ہو گیا، گلشنِ سلطان الہندؒ اجمیری میں تدفین ہوئی۔

سیّد آلِ شاہد پیرزادہ کی ایک بیٹی اور بیٹا سیّد آلِ ذی عز پیرزادہ ہیں۔ ماشاءاللہ دونوں کمسنی میں ہی بہت اچھی نعت خوانی کرتے ہیں۔ جبکہ سیّد آلِ مشہود پیرزادہ کا نکاح حضرت دیوان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی حکیم سیّد آلِ احمد مرحوم کی پوتی سیّد آلِ ابطحی پیرزادہ کی صاحبزادی سے کراچی میں ہوا۔ ان کی دو صاحبزادیاں اور ایک بیٹا ہے، جس کا نام سیّد آلِ مبر پیرزادہ رکھا گیا ہے۔

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی صاحبزادی صاحبہ کا نکاح حضرت کے چھوٹے بھائی سید آلِ نبی مرحوم کے صاحبزادے پروفیسر سید آلِ محبوب پیرزادہ سے ہوا۔ ان کے ایک صاحبزادے اور ایک دختر ہے۔ صاحبزادے سید علی رضا پیرزادہ کا نکاح معروف سادات خاندان میں سید ذکاءالدین مرحوم کی صاحبزادی سے ہوا ہے۔ ماشاءاللہ ان کے تین بچے ہیں صاحبزادوں کے نام سیّد شجاع علی اور سیّد مبشر علی ہیں۔

شجرہ

اولادِ

حضرت قبلہ دیوان

سید آلِ رسول علیخاں رحمۃ اللہ علیہ

حضرت
دیوان سید آلِ رسول علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین اجمیر شریف
حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمۃ اللہ علیہ
پیرزادہ سید آلِ حامد معینی (مرحوم)
پیرزادہ سید آلِ طٰہٰ معینی (مرحوم)
پیرزادہ سید آلِ سیدی معینی
دخترِ مرحومہ دیوان صاحب (زوجہ سید آلِ محبوب رحمۃ اللہ علیہ)
دختر (زوجہ عادل انور شاہ)
دیوان سید آلِ حبیب علیخاں مدظلہ العالی
موجودہ دیوان صاحب
دختر (زوجہ پیرزادہ ڈاکٹر سید آلِ اطہر آسی معینی)
پیرزادہ سید آلِ حسیب معینی
پیرزادہ سید آلِ منیب معینی
پیرزادہ سید آلِ نجیب معینی
دختر زوجہ پیرزادہ سید آلِ منیر معینی
دختر زوجہ پیرزادہ سید آلِ ہاشم معینی
دختر زوجہ سید فضلِ حسن
دختر زوجہ سید حمایت کریم بخاری
پیرزادہ سید آلِ جواد معینی
پیرزادہ سید آلِ مجیب معینی

دختر (زوجہ عادل انور شاہ)
سید خلیق احمد شاہ
دختر (زوجہ سید اسد کبیر)
سید عتیق عادل شاہ
سید عثمان بن اسد
سید عمر بن اسد
دختر
دختر
سید محمد رافع شاہ
سید ہشام احمد شاہ
سید اویس احمد شاہ

دیوان سید آلِ حبیب علی خاں سجادہ نشین اجمیر شریف
(موجودہ دیوان صاحب)
دختر (زوجہ سید عتیق عادل شاہ
ولی عہد سید آل وجیہہ معینی
دختر (زوجہ پیرزادہ سید آل صفی معینی
پیرزادہ سید آل فصیح معینی
پیرزادہ سید آل حماد معینی
دختر
سید اویس احمد شاہ
سید ہشام احمد شاہ
سید محمد رافع شاہ
دختر
دختر (زوجہ پیرزادہ ڈاکٹر سید آلِ اظہر آنس معینی)
پیرزادہ سید آل صفی معینی
دختر (زوجہ ولی عہد سید آل وجیہہ معینی)
دختر
پیرزادہ سید آل حسیب معینی
پیرزادہ سید آلِ عائذ معینی
دختر
پیرزادہ سید آلِ نائذ معینی
پیرزادہ سید آلِ باسط معینی

پیرزادہ سید آلِ منیب معینی
پیرزادہ سید آلِ عانی معینی
پیرزادہ سید آلِ ھی معینی
پیرزادہ سید آلِ نجیب معینی
دختر
دختر
پیرزادہ سید آلِ محمد اجود علی معینی
پیرزادہ سید آل محمد اشجاع علی معینی
دختر
دختر
دختر (زوجہ پیرزادہ آلِ منیر معینی)
دختر
پیرزادہ سید آلِ نجی معینی
دختر
دختر (زوجہ پیرزادہ سید آلِ ہاشم معینی)
پیرزادہ سید آلِ شہیر معینی
دختر
پیرزادہ سید آلِ کاشف معینی
دختر
دختر (زوجہ سید فضلِ حسن)
سید فضلِ تہامی
سید فضلِ معز
دختر

دختر (زوجہ سید حمایت کریم بخاری)
دختر
سید اُسید کریم بخاری
پیرزادہ سید آلِ جواد معینی
پیرزادہ سید آلِ محمد عمار معینی
دختر
پیرزادہ سید آلِ مجیب معینی
پیرزادہ سید آلِ مصطفیٰ علی معینی

پیرزادہ سید آلِ حامد معینی (مرحوم)
پیرزادہ سید
آلِ اطہر معینی
(مرحوم)
دختر
(زوجہ سید عرفان احمد)
پیرزادہ سید
آلِ مطہر معینی
پیرزادہ ڈاکٹر سید
آلِ اظہر آنس معینی
پیرزادہ سید
آلِ منیر معینی
پیرزادہ سید
آلِ ظاہر معینی
دختر
(مرحومہ)
پیرزادہ سید
آلِ ہاشم معینی
پیرزادہ سید
آلِ طاہر معینی
دختر
(زوجہ پیرزادہ سید
آلِ حبیب معینی)

پیرزادہ ڈاکٹر سید آلِ اظہر آنس معینی
دختر
دختر (زوجہ ولی عہد سید آلِ وجیہہ معینی)
پیرزادہ سید آلِ صفی معینی
پیرزادہ سید آلِ منیر معینی
دختر
پیرزادہ سید آلِ نجی معینی
دختر
پیرزادہ آلِ ظاہر معینی
دختر
پیرزادہ سید آلِ صبیح معینی
دختر (زوجہ سید رضوان الحق)
سید فرزان الحق
پیرزادہ سید آلِ ہاشم معینی
دختر
پیرزادہ سید آلِ کاشف معینی
دختر
پیرزادہ سید آلِ شہیر معینی
پیرزادہ سید آلِ طاہر معینی
پیرزادہ سید آلِ ملہم معینی
پیرزادہ سید آلِ منجی معینی
پیرزادہ سید آلِ مہد معینی

دختر (زوجہ سید عرفان احمد شاہ)
دختر (زوجہ سید کامران احمد شاہ)
سید فرحان احمد شاہ
سید سلیمان احمد شاہ
دختر
دختر (زوجہ سید احمد ضیاء شاہ)
دختر (زوجہ سید خالد حمید شاہ)
سید حسان احمد شاہ
سید عفان احمد شاہ
سید عمر احمد شاہ
دختر
سید ارحم احمد
دختر
سید تہامی احمد شاہ
دختر
سید معز
دختر
سید حسیب شاہ
پیرزادہ سید آل مطہر معینی
دختر
دختر
دختر (زوجہ سید عمران الحق)
پیرزادہ سید آل متین معینی
پیرزادہ سید آل طیب معینی
دختر
سید نور الحق

زوجہ پیرزادہ سید آلِ حسیب معینی
پیرزادہ سید آلِ عائز معینی
دختر
پیرزادہ سید آلِ ناہز معینی
پیرزادہ سید آل باسط معینی
پیرزادہ سید آلِ طٰہٰ معینی (مرحوم)
پیرزادہ سید آلِ آمر معینی
دختر (زوجہ سید منیر سکندر گیلانی)
پیرزادہ سید آلِ ناصر معینی
دختر
سید حیدر گیلانی
دختر
پیرزادہ سید آلِ سیدی معینی
پیرزادہ سید آلِ شاہد معینی
دختر مرحومہ
پیرزادہ سید آلِ مشہور معینی
دختر
پیرزادہ سید آلِ زی عز معینی
دختر
پیرزادہ سید آلِ مبر معینی
دختر
دختر دیوان سید آل رسول علیخان صاحب (زوجہ پیرزادہ سید آلِ محبوب معینی)
دختر
سید علی رضا سید علی پیرزادہ
سید شجاع علی
دختر
سید مبشر علی

حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے اعزازات' معمولات' مذہبی سیاسی خدمات

حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا منصبِ سجادگی مل جانے کے بعد آپ کی زندگی کا طرز ایسا بدلا گویا ہر وقت یہی فکر تھی کہ اب زندگی کا ہر لمحہ خواجۂ بزرگ کے عقیدتمندوں اور عامتہ المسلمین کی خدمت کے لئے وقف ہے۔ خواجۂ بزرگ کے آستانہ کے بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کے لئے جس طرح آپ ہمہ وقت مصروف رہے اس کی تفصیل اگلے صفحات میں آ رہی ہے۔ یہاں اتنا عرض کرنا کافی ہوگا کہ آپ کی حیاتِ مبارک حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا حسین امتزاج تھی۔ اس ضمن میں دلچسپ پہلو یہ دیکھا کہ ایک جانب آپ خواتین کے مکمل شرعی پردہ پر اصرار فرماتے تھے تو دوسری جانب اس پہلو پر بھی نظر تھی کہ یہ صنفِ نازک ہمارے معاشرے میں مجبوری اور جبر کی زندگی گزارنے پر مجبور رہتی ہے چنانچہ آپ اپنی خواتین خانہ کے ساتھ خصوصی طور پر شفقت کا اظہار فرماتے ان کی دلجوئی کے لئے مکمل پردہ کے اہتمام کے ساتھ ان کو تفریحی مقامات پر بھی بھیج دیا کرتے تھے۔ اکثر خود بھی اِن تفریحی پروگراموں میں شرکت فرماتے رہے ہیں۔

حدیث شریف میں صحابی رسولؐ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ ایک بدوی نے رسول خدا ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل سکھائیں جو مجھے جنت میں پہنچا دے۔ آپ نے فرمایا۔ ''انسان کو غلامی سے آزاد کر' انسان کی گردن کو قرض کے بندھن سے چھڑا' رشتہ دار کا ہاتھ پکڑ۔ گر تو یہ نہ کر سکے تو بھوکے کو کھلا اور پیاسے کو پلا اور نیکی بتا اور برائی سے روک' اگر یہ بھی نہ کر سکے تو بھلائی کے سوا اپنی زبان روک۔

دیکھا جائے تو حدیث شریف کا یہ مضمون احترام انسانیت اور صلہ رحمی کا وہ زرین چارٹر ہے، جس سے بڑھ کر رہنمائی کے اصول تا قیامت کوئی نہیں دے سکتا۔

فوائد الفواد میں حضرت محبوب الٰہی کی اپنے مریدین کو بار بار یہ تلقین دکھائی دیتی ہے کہ اس دنیا میں فوز و کامرانی اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتی جب تک انسان خدمتِ خلق کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنا لے۔ یعنی

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

خیر المجالس کے مطابق حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی فرمایا کرتے تھے "تصوف راہ صدق اور اخلاق حسنہ کا نام ہے"

کہا جاتا ہے کہ اگر اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام اصلاح و تربیت، تزکیہ نفس اور عبادات کی روح تک پہنچنے کے طریقے تعلیم نہ فرماتے تو اسلام محض ایک سیاسی پروگرام نظر آنے لگتا۔ ان پاک طینت حضرات نے اپنے عمل و کردار سے اسلام کی اس حقیقی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا جو نبیؐ آخر الزمان ﷺ نے اپنے چچا کا خون معاف کر کے، اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر اور قدم قدم پر ایثار و اخلاق حسنہ کا عملی مظاہرے کر کے دنیا کے سامنے پیش فرمائے تھے۔ دراصل ہمارے قلوب ہماری پابندی نفس، دنیا اور اس کی محبت کے سبب دھندلا کر رہ گئے ہیں چنانچہ ہم اپنے قلب و باطن میں جھانک کر نہیں دیکھ سکتے جبکہ اولیائے کرام، صالحین اور عاشقین الٰہی کے حالات پڑھنے سے ہمیں زندگی کا اصلی اور شفاف رخ دیکھنے کا موقع میسر آتا ہے۔

حضرت خواجۂ بزرگ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی سجادہ نشینی کے حصول پر حضرت شیخ المشائخ دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ نے بارگاہ رب العزت میں اظہار تشکر

کے لئے حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف میں ایک عظیم الشان محفل میلاد النبی ﷺ کا انعقاد کیا برصغیر کی چشتیہ سلسلہ کی معروف درگاہوں کے سجادہ نشینان کے علاوہ جید علمائے کرام نے اس محفل میلاد میں شرکت فرمائی۔ حضرت دیوان صاحب نے اِس تاریخی محفل کے آخر میں دعوتِ طعام کا تو اہتمام کیا ہی تھا لیکن اختتامی دعائے خیر کے بعد تمام حاضرین میں مٹھائی تقسیم کرنے کے لئے خصوصی تھالیاں بنوائی گئی تھیں۔ جن پر نقش و نگار کے علاوہ درج ذیل شعر بھی درج تھا۔

بر حصولِ مسند خواجہ پئے شکر خداؔ
منعقد کردیم ما ایں بزمِ میلادِ رسولؐ

شیخ المشائخ حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا منصبِ سجادگی شر پسند' مفاد پرست اور نام نہاد منصبِ سجادگی کے دعوے داروں کے سبب نزاع میں پڑا ہوا تھا۔ سابق سجادہ نشین دیوان سید شرف الدین علیخاں لاولد تھے۔ اصولاً صحیح النسب نجیب الطرفین سید اور قریب ترین ہم جد ہونے کے سبب حضرت ہی اِس عظیم اور پاکیزہ منصب کے جائز حقدار تھے لیکن بُرا ہو عناد' دشمنی' مکروفریب اور خود غرضی کا کہ انہی دشمنِ انسانیت عادات وخصائل کے نتیجہ میں حق دار کو حق ملنا دشوار ہو جاتا ہے۔ بہر حال یہ اس دنیا کے امتحانات ہیں اور اللہ کے نیک بندوں کو اِن امتحانات سے زیادہ ہی واسطہ پڑتا ہے۔ حضرت دیوان صاحب کو مصائب نے جب حد سے زیادہ پریشان کر دیا تو آپ اپنے جدِ کریم حضور خواجہ حسام الدین سوختہ نبیرہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزارِ مبارک واقع سانبھر حاضر ہوئے۔ گڑگڑا کر اپنی حالتِ زار پیش کی۔ جس کے بعد سکون اور اطمینانِ قلبی حاصل ہوا اور اگلے روز سجادگی کا مقدمہ جیت جانے کی بشارت عملاً بھی آ گئی۔ حضرت نے اس موقع پر اپنے جذبات دلی عقیدت کا منظوم اظہار فرمایا۔ اشعار پیش ہیں:۔

بحضور حسام الدین سوختہ رحمتہ اللہ علیہ

نبیرہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز

ہو گئی ان کی عنایت ہو گئی	یہ تو اک زندہ کرامت ہو گئی
مرے حال زار پر چشمِ کرم	خواجگی ان کی بدولت ہو گئی
اب بھی ہوں لا ریب محتاجِ عطا	اور بھی اب مجھ کو ہمت ہو گئی
کیا لبِ معجز نما جنبش میں ہیں	کیا مرے حق میں بشارت ہو گئی
میں نے جو چاہا ملا مل کر رہا	اب تو یہ بالکل حقیقت ہو گئی
آرزو میری دعائیں آپ کی	حق کی جانب سے ودیعت ہو گئی
خانہ زادوں کے بنے پشت و پناہ	آج ہم کو کیسی قوت ہو گئی
جتنی اپنی عزت و عظمت بڑھی	اتنی ہی اعداء کو خفت ہو گئی
کلفتِ دیرینہ سر سے ٹل گئی	دل کو راحت' جاں کو فرحت ہو گئی
کر دیا تھا دست بستہ عرضِ حال	اک نظر ہم کو کفایت ہو گئی
آپ ہیں نورِ نگاہِ مصطفےٰ	آپ پر لازم ولایت ہو گئی
سید السادات از شکم بتولؓ	لوح پر کندہ شرافت ہو گئی
خاندانِ چشت کے ہیں وہ خلف	آپ سے اس گھر کی زینت ہو گئی
سوختہ جان رہ عشق خدا	برملا یوں شانِ خلعت ہو گئی
باریاب درگہ عالی ہوں میں	فکر فردا سے فراغت ہو گئی

حضور دیوان صاحب اجمیر شریف کو منصب سجادگی' جس پر قانوناً اخلاقاً روایتاً ہر طرح آپ کا حق تھا' اس کے حصول میں کن کن اذیت ناک اور پریشان کن حالات سے سابقہ پڑا۔ آپ کے مقابل آنے والے دیگر اٹھارہ باطل دعویٰ داروں نے کس کس گھٹیا انداز سے آپ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر کے حضرت کو ذہنی اور روحانی کرب سے دوچار

کیا اس کی تفصیلات میں پڑ کر اپنے قلم کو آلودہ کرنا پسند نہیں کرتا البتہ بطور ضمیمہ ایک مختصر سا رسالہ کتاب کے آخر میں شامل کر دیا ہے تا کہ ضروری حقائق اس شخص کے قلم سے آپ کے سامنے آ جائیں جو آپ کا دور کا بھی رشتہ دار نہیں تھا' یہ ضرور ہے کہ ایک مخلص' سیاسی سماجی کارکن تھا۔ انصاف پسند بیباک اور ایثار پسند غازی تھا میری مراد مولوی محی الدین غازی سے ہے ان کا مزید تعارف اور بے باک لہجہ دیکھنے کے لئے بھی اُسی رسالہ کا مطالعہ مفید ہو گا۔ اس رسالہ کی محض ورق گردانی کرنے سے ہی ایک دردمند اور منصف مزاج انسان یہ پڑھ کر دکھی ہو جاتا ہے کہ خانوادۂ خواجہ بزرگ کو ناہنجار اور ظالم لوگوں نے کس طرح ناحق پریشان کئے رکھا۔ لیکن آفرین ہے حضرت پر جو دشمنوں کے ہر حربہ کا توڑ ہی نہیں کرتے رہے بلکہ اپنے جدِ کریم خواجۂ بزرگ کے آستانہ کی حقیقی حرمت بحال کرنے کے لئے مستعد اور سرگرم رہے۔

خواجۂ بزرگ کے سجادہ نشین کی امتیازی شخصیت اس کا جانشین اور اولاد خواجۂ غریب نواز ہونا اس کا ظاہری تقدس واحترام اس کے روحانی معمولات اور درگاہ خواجۂ کے ضمن میں اس کے فرائض منصبی اپنی جگہ 'بعض سجادنشینان' سابق کی نرمی' چشم پوشی اور تساہل کا نتیجہ ہے کہ آج خادموں کی جماعت آستانہ عالیہ کے ماحول پر بے طرح چھائی ہوئی ہے۔ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ خدام پہلے اجمیر شریف کے قرب و جوار میں آباد تھے۔ ان کی سہولت کی خاطر انہیں درگاہ معلّیٰ کے قریب جگہ دے دی گئی۔ آستانہ عالیہ کی کنجیاں جو سجادہ نشین کی حویلی پر رہتی تھیں اور ہر روز صبح ایک مقررہ خادم جس کی ڈیوٹی ہوتی تھی حویلی پر آ کر کنجیاں لے جاتا تھا اور رات کو حویلی پر پہنچاتا تھا جس پر سجادہ نشینان کی نرمی سے خادموں کی قوم نے قبضہ جما لیا ایام عرس پر اپنے گھر سے گدیاں لا لا کر جگہ جگہ بچھا بچھا کر بیٹھنا شروع کر دیا اس طرح یہ لوگ زائرین پر اپنے تقدس کا جال بچھانا چاہتے تھے سجادہ نشینان کی کمزوری

اورعدم دلچسپی کے باعث رفتہ رفتہ یہ سب خادموں کے حقوق سمجھے جانے لگے۔ متولی کا مسئلہ تو خادموں سے بھی زیادہ واضح ہے کیونکہ وہ تو بلا امتیاز مذہب اور نسل تقرر کیا جاتا تھا۔

جہاں تک سجادہ نشین درگاہ عالیہ کی حقیقی حیثیت اور منصب کا تعلق ہے وہ صاحبِ خانقاہ کے مشن کو جاری رکھنے کا ذمہ دار اور مقتدر سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کی رگوں میں مقدس خون موجود ہوتا ہے اخلاقی و روحانی اعتبار سے بھی اس کو صاحبِ خانقاہ کا نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ اس تعلق اور قرب کی وجہ سے جو صاحب درگاہ اور سجادہ نشین نسلی اعتبار سے ہوتا ہے خانقاہ کے عقیدت مند سجادہ نشین کی عظمت واحترام کو برقرار رکھتے ہیں اور اپنا رشتہ عقیدت و نیاز اس سے وابستہ کرنے میں عزت محسوس کرتے ہیں اور اپنی روحانی تسکین اور صاحبِ خانقاہ کی خوشنودیٔ خاطر کا موجب گردانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے سجادہ نشین اجمیر شریف سے ممتاز اور اعلیٰ قسم کی خدمات متعلق ہیں مثلاً ہر پنجشنبہ کو محافل شریف میں سجادہ نشین کا درگاہِ معلّٰی کے انتظام سے تزک واحتشام کے ساتھ آ کر بحیثیت قائم مقام حضور غریب نواز صدر محفل ہونا' سماع اور ایصال ثواب و تقسیم تبرک اور دیگر مذہبی مراسم مروجہ کی انجام دہی بغیر سجادہ نشین کے عمل میں نہیں آ سکتیں اور اسی طرح محافل اعراس بزرگانِ چشت کا سجادہ نشین کی موجودگی میں انجام پانا لازمی رہا ہے دوسری رسم مزار مبارک کے غسل کی ہے جو ایام عرس شریف میں چھ روز مسلسل انجام پاتی ہے اور یہ رسم صرف سجادہ نشین کے ہاتھوں سے انجام پاتی ہے یعنی سجادہ نشین ہی اپنے ہاتھوں سے غسل مزار دیتے ہیں اور ہفت چوکی کے ساتھ خدام وہاں صرف بالائی خدمات انجام دینے کے لئے حاضر رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ تبلیغ وارشاد جملہ امور مذہبی کی انجام دہی جمعہ و جماعت پنجگانہ' عیدین ورویت ہلال کے انتظامات اور مذہبی اجتماعات کی قیادت اور ان میں سجادہ نشین کی شرکت اور موجودگی ضروری ہوتی ہے شاہانِ مغلیہ کے زمانہ سے سجادہ نشین کے نام ایک مقررہ ذریعہ معاش اور

فارغ البالی کے طور پر پانچ گاؤں کی سالم جاگیر اجمیر شریف اور مضافات میں چلی آتی تھی۔
ریاست حیدرآباد کی وقف شدہ جاگیرات کی آمدنی دیہات اجمیر کے علاوہ تھی۔

منصب سجادگی درگاہِ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے پہلو با پہلو درگاہ کے دیوان صاحب کو کچھ اعزاز روایتاً انتظامیہ کی جانب سے بھی ملا کرتے تھے چنانچہ دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ اعزازی مجسٹریٹ بھی تھے۔ بحیثیت مجسٹریٹ آپ کا معمول یہ تھا کہ جب غریب غرباء کو کسی قصور یا جرم کی پاداش میں آپ کی عدالت میں لایا جاتا تو آپ اس کی نوعیت کے اعتبار سے معمولی جرمانہ کر کے یا معاف کر کے رخصت کر دیتے۔ آپ کا کہنا تھا کہ یہ اپنا روزگار چھوڑ کر جتنی دیر عدالت میں رہا یہی جرمانہ اس پر کیا کم ہے کہ مزید بھاری جرمانہ کیا جائے البتہ طوائفوں اور رنڈیوں پر بھاری بھاری جرمانے کیا کرتے تھے۔

وزیٹر سینٹرل جیل کی حیثیت سے جب جیل خانہ اجمیر شریف کا دورہ کرتے تو وہاں بھی غریب قیدیوں کے ساتھ برتاؤ اور ان کی خوراک پر زیادہ توجہ فرماتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے بڑے لوگوں کو تو مراعات مل ہی جاتی ہیں۔ نہ معلوم ان غریبوں میں کتنے بے قصور ہوں گے۔ لیکن فی الوقت تو جیل ان کا مقدر بنا ہوا ہے پھر گناہ تو امیر غریب سب کا برابر ہے چنانچہ غریب کے ساتھ غیر انسانی برتاؤ قطعاً زیب نہیں دیتا۔

اعراسِ مقدّسہ کے موقع پر آپ روایت قدیم کے مطابق شاہانہ مراسم کے ساتھ روضہ مبارک پر تشریف لے جاتے تھے زائرین آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے قرار ہوتے تھے۔ اژدھام خلائق کے باعث آپ سے مصافحہ کرنے کی آرزو میں بعض زائرین زخمی بھی ہو جاتے تھے۔

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی یہ عظمت صرف سجادہ نشین آستانہ خواجۂ بزرگ ہونے کے سبب ہی نہیں تھی بلکہ آپ نے اپنے کردار و اخلاق سے خود کو سجادہ نشین

خواجہ بزرگ ہونا ثابت کیا تھا۔ اس ضمن میں مولانا معین الدین اجمیری جو مشاہیر علمائے اجمیر سے تھے۔ ان کے ایک رسالہ "خاندان اولاد امجاد حضرت خواجہ بزرگ اجمیری رحمتہ اللہ کے حالات اور خصوصیات کی مختصر اور اہم یادداشت اور عہدہ سجادگی کے انقلاب اور عروج وتنزل کا مجمل خاکہ" سے کچھ حصہ نظرِ قارئین کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

آپ کے جانشین عظیم الشان خلفاء کی طرح آپ کی اولاد امجاد میں بھی ایسی نامور ہستیاں ہوئی ہیں جن کے عالمگیر فیوضِ باطنی اور ظاہری کا نہ صرف راجپوتانہ بلکہ تمام سرزمین ہند ممنون ہے۔ بلحاظ عروج وتنزل اس خاندان والا شان کے چار عہد ہیں جن کا مجمل خاکہ یہ ہے۔

عہد اوّل:۔ یہ عہد حضرت خواجہ فخر الدین فرزند کلاں حضرت خواجۂ بزرگ اجمیری قدس سرہ سے شروع ہو کر حضرت خواجہ حسین اجمیری پر ختم ہوتا ہے۔ جو عہد اکبرو جہانگیر میں صاحب سجادہ تھے۔ ان حضرات کا یہ عہد عہدِ عروج تھا۔ چار سو سال تک برابر یہ عہد رہا۔ اس عہد میں کُل گیارہ حضرات عہدہ سجادگی پر فائز رہے۔

عہد دوم:۔ یہ عہد حضرت دیوان سید ابوالخیر سے شروع ہو کر دیوان سید مہدی علیخاں پر ختم ہوتا ہے جو عہد اکبر شاہ ثانی میں تھے۔ اس عہد کی معیاد دو سال سے کچھ زائد ہے۔ اس عہد کے آخر میں سلطنتِ مغلیہ صرف چراغِ سحری رہ گئی تھی۔ اس عہد کے ساتھ خاندان خواجہ بھی تنزل میں آ گیا لیکن عہدۂ تولیت اور مراسم خاندانی بدستور قائم رہے۔ اس کمزوری کو دیکھ کر حریف جماعت نے اپنی ہستی کا استحکام اور خاندان خواجہ کے قدیمی حقوق کا استحصال اپنا نصب العین بنالیا۔ اس عہد میں گو اس جماعت کی سعی کامیاب نہ ہوئی لیکن سعی کا آغاز ہو گیا۔

عہد سوم:۔ اس عہد کی ابتداء دیوان سیّد سراج الدین علیخاں مرحوم سے ہوتی ہے۔ دیوان شرف الدین علیخاں مرحوم پر یہ عہد ختم ہوتا ہے۔ اس عہد میں خاندان میں بیحد

کمزوری پیدا ہوگئی اور حریف کا زور بڑھ گیا۔

عہد چہارم:۔ اگر دیوان شرف الدین علیخان مرحوم کے بعد وہ بزرگ صاحب سجادہ ہو جاتے جن پر حریف جماعت کی نظر انتخاب پڑی تھی۔ لیکن شکر ہے کہ عام مسلمانانِ اجمیر شریف نے ان کو ان کے اطوار و اوضاع کی بدولت بنظرِ تنفر دیکھا اور اس وقت سے حریف جماعت (جس کا نصب العین ہمیشہ یہی رہا ہے کہ نا قابل ترین فرد صاحب سجادہ ہو تا کہ وہ ان کا آلۂ کار بن سکے۔ اپنے مقصد میں بمقابلہ مقامی مسلمانوں کے ناکامیاب ہوئی۔ اور گورنمنٹ نے عام انتخاب کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے مکمل ترین شخص کا اس عہدے پر تقرر کیا جو باعتبار اپنے اخلاق اور کریکٹر کے، عہد اول کے سجادہ نشینوں کا ایک فرد معلوم ہوتا ہے۔ یہ شخص بلحاظ نسب بھی سابق دیوان شرف الدین علیخاں سے زیادہ قریب اور دیگر حیثیات متعلقہ میں افضل ہے جس کی شاہد قدیمی دستاویزیں و سرکاری کاغذات اور تاریخی کتبے ہیں اور انہی کی بناء پر مقامی گورنمنٹ ان کو صاحب سجادہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوئی۔ یہ شخص صاحب سجادہ حال دیوان سید آلِ رسول علیخاں ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسے کریکٹر اور اخلاق کا جامع حیثیات شخص اس وقت سجادہ نشین ہوا جبکہ انقلابِ زمانہ اور غفلت شعاری کی وجہ سے بہت سے حقوق پامال ہو چکے تھے۔ باوصف ان مشکلات کے مختصر معیاد ہفت سال میں آستانہ کے متعلق جو ان کے کارنامے ظہور میں آئے ان کی مجمل فہرست یہ ہے۔

1- آستانہ عالیہ میں رنڈیوں کا ناچ گانا یک قلم موقوف کر دیا۔

2- مجاورین آستانہ کی دارو گیر اور غل و شور سے اطمینان کے ساتھ کسی زائر کو فاتحہ خوانی میسر نہ تھی۔ یعنی اصل مقصود زیارت ہی فوت تھا۔ صاحب سجادہ حال کی کوشش و سعی سے آہنی بکس گنبد مبارک میں رکھوا دیا گیا کہ بطیبِ خاطر اگر کوئی زائر نذر آستانہ کرنا چاہے تو اس بکس میں ڈال دے قانوناً وہاں سوال کرنا ممنوع قرار پا گیا۔ اس طرح فاتحہ خوانی اور

تلاوت کلام مجید کا موقع زائر کو میسر آ گیا۔

3- اکثر غیر مفید مراسم اور بدعات کا قلع قمع کر دیا جو ایک عرصہ سے منصب سجادگی کے ساتھ وابستہ ہو گئیں تھیں۔ اور جن کے غیر ضروری مصارف کا بار عہدہ سجادگی پر پڑتا تھا۔ اور اس وجہ سے ان کا مقروض ہونا ضروری تھا۔ صاحب سجادہ حال نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ عام مسلمانوں میں جو بدعات اور قبیح مراسم رائج تھیں۔ ان کی بھی بذریعہ پند و وعظ اصلاح کے لیے اپنے مکان پر سلسلہ درس کلام اللہ قائم کیا۔ ہنگام عرس مبارک میں اس کی تین تاریخیں درس تصوف کے لئے مخصوص کر دیں۔ مخصوص ایام (اوائل ربیع الاول عشرہ محرم) وغیرہ میں علماء اور صلحا کے وعظ کی مجلسیں قائم کیں جن کی وجہ سے شہر میں اکثر رسوم قبیحہ ترک ہو گئیں۔ اور جہاں تعزیہ و علم نکلتے تھے۔ اب وہاں شرعی طور پر ذکر شہادت، وعظ تلقین تذکرہ بزرگان دین انضباط اوقات کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔

4- اوقاف کے سلسلہ میں سالہا سال سے کوئی باقاعدہ حساب کتاب تھا، نہ اس کی جانچ پڑتال۔ صاحب سجادہ حال نے اس کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حساب کی جانچ پڑتال کے لیے حسب قواعد اوقاف مقامی حکومت اور حکومت ہند سے سلسلہ جنبانی کر کے احکام نافذ کرائے۔

5- نماز جمعہ، عیدین، ہلال رمضان، سحری افطار ختم و قل اعراس بزرگان دین اور ہر غُرہ شہر (چاند رات) کے لئے صوبہ کی حکومت سے باقاعدہ توپ چھوڑنے کا پروگرام منظور کرایا۔ یہ وہ توپ ہے جو ۱۹۲۳ء کے ہنگامہ عظیم میں گورنمنٹ نے ضبط کر لی تھی۔

6- صاحب سجادہ حال کی مساعی جمیلہ اور اصلاحی کارنامے صرف آستانہ عالیہ اور اپنے خاندان تک محدود نہیں ہیں بلکہ عام مخلوق ان کے کارناموں کی رہین منت ہے۔
غریب مسلمانوں کے بچوں کو وظائف دلانے کی کوشش کرنا تعلیم یافتہ جماعت کو

محکمہ جات میں برسر روزگار لگا دینا۔ غریب اور مساکین کو اپنی حویلی میں جگہ دینا اور ان کی ضیافت کرنا۔ اپنے رسوخ اور اثر سے ہندو مسلم مناقشات کو دور کرنا۔ مساجد و منادر کے قضیوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ طے کرا دینا نہ صرف ان کی زندگی کا نصب العین ہے بلکہ یہ امور ان کی روزمرہ کی عادتوں میں داخل ہیں۔ جن کی مثالوں کی تدوین کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان امور کا مشاہدہ کرنے کے بعد مسلمانان ہندوستان عموماً اور ارباب طریقت خصوصاً ان کی ذات کو نعمت الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مولانا معین الدین اجمیری نے جب یہ رسالہ تحریر فرمایا اس وقت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو منصب سجادگی خواجۂ بزرگ سنبھالے ہوئے سات سال کا عرصہ گزرا تھا۔ موصوف ۱۹۲۲ء میں منصب سجادگی پر فائز ہوئے اور ۱۹۴۷ء تک تقسیم پاک و ہند سے قبل تک آستانہ خواجۂ بزرگ پر منصب سجادگی انجام دیتے رہے اس کے بعد ۹ جون ۱۹۷۳ء میں وصال فرمانے تک پاکستان میں فرائض سجادگی بدستور انجام دیتے رہے۔

چشتیہ سلسلہ کی تمام درگاہیں آپ سے اسی عقیدت و محبت کا اظہار کرتی رہیں اور آپ کے انتقال پُر ملال کے بعد سب نے متفقہ طور پر حضرت کے سب سے بڑے صاحبزادے دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں کو دیوان اور سجادہ نشین اجمیر شریف تسلیم کرتے ہوئے دستار بندی فرمائی۔

مولانا معین الدین اجمیری کے رسالہ سے اس طویل اقتباس کے پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ ذات جو آج گلشن سلطان الہند اجمیری راولپنڈی فتح جنگ روڈ پر آسودہ خواب ہے۔ جس کا آستانہ مرجع خلائق ہے اس کی زندگی کا واحد مقصد اللہ اور اس کے حبیب لبیب ﷺ کی خوشنودی کے لیے اپنے جد امجد خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ

علیہ کے پاک مشن کی تکمیل تھا۔ بے شک یہی وہ مشاغل ہیں جن سے بڑی نہ کوئی کرامت
ہے نہ ہی ان کے بغیر خواجۂ بزرگ کی سجادگی کا حق ادا ہو سکتا ہے۔

حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ

کا کارنامہ ''درگاہ بل ۱۹۳۶''

حضرت دیوان صاحب قبلہ حتیٰ المقدور درگاہ معلیٰ کے حالات کی درستی اور اصلاحات فرماتے رہے بالآخر آپ نے خیال فرمایا کہ موجودہ درگاہ کمیٹی، جو ایکٹ ۲۰۔۱۸۶۳ کی رو سے قائم ہے اور جس کے ممبران کی میعاد تاحیات ہے اس کے علاوہ اس کمیٹی میں ایسے افراد کی اکثریت ہے جن کے مفاد تو درگاہ معلیٰ سے وابستہ ہیں مگر ان کی دلچسپی اصلاحات کی جانب قطعی نہیں ہے۔

حضرت دیوان صاحب موصوف نے محض انتظامات کی بہتری اور مکمل اصلاحات درگاہ معلیٰ کے لئے نئے درگاہ ایکٹ کو ناگزیر سمجھا چنانچہ پاک وہند کے روحانی مرکز آستانہ خواجہ بزرگؒ کی عظمت و وقار کے پیش نظر حضرت نے ایک درگاہ بل ۱۹۳۶ء میں راجہ غضنفر علی خان صاحب سے (جو پاکستان میں مرکزی وزیر بھی رہے ہیں) پیش کرایا اور اپنے ساتھ معززین شہر اجمیر القدس اور حضرات سجادہ نشینیاں درگاہ عالیہ تونسہ شریف، درگاہ سیال شریف، گڑھی شریف اور درگاہ بسال شریف کو لے کر انتہائی درد اور دلسوزی سے ایک ٹیم کی صورت میں درگاہ بل ۳۶ منظور کرانے کے لیے فضاء ہموار فرمائی اور ممبران مرکزی اسمبلی ہند اور ممبران کونسل آف سٹیٹ ہند کو بل کی افادیت، اصلاحی اہمیت اور ضرورت سے بخوبی آگاہ کیا۔ حق یہ ہے کہ مرحوم سجادہ نشین تونسہ شریف حضرت حافظ سدید الدین صاحبؒ اور دیگر سجادہ نشین حضرات نے اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لاکر بل پاس کرانے میں اپنی خدمات انجام دے کر حضرت غریب نوازؒ کے حضور بہترین خراج عقیدت پیش کیا۔ چنانچہ بڑی جدوجہد کے بعد درگاہ ایکٹ نمبر ۲۳۔۱۹۳۶ مع ترمیمی ایکٹ نمبر ۱۲۔۱۹۳۸ء مجالس

واضعان قوانین ہند سے منظور ہوا۔ مذکورہ ایکٹ منظور ہونے کے بعد جو کمیٹی وجود میں آئی اور جس کے سپرد درگاہ معلیٰ کا انتظام و انصرام کیا گیا اس میں ہندوستان کے مشاہیر شامل تھے جو ایسے روحانی مرکز کے انتظامات کے لئے نہایت موزوں اور مناسب تھے۔

چند ممبران درگاہ معلیٰ اجمیر شریف کے اسماء گرامی اگر ذکر کر دیئے جائیں تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی کہ مذکورہ ایکٹ کے تحت قائم ہونے والی کمیٹی واقعی نہایت مؤثر تھی اور آستانہ عالیہ کی اصلاحات کے لئے حضرت دیوان صاحب نے کتنی عظیم مساعی فرمائی ہوں گی۔ دراصل ایک مفاد پرست طبقہ ایسا بھی تھا جو اس اصلاحی بل کی مخالفت میں سر توڑ کوششیں کر رہا تھا اس لئے بل کی افادیت اور ضرورت کے لئے ایک ملک گیر جدوجہد کرنا پڑی۔ از روئے ایکٹ ۱۹۳۶ء مع ترمیم ۳۸ء منتخب ممبران میں سے کچھ حضرات یہ تھے۔ حضرت حافظ سدید الدین صاحبؒ مرحوم سجادہ نشین تونسہ شریف، حضرت مولانا حافظ محمد قمر الدین صاحب مرحوم سجادہ نشین سیال شریف، ضلع سرگودھا، سابق (ممبر اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان) جناب ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب مرحوم وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)، جناب مرزا عبدالقادر بیگ صاحب مرحوم صدر اجمیر راجپوتانہ مسلم لیگ، جناب حسین امام صاحب (ممبر کونسل آف سٹیٹ ہند)، خان بہادر عبدالواحد خان سرکاری وکیل اجمیر، نمازی محی الدین صاحب نامزد ممبر حضرت دیوان صاحب، جناب صفی الدین صاحب (ناظم امور مذہبی حیدر آباد دکن) نامزد ممبر ہزا یگزالٹڈ ہائینس نظام دکن، نواب ملک مظفر خان سابق وزیر پنجاب، اس طرح ۲۵ ممبران کی ایک نہایت مؤثر کمیٹی درگاہ معلیٰ کے درو بست اور ہمہ قسم کے انتظامات کے لئے مقرر ہوگئی جس نے حتی الامکان اصلاحات و انتظامات آستانہ عالیہ حضرت خواجہ بزرگ اجمیریؒ میں دلچسپی لی۔ زائرین آستانہ عالیہ کو سہولتیں اور آسائشیں فراہم کیں۔ سکنی جائیداد اور دیہات درگاہ معلیٰ کی آمدنی میں معتد بہ

اضافہ کیا۔ ہمہ قسم کا درو بست اعلیٰ پیمانہ پر ہوگیا۔ حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی صرف یہ خواہش تھی کہ ان کے جد بزرگوار کے آستانہ عالیہ میں اصلاحات ہوں۔ زائرین کو راحت وآسائش حاصل ہو۔ بیواؤں، یتیموں کی دستگیری ہو اور بے ضابطگیوں کا سدباب ہو جائے حضرت موصوف کو نام ونمود اور عہدہ کی خواہش نہ تھی۔

درگاہ بل کے متعلق رائے عامہ کا جو مجموعہ حکومت ہند نے شائع کیا تھا اس سے عامتہ الناس کا یہ رجحان معلوم ہوا تھا کہ حضرت سجادہ نشین مرحوم کو درگاہ کمیٹی کا مستقل صدر بنایا جائے۔ ممبران اسمبلی میں بھی یہ رجحان موجود تھا مگر حضرت سجادہ نشین مرحوم عہدہ صدارت کو آزاد ممبران کے لئے مخصوص کرنے کے لئے بخوشی رضامند ہو گئے۔

درگاہ بل کے محرک اول جناب راجہ غضنفر علی خان نے اسمبلی کے اجلاس میں برسر عام صاحب سجادہ کے ایثار کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کیا اور کہا ''حضرت سجادہ نشین نے بل میں اپنے مفاد کے لئے کسی دفعہ کے اضافہ کی کوشش نہیں کی بلکہ صرف اپنے جد امجد حضرت خواجہ کے آستانہ کے اچھے انتظام کی خواہش کی اور بس''۔

ایکٹ مذکورہ کی رو سے کمیٹی کی تشکیل کا طریقہ حسب ذیل رکھا گیا تھا۔

اس کمیٹی کے پچیس ممبران ہوں گے۔ یہ ممبر حنفی مسلمان ہوں گے۔ حضرت سجادہ نشین اور خدام کے ممبران کے علاوہ پانچ ممبر شہر اجمیر کے ان مسلمانوں میں سے ہوں گے جو متعلقین درگاہ معلیٰ سے نہ ہوں اور ان کا انتخاب شہر کے وہ مسلمان کریں گے جن کے نام اجمیر میونسپل کمیٹی کے رجسٹر ووٹران میں درج ہوں۔ گیارہ وہ ممبران ہوں گے جو میونسپل حدود اجمیر کے رہنے والے نہ ہوں اور ان کا انتخاب اس طرح ہو کہ تین ممبر مرکزی مجالس قانون ساز کے مسلم ممبران منتخب کریں گے۔ ایک ممبر نظام دکن نامزد کریں گے اور صوبہ جات ہند کے ہر صوبہ کے مسلم ممبران ایک ایک ممبر منتخب کریں گے اور چار ممبران سلسلہ

چشتیہ کی درگاہوں کے ہوں گے جنہیں وہ ممبران کمیٹی مل کر منتخب کریں گے جو مذکورہ طریقہ سے منتخب و نامزد ہوں گے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمانان پاک و ہند کے اتنے بڑے روحانی مرکز میں حکومت بھارت کوئی مداخلت نہ کرتی مگر اس کے برعکس تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کی نام نہاد غیر مذہبی حکومت نے اس انتہائی مفید ایکٹ کو منسوخ کر دیا اور مسلمانوں کے اثر و رسوخ کو ان کے مذہبی مرکز سے منقطع کر کے ایک ایسا ایکٹ نافذ کر دیا جس سے درگاہ معلیٰ اجمیر شریف کے انتظام و انصرام کے لئے ایسی کمیٹی بنادی جس کے ممبران کا تقرر اور برطرفی حکومت نے اپنے ہاتھ میں رکھی اور اس کمیٹی کے اوپر ایک ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا۔ یوں درگاہ معلیٰ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر حکومت بھارت کے کنٹرول میں آ گئی۔ اور یہ وہ داستان الم ہے جس کو سن کر مسلمانوں کے دل مجروح ہوتے رہتے ہیں اور حکومتِ ہند کی اس بے جا مداخلت کا اثر یوں مرتب ہوا کہ درگاہ معلیٰ کی اصلاحات، زائرین کی سہولت اور فلاح و بہبود کی جانب کوئی توجہ نہیں ہے اور اس روحانی مرکز کو بھارت کے پروپیگنڈے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ پاک و ہند جنگوں کے مواقع پر وابستگان آستانہ عالیہ کے لیے بھارت کی حمایت و تائید میں اخباری اور ریڈیو کے بیانات پاکستانی اخبارات میں بھی شائع ہوئے تھے۔ ان گمراہ کن بیانات کے رد میں حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ نے ریڈیو پاکستان پشاور سے بیان جاری کیا اور اخبارات میں بھی پاکستان کے جائز اور مبنی بر انصاف موقف کی تائید فرمائی۔

حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے اجمیر شریف کے دورِ سجادگی میں درگاہِ مقدس کی اصلاحات کے ضمن میں دوہرے محاذ پر کام کرنا پڑا۔ ستم ظریفی یہ کہ وہ لوگ جن کو حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی ذات عالی کے سبب نام اور

کام نصیب ہوا تھا وہی لوگ آپ کی اولاد کو نیچا دکھا کر اور اولادِ خواجہ کا انکار کر کے اپنی شان
اور دکان چمکانے کی فکر میں تھے۔ایک جانب خدام خواجہ غریب نوازؒ نے اولاد خواجہ کا ابطال
کر کے اپنی بزرگی قائم کرنے کی کوشش شروع کر رکھی تھی تو دوسری جانب درگاہ کے متولی
نے اپنی بداعتدالیوں کی راہ میں جب حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو رُکاوٹ جانا تو
طرح طرح کے مقدمات قائم کر کے آپ کو پریشان کرنا شروع کر دیا لیکن توفیقِ الٰہی، حُبِ
خواجہؒ اور دولتِ فقر کے ساتھ بصیرت و بصارت سے سرفراز دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ
کے پائے استقلال میں ذرہ بھر جنبش نہ آئی۔آپ کے لئے اپنے جدامجد خواجہ غریب نواز کی
حیاتِ مقدسہ نمونہ تھی چنانچہ آپ نے تمام مخالفتوں کا پامردی سے مقابلہ کر کے درگاہ کو
آلائشوں اور غلط رسوم سے پاک کرنے کا مشن جاری رکھا۔آپ کی یہ تمام مساعی للہ فی اللہ
تھیں جس کا واضح ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ نے درگاہ عالیہ کے
معاملات کبھی اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ فرمائی بلکہ درگاہ کے معاملات کو مشاورت کے
ساتھ احسن طریقہ پر چلانے کیلئے مؤثر درگاہ کمیٹی کی تشکیل کے لئے کام کیا۔اس ایکٹ کی
جزئیات اور تفصیلی مقاصد جاننے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دستاویز کی تفصیل
درج کر دی جائے۔

عہدہ تولیت کی دستاویز ۷ صفحہ ۱۹۶۔۱۸۹ پر موجود بل مجالس واضعان قوانین ہند سے منظور
ہوا تھا۔

درگاہ خواجہ صاحبؒ ایکٹ بل

۱۹۳۶ء مع ترمیم

ایکٹ نمبر ۱۲ ۔۱۹۳۸ء منظور کردہ مجالس واضعان قوانین ہند

(جن کے نفاذ کی منظوری گورنر جنرل نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء اور ۱۸ اپریل ۱۹۳۸ء کو دی)

یہ ایکٹ درگاہ اور وقف درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ موسومہ درگاہ خواجہ صاحبؒ اجمیر کے انتظام کی بہتری کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ چونکہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ درگاہ حضرت خواجہ صاحبؒ اجمیر کے انتظام کی بہتری کے لئے قانون وضع کیا جائے اس لئے حسب ذیل دفعات وضع کی جاتی ہیں۔

(1) نام اور نفاذ:

(i) اس ایکٹ کا نام درگاہ خواجہ صاحب ایکٹ ۱۹۳۶ء ہوگا۔

(ii) اس ایکٹ کا نفاذ اس تاریخ سے ہوگا جو چیف کمشنر صاحب ''گزٹ آف انڈیا'' میں نوٹیفیکیشن کے ذریعہ مقرر کریں لیکن یہ تاریخ گورنر جنرل کی منظوری کے چھ ماہ کے اندر مقرر کردی جائے گی۔

(2) تعریفات: اگر کسی موضوع یا سیاق عبارت کے خلاف نہ ہوتو اس ایکٹ میں:۔

(i) ''کمیٹی'' سے مراد وہ کمیٹی ہوگی جو اس ایکٹ کے ماتحت وضع کی جائے۔

(ii) ''عدالت'' سے مراد عدالت ابتدائی دیوانی ہوگی۔

(iii) ''درگاہ'' سے مراد درگاہ خواجہ صاحبؒ اجمیر ہوگی جو درگاہ شریف اور ان تمام عمارتوں پر مشتمل ہے جو اندرون احاطہ درگاہ شریف واقع ہیں و نیز جو اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد ترمیم یا اضافہ کے طور پر وجود میں آئیں۔

(iv) ''وقف درگاہ'' ذیل پر مشتمل ہوگا۔

(الف) درگاہ خواجہ صاحبؒ اجمیر

(ب) تمام عمارت و جائیداد منقولہ اندرون حدود درگاہ شریف۔

(ج) جاگیر درگاہ بشمول تمام اراضیات، مکانات، دکانات اور جائیداد غیر منقولہ جو کسی جگہ واقع ہو اور ملکیت درگاہ شریف ہو۔

(د) تمام ملک و جائیداد اور وہ کل آمدنی جو کسی ذریعہ سے حاصل ہو اور درگاہ شریف کے نام پر وقف ہو یا کسی مذہبی خیراتی یا ثواب کی غرض پوری کرنے کے لئے کمیٹی کے زیر اہتمام کی گئی ہو۔

(ہ) صرف وہ نذورات جو صراحتاً درگاہ شریف کے لئے پیش کی جائیں۔

(۷) اس ایکٹ میں جہاں الفاظ ''ٹرسٹی''، منیجر و سپرنٹنڈنٹ کا استعمال کیا گیا ہے وہاں ان الفاظ کا اطلاق و معنی وہی ہوں گے جو ایکٹ اوقاف مذہبی ۱۸۶۳ء میں مراد لیے گئے ہیں۔

(۳) ایکٹ نمبر ۲۰ ۔ ۱۸۶۳ء کی تنسیخ: قانون اوقاف مذہبی ۱۸۶۳ء میں اگر کوئی بات اس ایکٹ کے منافی یا معارض ہو تو نفاذ اسی ایکٹ کا ہو گا۔

(۴) کمیٹی: (i) وقف درگاہ کا درو بست اور کنٹرول ایک کمیٹی کے سپرد ہو گا جس کی تشکیل طریقہ مندرجہ دفعات مابعد کے بموجب عمل میں آئے گی۔

(ii) یہ کمیٹی ''درگاہ کمیٹی اجمیر'' کے نام سے موسوم ایک کارپوریشن ہو گی جس کی قائم مقامی دوامی طور پر کمیٹی ہاء مابعد کرتی رہیں گی۔ نیز یہ کمیٹی اپنی ایک مہر رکھے گی اور مذکورہ بالا نام سے بذریعہ پریسیڈنٹ اِرجاع (رجوع) واندِفاع (دفع) نالشات کرنے کی مجاز ہو گی۔

(۵) کمیٹی کی تشکیل: (ا) اس کمیٹی کے ۲۵ ممبر ہوں گے یہ ممبر حنفی مسلمان ہوں گے اور ان میں سے:۔

(الف) ایک سجادہ نشین وقت بحیثیت عہدہ یا اس کا نامزد کردہ کوئی شخص ہو گا۔

(ب) ایک متولی وقت بحیثیت عہدہ یا اس کا نامزد کردہ کوئی شخص ہو گا۔

(ج) دو قوم خدام حضرت خواجہ صاحبؒ کے افراد ہوں گے جن کا انتخاب قوم خدام ہی کے وہ افراد کریں گے جن کے نام اجمیر میونسپل کمیٹی کے رجسٹر ووٹران میں درج ہوں۔

(د) پانچ شہر اجمیر کے ان مسلمانوں میں سے ہوں گے جو سجادہ نشین اور متولی یا خدام نہ ہوں اور ان کا انتخاب خدام کے علاوہ شہر کے وہ مسلمان کریں گے جن کے نام اجمیر میونسپل کمیٹی کے رجسٹر ووٹران میں درج ہوں۔

(ہ) گیارہ وہ ممبر ہوں گے جو میونسپل حدود اجمیر کے رہنے والے نہ ہوں اور جن کا انتخاب مندرجہ ذیل طریقہ پر کیا جائے۔

(1) تین ممبر مرکزی مجالس قانون ساز کے مسلم ممبران منتخب کریں گے۔
(2) ایک ممبر کا انتخاب مسلم ممبران مجلس قانون ساز صوبہ مدراس کریں گے۔
(3) ایک ممبر کا انتخاب مسلم ممبران مجلس قانون ساز صوبہ بمبئی کریں گے۔
(4) ایک ممبر کا انتخاب مسلم ممبران مجلس قانون ساز صوبہ بنگال کریں گے۔
(5) ایک ممبر کا انتخاب مسلم ممبران مجلس قانون ساز ممالک متحدہ کریں گے۔
(6) ایک ممبر کا انتخاب مسلم ممبران مجلس قانون ساز صوبہ پنجاب کریں گے۔
(7) ایک ممبر کا انتخاب مسلم ممبران مجلس قانون ساز صوبہ بہار کریں گے۔
(8) ایک ممبر کا انتخاب مسلم ممبران مجلس قانون ساز صوبہ سرحد شمال ومغرب کریں گے۔
(9) ایک ممبر کا انتخاب مسلم ممبران مجلس قانون ساز صوبہ سندھ کریں گے۔

(و) ایک ممبر ہز اگزالٹیڈ ہائنس نظام حیدر آباد نامزد کریں گے۔

(ز) سلسلہ چشتیہ کی درگاہوں کے چار سجادہ نشین بھی ممبر ہوں گے۔ جنہیں وہ ممبران کمیٹی مل کر مقرر کریں گے جو زیر مدات (الف) تا (و) مذکورہ بالا منتخب یا

نامزد ہوئے ہوں۔

(ii) کوئی شخص کمیٹی کی ممبری کا اہل نہ ہوگا اگر:۔

(الف) وہ اردو لکھ پڑھ نہ سکے یا

(ب) کسی فوجداری عدالت سے کسی ایسے جرم میں تین ماہ سے زیادہ قید کی سزا پاچکا ہو جس میں اخلاقی کمزوری پائی جائے۔

(iii) کوئی شخص اس دفعہ کے فقرہ (۱)(ہ) کے ماتحت اس بناء پر ممبر منتخب ہونے کا نااہل سمجھا جائے گا کہ وہ مجالس قانون ساز متعلقہ کا ممبر نہیں ہے۔

(iv) اگر کوئی انتخاب یا نامزد کنندہ حاکم یا جماعت مجاز چھ ماہ کے اندر ممبر کا انتخاب یا نامزدگی نہ کرے تو مرکزی حکومت کو اختیار ہوگا کہ اس خالی جگہ کو پر کرنے کے لیے ان اشخاص میں سے جو اس جگہ کے لئے ممبری کے اہل ہوں کسی شخص کو نامزد کردے۔

۶۔۷۔۸: یہ تینوں دفعات ترمیم ایکٹ ۱۲۔۱۹۳۸ء کی رو سے منسوخ ہوچکی ہیں۔

۹۔ ممبران کمیٹی کے عہدے کی مدت:

(۱) ان ممبران کے علاوہ جن کا ذکر دفعہ (۵) کے فقرہ (۱) کی ضمنی مدت (الف) اور (ب) میں ہے تمام ممبران کی مدت ممبری ان کے انتخاب یا نامزدگی کی تاریخ سے پانچ سال تک رہے گی اور اس درمیان میں ایسے ممبران کی جو نشستیں خالی ہوں گی وہ انتخاب یا نامزدگی کے ذریعہ ان ہی اشخاص مجاز کے ذریعہ پر کی جائیں گی جنہوں نے اس ممبر کو منتخب یا نامزد کیا تھا۔ جس کی جگہ خالی

ہوئی ہے۔

(ii) اس ممبر کی مدت ممبری جو درمیان میں کسی جگہ یا نامزدگی عمل میں آئی ہے۔

۱۰۔ پریسیڈنٹ اور وائس پریسیڈنٹ: (ا) کمیٹی اپنے ممبران میں سے ایک پریسیڈنٹ اور ایک وائس پریسیڈنٹ کا انتخاب کرے گی، لیکن یہ عہدے دار اُن لوگوں میں سے نہ ہوں گے جن کا دفعہ ۵ کی مدات (الف)، (ب) و (ج) میں ذکر ہے۔

(ii) اگر پریسیڈنٹ کی جگہ خالی ہو یا پریسیڈنٹ کسی جلسے میں غیر حاضر ہوں تو اس حالت میں پریسیڈنٹ کے فرائض وائس پریسیڈنٹ انجام دیں گے

(iii) اگر پریسیڈنٹ اور وائس پریسیڈنٹ دونوں کسی جلسے میں موجود نہ ہوں تو اس جلسہ کی صدارت وہ ممبر کرے گا جس کو حاضرین جلسہ کثرت رائے سے صدر منتخب کریں۔

۱۱۔ کمیٹی کے فرائض واختیارات: (ا) یہ کمیٹی اس کمیٹی کی قائم مقام اور ناسخ ہوگی جو ایکٹ اوقاف مذہبی ۱۸۶۳ء کی دفعہ (۷) کے ماتحت مقرر ہے۔

(۲) کمیٹی کے فرائض واختیارات یہ ہوں گے:۔

(الف) وقف درگاہ شریف کا انتظام۔

(ب) درگاہ شریف کی حدود کے اندر جس قدر عمارات ہیں اور تمام عمارات مکانات دوکانات جو وقف درگاہ شریف میں داخل ہیں ان سب کو اچھی حالت اور مرمت کے ساتھ قائم رکھنا۔

(ج) وقف درگاہ شریف کی کل آمدنی اور روپیہ وصول کرنا۔

(د) یہ خیال رکھنا کہ وقف کی آمدنی صرف اسی طریقے پر صرف

کی جائے جو واقف کی منشاء کے مطابق ہو۔

(ہ) تنخواہیں ''بھتہ'' حقوق اور تمام وہ مطالبات ادا کرنا جن کا بار وقف درگاہ کے محاصل وآمدنی پر ہو۔

(و) وقف درگاہ کے ملازمین کو رکھنا۔ مقرر کرنا۔ ترقی دینا۔ تنزل۔ معطل یا برخواست کرنا۔

(ز) دوسرے وہ سب کام کرنا جن سے انتظام کی بہبودی متصور ہو۔

(۲) کمیٹی حسب صوابدید خود وقف درگاہ کے دروبست ''کنٹرول اور انتظام کے فرائض متولی کے ذریعہ انجام دے گی جو وقف کا منیجر ہوگا۔

۱۲۔ سب کمیٹیاں:۔ کمیٹی کو اختیار ہوگا کہ حسب صوابدید خود مستقل طور پر یا کسی خاص کام کے لئے سب کمیٹیاں مقرر کرے اور ان سب کمیٹیوں کا ممبر ایسے لوگوں کو بھی مقرر کر دے جو خود کمیٹی کے ممبر نہ ہوں یہ سب کمیٹیاں تابع شرائط عائد کردہ کمیٹی ان اختیارات کی حامل ہوں گی اور وہ فرائض انجام دیں گی جو انہیں کمیٹی کی جانب سے تفویض ہوں۔

۱۳۔ کمیٹی پر قانون اسلام اور مسلک بزرگان چشت کی پابندی:۔ سوائے ان امور کے جن کا اہتمام کسی قانون رائج الوقت میں کر دیا گیا ہو کمیٹی اپنے اختیارات کے استعمال اور فرائض کی انجام دہی میں اس اسلامی قانون پر کاربند رہے گی جس کا اطلاق برٹش انڈیا میں حنفی مسلمان پر ہوتا ہے اور ان مراسم کا اہتمام جو قدیم سے رائج ہیں بزرگان چشتؒ کے مسلک کے مطابق کرے گی۔

۱۴۔ قواعد:۔ دفعہ ۵ کے فقرہ (الف) کی ضمنی مدات (ج) و (د) کے ماتحت الیکشن کے متعلق چیف کمشنر کو اسی فقرہ کی ضمنی مد (ہ) کے ماتحت الیکشن کے متعلق ہر دو

مجالس واضعان قوانین متعلقہ پریسیڈنٹوں کو مشترکاً یا مجلس واضعان قوانین متعلقہ کے پریسیڈنٹ کو (جو مناسب حال صورت ہو) ایسے قواعد بنانے کا اختیار ہوگا جن کی رو سے

(۱) ان الیکشنوں کا ضابطہ مقرر کیا جائے اور

(۲) الیکشن کے تنازعات کا فیصلہ کیا جائے۔

۱۵۔ بائی لاز:۔(۱) کمیٹی کو اختیار ہوگا کہ اس ایکٹ کے مقاصد کی تکمیل کی غرض سے بائی لاز مرتب کرے۔(۲) ان اختیارات کی عمومیت میں تخفیف کے بغیر کمیٹی کو امورذیل کے متعلق بائی لاز مرتب کرنے کا خاص طور پر اختیار ہوگا۔

(الف) صدر اور ممبران کمیٹی کے مابین فرائض کی تقسیم

(ب) سب کمیٹیوں اور ان کی مدت واختیارات وفرائض کا تقرر

(ج) کمیٹی اور سب کمیٹیوں کی میٹنگ کا وقت وجگہ کورم وضابطہ کار۔

(د) ملازمین کمیٹی سے حسب صوابدید ضمانت طلب کرنا۔

(ہ) کمیٹی کے دفتر میں جن کتابوں اور حسابات کا رکھنا مقصود ہو۔

(و) درگاہ کی ملک اور فنڈ کی تحویل اور کسی جگہ آمدنی پیدا کرنے کی غرض سے سرمایہ لگانا۔

(ز) وہ جزئیات وتفصیلات جن کا اندراج واخراج درگاہ کے بجٹ میں مقصود ہو۔

(ح) ان اشخاص کا تقرر جو کمیٹی کی جانب سے روپیہ کی وصولیابی کی رسیدات جاری کرنے کے مجاز کیے جائیں۔

(ط) حسابات وگوشوارے اور رپورٹ جو ٹرسٹی، منیجر وسپرنٹنڈنٹ سے پیش

کرانے مقصود ہوں۔

(ی) احاطہ درگاہ شریف میں امن ونظم کا قیام۔

(ک) ٹرسٹی منیجر، سپرنٹنڈنٹ اور دوسرے عہدیدار ملازمین درگاہ کے فرائض و اختیارات

(ل) کمیٹی یا اس کی طرف سے ٹھیکہ دینے کا طریقہ۔

اس دفعہ کے ماتحت کمیٹی جو بائی لاز مرتب کرے گی وہ پہلے مسودے کی شکل میں اعتراضات معلوم کرنے کے لئے درگاہ شریف کی حدود میں آویزاں کر کے شائع کیے جائیں گے۔

۱۶۔ پنچائیت تصفیہ کنندگان:۔(۱) اگر ایک جانب کمیٹی اور دوسری جانب سجادہ نشین متولی اور کسی خادم یا ان میں سے کسی کے درمیان مراعات سجادگی، تولیت یا خادمی کی بابت کوئی تنازعہ پیدا ہو تو وہ تنازعہ فریقین میں سے کسی کی درخواست پر ایک پنچائیت تصفیہ کنندگان کی طرف رجوع کیا جائے گا جس کے اراکین یہ ہوں گے۔

(۱) ایک شخص نامزد کردہ کمیٹی

(۲) ایک شخص نامزد کردہ فریق ثانی

(۳) ایک وہ شخص جو ڈسٹرکٹ جج ہو یا ڈسٹرکٹ جج کے عہدے پر مامور رہ چکا ہو یا ڈسٹرکٹ جج کی جگہ کام کر رہا ہو۔ یا کام کر چکا ہو اور اس کو چیف کمشنر صاحب مقرر کریں۔ اس پنچائیت کا فیصلہ ناطق ہوگا اور کسی عدالت میں اس کے خلاف نالش نہ ہو سکے گی۔(۲) مد(۱) مذکورہ بالا کی رو سے جو معاملہ پنچائیت کی جانب رجوع ہونا چاہیے اس کے متعلق کسی عدالت میں نالش نہ ہو سکے گی۔

۱۷۔ ممبران کی کمی کے باعث کام کا اجرا ناجائز نہ ہوگا:۔ کمیٹی کا کوئی کام یا اس کی کوئی کارروائی محض اس بناء پر ناجائز نہ سمجھی جائے گی کہ اس کام یا کارروائی کے وقت کسی ممبر یا ممبران کی جگہ خالی تھی اور وہ پُر نہ ہوئی تھی۔

۱۸۔ کمیٹی کے اختیارات پر پابندی:۔ درگاہ کمیٹی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وقف درگاہ کی کسی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کو ان مصارف کے علاوہ کسی صرفہ میں لائے جو واقف نے مقرر کر دیئے ہیں۔

۱۹۔ مصارف آمدنی:۔ کمیٹی وقف درگاہ کی آمدنی صرف کرنے میں وقف نامہ کی شرائط کی پابند ہوگی اور وقف درگاہ کی آمدنی کا کم از کم بیس فیصدی حصہ تبلیغ مذہب کے لئے مخصوص کرے گی۔

۲۰۔ سالانہ رپورٹ و جانچ حسابات: (۱) درگاہ کے حسابات کی ہر سال کسی ایسے آڈیٹر سے جانچ پڑتال کرائی جائے گی جس کے پاس سرٹیفیکیٹ زیر دفعہ ۱۴۴مد(۱) انڈین کمپنیز ایکٹ ۱۹۱۳ء موجود ہو۔

(۲) کمیٹی ہر سال درگاہ کے انتظام کے متعلق رپورٹ تیار کرے گی اور یہ رپورٹ مع حسابات درگاہ اور رپورٹ جانچ آڈیٹر "گزٹ آف انڈیا" میں شائع کی جائے گی۔

ایکٹ کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دیوان صاحب کے مقاصد اور عزائم کس قدر بلند اور بے لوث تھے۔ درگاہ کمیٹی کے ممبران کس قدر مؤثر اور ممتاز تھے نیز یہ کہ ان کے انتخاب کا طریقہ کس قدر شفاف اور معیاری تھا۔ پھر یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ حضرت نے کہیں بھی یہ کوشش نہ فرمائی کہ اس درگاہ کمیٹی سے ذاتی مفاد حاصل کیا جائے۔ آپ کے پیش نظر مفاد تھا تو صرف زائرین درگاہ اجمیر کا مفاد تھا یا پھر غرض تھی تو یہ کہ درگاہ خواجہ کا تقدس بحال کیا جا سکے۔

متولی کا منصب اور اس کا خاتمہ

درگاہ خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ میں سجادہ نشین کے ساتھ ساتھ انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے ایک عہدہ متولی کا بھی رکھا گیا تھا۔

حضرت سلطان الہند خواجہ بزرگ اجمیریؒ کے سن وفات ۱۲۳۵ء مطابق ۶۳۳ ھ سے اکبر بادشاہ کے چودھویں سن جلوس (۱۵۷۰ء مطابق ۹۷۷ھ) تک کی مدت ۳۳۵ سال میں عہدہ تولیتِ درگاہ منصب سجادگی کے ساتھ وابستہ رہے۔ یہ سلسلہ خواجہ فخر الدین فرزندِ کلاں خواجہ بزرگ سے شروع ہوا خواجہ حسام الدین سوختہؒ خواجہ معین الدین خورد، خواجہ قیام الدین، بابریال خواجہ تاج الدین بایزید بزرگ اور خواجہ رفیع الدین بایزید خورد اسی دور کے سجادگان و متولی ہیں۔ اس سلسلہ کے آخری متولی خواجہ حسین اجمیری سجادہ نشین و نبیرہ حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ جن سے درگاہ کے واقف اول اکبر بادشاہ نے تولیت سلب کی اور شیخ محمد بخاری کو پہلا سرکاری متولی مقرر کر کے تولیت درگاہ شریف کی تاریخ میں ایک معکوس انقلابی باب کا اضافہ کیا۔

اگرچہ متولی کا قصہ اب قصۂ پارینہ بن چکا ہے کیونکہ عدالت سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ متولی کا منصب محض انتظامی ہے اور اس منصب پر بلا امتیاز رنگ و نسل اور مذہب کسی بھی شخص کو فائز کیا جا سکتا ہے تاہم یہاں اس مقدمے کی جھلکیاں پیش کرنی اس لئے مناسب معلوم ہوتی ہیں کہ اول تو درگاہ کے آخری متولی جنہوں نے حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں قدس سرہ کو مقدمات میں الجھائے رکھا، دوسرے یہ کہ سرکاری متولی بزعم خود قدس مآب بننے کی کوشش کرتے رہے اور کچھ اس لئے بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدمہ کے دوران قدم قدم پر ایسی دستاویزات اور شواہد نیز عدالتوں کی جانب سے وہ فیصلے

سامنے آئے جن سے عظمتِ سجادہ نشین حضرت غریب نوازؒ واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ مقدمہ کی تفصیلات میں پڑے بغیر دستاویزات کے حوالے سے حضرت کی عظمت کے شواہد شامل تحریر کئے جائیں گے تاہم اگر قاری کو مقدمہ کی تفصیلات میں دلچسپی ہو تو وہ کتاب ''عہدہ تولیت درگاہ حضرت خواجہ صاحب اجمیر شریف مرتبہ مرزا عبدالقادر بیگ ایم اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ ممبر کمیٹی درگاہ حضرت خواجہ صاحب اجمیر شریف کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ مقدمہ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخی دستاویزات پر مبنی ایک کتاب ہے جو درگاہ کمیٹی کے حکم سے تمام مواد و دستاویزات حضرات ممبران کمیٹی کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے مرتب کی گئی ہے۔ اس کتاب میں جہاں تک مصدقہ دستاویزات اور سرکاری کاغذات کا تعلق ہے جو عہد اکبری سے دستیاب ہو سکے ہیں فراہم کر دیئے گئے ہیں اور اس سے پہلے کا حال مستند تاریخی کتب سے اخذ کیا گیا ہے۔

ایسی مستند اور معتبر کتاب کو بنیاد بنا کر یہاں اولاد امجاد حضرت خواجہ بزرگ '' بالخصوص سجادہ نشینانِ خواجہ بزرگ کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔

ابوالفضل نے اکبر نامہ جلد دوم میں حضرت خواجہ حسین اجمیری کو اس موروثی تولیت سے ہٹانے کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

> ''جمعے کہ دعویٰ فرزندی خواجہ داشتند وعہدہ تولیت باایشاں مفوض بودو ریاست ایں طائفہ شیخ حسین داشت ۔۔۔۔۔ تولیت آں محل مقدس بہ شیخ بخاری را کہ اکابر سادات ہندوستان کہ بدانش وعقیدت ممتاز بود تفویض فرمودند۔''

شیخ عبدالقادر بدیوانی منتخب التواریخ میں شیخ حسین نبیرہ حضرت خواجہؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے سلب تولیت کے واقعہ کو لکھتے ہیں

''وآں تولیت موروثی چندیں سالہ بدیگراں تفویض یافت''

تقریباً تیس سال بعد حضرت حسین اجمیری کا یہ عہدہ تولیت بحال ہوگیا اور اس سے بڑی دستاویز کیا ہوگی کہ وہی ابوالفضل جو اس واقعہ کو اکبر نامہ جلد دوم میں تفصیل سے بیان کرتا ہے جلد سوم میں لکھتا ہے:

''شیخ حسین را بتولیت مشہد فیض بخش خواجہ معین الدین فرستادند'' (''عہدۂ تولیت'': ص۴)

نیز جہانگیر کے ایک فرمان سے بھی خواجہ حسین اجمیری کے منصب تولیت کی تجدید کا حال معلوم ہوتا ہے۔

''منصب تولیت مزار فائض الانوار حضرت کرامت منزلت ہدایت مرتبت قطب الاقطاب کنز السالکین برہان المحققین غوث الاسلام والمسلمین خواجہ معین الدین حسن الحسینی الچشتی قدس اللہ سرہٗ العزیز بدستور سابق بہ سیادت وفضائل مآب کمالات اکتساب تورع آثار قدوۃ المشائخ الکبار شیخ حسین کہ نبیرہ وصاحب مقام آنحضرت است مفوض ومتعلق باشد'' (عہدۂ تولیت: ضمیمہ) دستاویز نمبر۴

جب شیخ حسین بحال کئے گئے اس وقت شیخ فتح اللہ شیرازی متولی تھے۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیخ حسین کی بحالی کے بعد سرکاری متولیان کا تذکرہ تواریخ و شاہی فرامین اور دستاویزات میں کیوں کیا جا رہا ہے؟ اس سوال کا شافی جواب منتخب التواریخ اور مراۃ الاسرار کی حسب ذیل عبارت سے حاصل ہوتا ہے۔

''القصہ شیخ مشار' الیہ (شیخ حسین) عزیز الوجود وخیلے مغتنم وبرکت روزگار است ہر چند مرا با وسابقہ معرفت نبود آما دریں ایام کہ از سفر

حجاز آمدہ ومحنت بند کشیدہ چناں می نماید کہ تودۂ نوراست ملکیست مجسم سخن دنیا معلوم نیست ہرگز درخلا وملا برزبان زدمی گذشتہ باشد ہمیشہ بریاضت و عبادت و مجاہدت مشغول صائم الدہر و قائم اللیل است"(''عہدہ تولیت'': ص۔۵)

مراۃ الاسرار کے مطابق:

''خواجہ حسین ۔۔۔۔۔ تازمان سلطنت نور الدین جہانگیر بادشاہ صاحب سجادہ خواجہ بزرگ بود قریب صد سال عمر داشت ہمیشہ بعبادات وحق پرستی گذرانید بسیار بزرگ عالیشان بود''۔(عہدہ تولیت:ص۔۶۱۵)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ حسین تولیت پر بحالی کے وقت کافی ضعیف ہوچکے تھے نیز شبانہ روز عبادت وریاضت میں مشغول رہنے کے باعث انتظامی معاملات کما حقہ' چلانا مشکل ہوتا تھا چنانچہ اکبراور جہانگیر نے منصب سجادگی سلسلہ طریقت اور مذہبی وروحانی امور ومراسم حضرت حسین اجمیری تک رہنے دیے جبکہ انتظامی امور سرانجام دینے کے لئے ایک یا کبھی دوآدمی ایسے مقرر کردیئے جوحضرت موصوف کی صلاح و صوابدید سے کام کرتے رہیں تاکہ حضرت کومعاملات درگاہ چلانے میں دقت نہ پیش آئے یہیں سے سجادگی اورتولیت دوعہدے بن گئے جن میں سجادگی مذہبی وروحانی پیشوائی کیلئے اورتولیت انتظامی امور کے لئے طے ہوگئی لیکن متولی کوخاص طور پرسجادہ نشین کے احکام و مشاورت کا پابند کردیا گیا۔ان دونوں مناصب میں سجادہ نشینی حضرت خواجہ بزرگ کی صلبی اولاد میں محصور کردی گئی اورتولیت کے لئے خاندان توکجا قوم ومذہب کی تخصیص بھی نہیں رکھی گئی۔

اکبر و جہانگیر کے عہد میں قائم شدہ یہ نظام اور تقسیم عمل ان مغل سلاطین کے عہد سے انگریزی دور حکومت میں ۱۸۶۷ء تک قائم رہا تا آنکہ یکم جون ۱۸۶۷ء کو ایکٹ نمبر ۲۰ ۱۸۶۳ء کے تحت درگاہ کمیٹی قائم کی گئی۔

شیخ حسین اجمیری کی تولیت پر بحالی کے وقت سے دیوان سید مہدی علیخاں سجادہ نشین کے آخری دم تک، جو اکبر شاہ ثانی کا دور حکومت تھا، جس کی مدت تقریباً سوا دو سو سال سے کچھ زائد ہوتی ہے، سجادگی کے ساتھ تولیت اسی خاندان میں رہی۔

حضرت خواجہ کی صلبی اولاد بر بناء ارث اس اصول کے تحت منصب سجادگی پر فائز ہوتی رہی کہ خاندان میں سے جو شخص حضرت خواجہ کی مستند صحیح النسب نجیب الطرفین اولاد ہوتا تھا اور سابق سجادہ نشین سے رشتہ میں قریب تر ہم جد ہوتا تھا سجادگی اس کا حق سمجھی جاتی تھی۔ مرہٹوں کے دور حکومت میں یہی دستور رہا اور اس کے بعد انگریزی دور حکومت میں بھی متولی سرکار کی جانب سے مقرر کیا جاتا تھا جبکہ سجادہ نشین خواجہ بزرگ کی اولاد میں سے متذکرہ بالا اوصاف کے حامل شخص ہوتے تھے۔

کمشنر اجمیر کرنل ڈکسن نے متولی میر نثار احمد کے والد میر حفیظ اللہ کو متولی مقرر کیا۔ اس سے پہلے ان کے دادا میر عظیم اللہ کو دو مرتبہ کی علیحدگی کے بعد تولیت پر بحال کیا۔ ۱۸۵۵ء میں سجادہ نشین اور متولی کے درمیان پیش آنے والے ایک نزاع و کشمکش پر مطلع ہو کر کمشنر موصوف حسب ذیل حکم لکھتے ہیں:

> ''دیوان جی صاحب سجادہ اولاد خواجہ صاحب ہے بہر صورت واجب ہے کہ متولی اور خدام آداب دیوان جی کا ملحوظ رکھیں۔۔۔۔اور حضور نے کئی بار متولی کو کہلایا، عام کچہری میں بھی حکم دیا کہ اگر متولی اپنی جگہ رکھنا چاہتا ہے تو آداب و قواعد دیوان جی کا ملحوظ رکھے۔ الّا باوجود اس

قدر فہمائش کے تاحال اطمینان حضور نہ ہوا کہ خاطر خواہ تعمیل اس کی متولی نے کر لی ہو اور حضور کو بہر حالت انتظام خاطر خواجہ طرف نوکران درگاہ سے مطلوب اس لیے ہے کہ جب تک آپس میں راہ نہ ہو انتظام آئندہ کا بھروسہ نہیں اور اگر متولی درگاہ حویلی دیوان جی پر جائے اور اطاعت ان کی کرے اور گفتگو اور نوشت خواند بہت درستی سے ہو تو یہ امر مشکل نہیں ہے"۔ ("عہدہ تولیت": ص ۹۔۱۰)

اسی نوع کا ایک حکم جس میں واضح طور پر متولی کو نہ صرف دیوان صاحب کا ادب و احترام کرنے کا پابند بتایا گیا ہے بلکہ اس کی اور صاحبِ سجادہ خواجہ بزرگؒ کی حیثیت اور مرتبہ کو بھی واضح کیا گیا ہے یہ حکم ۱۵ اپریل ۱۸۵۶ء کو جاری ہوا۔

"متولی درگاہ نے درجہ اپنا برابر دیوانجیو لکھا ہے اور یہ بات ہو نہیں سکتی اور طرف متولی درگاہ کے پاس ادب دیوانجی رکھنا ہر صورت سے واجب ہے کیونکہ دیوانجی پوتا خواجہؒ صاحب ہے اور متولی درگاہ نوکر سرکار" (عہدہ تولیت۔ص ۹۷)

ان تمام احکامات کے ہوتے ہوئے متولی کی پہلی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اپنی ذات کو مقدس و معتبر بنائے چنانچہ عرس اور محافل پنجشنبہ میں نشست کے تعین پر بھی سجادہ نشین سے اختلاف کیا جاتا رہا لیکن شاہجہان کے فرمان نے اس مسئلہ کو بھی واضح کر کے دونوں کے درمیان فرق مراتب طے کر دیا' اس ضمن میں شاہجہانی مہر و دستخط سے احکامات جاری ہوئے۔

دستاویز نمبر ۸ شاہجہانی فرمان کی نقل ہے ("عہدہ تولیت"۔ میں مجموعہ دستاویزات اردو' فارسی اور انگریزی صفحات ۲۹ تا ۳۱ پر دیکھی جا سکتی ہیں)۔

۱۹۱۵ء میں سجادہ نشین اور بعض خدام آستانہ کے مابین محفل میں ایک نشست کی

بابت تنازعہ ہوا جس کے طے کرنے کے لئے پیرزادہ محمد حسین ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج پنجاب حکم پنچ مقبولہ فریقین منتخب ہوئے۔ پیرزادہ صاحب نے ۱۹۱۵ء میں فیصلہ دیا جس کی پوری نقل دستاویز نمبر۲ بزبان انگریزی موجود ہے اس فیصلے میں پیرزادہ صاحب تحریر کرتے ہیں:

> ''نشست میں تقدیم و تاخیر کا مشکل مسئلہ شاہجہان بادشاہ کے فرمان نے حل کر دیا ہے۔ یہ فرمان اب تک درگاہ شریف کے پرانے ریکارڈ میں موجود ہے اور اس پر ہر دو فریقین سجادہ نشین و خدام نے اعتماد کیا ہے۔ اس فرمان کی رو سے متولی و مشرف کے بعد جو سرکاری ملازم تھے ابوالمعالی خادم کی نشست مقرر کی گئی ہے جو اپنے زمانے کے ممتاز عالم تھے۔'' (عہدہ تولیت: ص۔۱۱)

اس ضمن میں نشستوں کی وضاحت، ترتیب اور ان حضرات کے نام معلوم کرنے میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے دستاویز نمبر ۹۔۸ کو بطور ضمیمہ آخر میں دیگر دستاویزات کے ساتھ شامل تالیف کیا جا رہا ہے۔

متولی کا منصب اور اس کی نوعیت سمجھ لینے کے بعد آخر میں اس کی کیفیت پر مختصر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میر عزیز علی متولی کے منصب سے علیحدگی کے بعد ۱۸۳۴ء تک متولی کے فرائض دیوان سید مہدی علیخاں سجادہ نشین نے انجام دیئے اور شاہزادہ تیمور تبرکاً اور برائے نام متولی تھے انہوں نے نہ خود کبھی اجمیر کی سکونت اختیار کی نہ تولیت کا کوئی کام انجام دیا۔ (''عہدہ تولیت'' ص۲۲)

دیوان سید مہدی علیخاں کے انتقال کے بعد انگریزوں کی مرکزی حکومت نے متولی کے باب میں بادشاہ دہلی کا دخل ممنوع قرار دے دیا اور اس کا درو بست و انتظام حکامِ انگریزی کے سپرد کر دیا گیا۔ (''عہدہ تولیت'' ص ۸۷، دستاویز نمبر ۳۰ کی ابتداء میں یہ حکم

موجود ہے) اس کے بعد انتظام تولیت درگاہ شریف کے فرائض میر قطب الدین حسین وغیرہ سرکاری امینوں نے انجام دیئے۔۱۸۳۷ء میں حکام انگریزی کو دوبارہ متولی مقرر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ طریقہ سابق کی تحقیقات کی گئیں۔عملہ دیہات قانون گو اور متعلقین درگاہ میں سجادہ نشین اور خدام درگاہ سے رپورٹ طلب کی گئی۔ ان سب نے بالاتفاق رپورٹ کی کہ متولی کے تقرر کا اختیار ہمیشہ والیٔ ملک کو رہا ہے۔

اجمیر شریف پر شاہان مغلیہ کی حکومت دوسو برس تک ۱۵۵۶ء سے ۱۷۵۶ء تک رہی۔ ۱۷۵۶ء سے ۱۷۸۷ء تک ۳۱ سال مرہٹوں کی حکومت رہی۔ بیچ میں تین چار سال کے لئے راٹھور راجپوتوں نے اجمیر پر قبضہ رکھا پھر مرہٹے آ پہنچے اور ۱۷۹۱ء سے ۱۸۱۸ء تک حکومت کرتے رہے۔ شاہان مغلیہ کی مدتِ حکومت (دوسو برس) میں متولیان درگاہ کے حسب ذیل نام درج رجسٹر و معافیات سے مل سکے۔خواجہ حسین، میر فتح اللہ، جلال محمد، عبداللہ، سیف اللہ، بدیع الزمان، بدیع زمان وحبیب اللہ، محمد رضا، حیدر خان ومحسن خان، عابد خان، محمد یوسف، نصیب اللہ، ہمت علی وحید رخان ۔ (''عہدہ تولیت'' ص ۱۴۔)

درج بالا متولیوں میں سید، شیخ پٹھان سب ہی شامل ہیں۔اسی طرح مرہٹوں کے دور حکومت کی فہرست ملاحظہ کیجئے۔ خلیل الرحمان وعطاء اللہ ومحمد عمر، عطاء اللہ، شیام راؤ، عظیم اللہ۔

آپ نے دیکھا اس دور میں فرقہ وخاندان تو کجا قوم و مذہب کی بھی تخصیص نہ کی جاتی رہی۔عطا اللہ اور عظیم اللہ کے درمیان میں شیام راؤ متولی موجود ہیں جبکہ یہ واضح رہے کہ عظیم اللہ، میر نثار احمد متولی کے پردادا تھے۔

۹ دسمبر ۱۹۱۵ء کو میر نثار احمد عہدہ تولیت پر مامور ہوئے۔ کمشنر نے اعلان کیا کہ اگر کسی شخص کو میر نثار احمد کے خلاف اپنا حق ثابت کرنا ہو تو دو ماہ کے اندر اندر ضروری کارروائی کرلے ورنہ سید نثار احمد ولد میر حفیظ علی کو متولی تسلیم کرلیا جائے گا۔اس پر خان صاحب منشی

وزیر بخش پریسیڈنٹ درگاہ نے میر نثار احمد کے خلاف عدالت دیوانی میں دعویٰ دائر کر دیا لیکن دوران مقدمہ میں خان صاحب منشی وزیر بخش کا انتقال ہو گیا اور یہ دعویٰ امور متنازع طے کئے بغیر زائل ہو گیا۔

یکم دسمبر ۱۹۴۰ء کو سید نثار احمد کا انتقال ہوا اور ان کی جگہ جدید متولی کے تقرر کا مسئلہ کمیٹی کے سامنے پیش کیا گیا۔ ۱۹۳۴ء میں نثار احمد نے بلا اجازت اور استصواب کمیٹی اپنے فرزند سید اسرار احمد کو خود ہی نائب متولی مقرر کر دیا تھا۔ نثار احمد متولی کے اس فیصلہ کے خلاف درگاہ کمیٹی نے ۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء ریزولوشن نمبر ۱۱ دستاویز نمبر ۶۷ اور ۲۸ اپریل ۱۹۳۵ء کو ریزولوشن نمبر ۱۳ دستاویز نمبر ۶۸ منظور کئے جن کی رو سے عہدہ تولیت کو غیر موروثی قرار دیا اور واضح کیا کہ اس عہدہ پر تقرر کا حق صرف درگاہ کمیٹی کو حاصل ہے۔ متولی کو اپنا نائب مقرر کرنے کا حق نہیں ہے۔ ریزولوشن نمبر ۱۱ میں لکھا گیا کہ:

''اس عہدہ پر شاہان سلف و برٹش گورنمنٹ اور بعد نفاذ ایکٹ نمبر ۲۰۔ ۱۸۶۳ء خود کمیٹی درگاہ معلیٰ وقتاً فوقتاً متولی مقرر کرتی رہی ہے اور اس تقرر کے لئے خاندان تو کجا کسی مذہب وقومیت کی بھی تخصیص نہیں رہی خود متولی صاحب اس عہدہ پر درگاہ کمیٹی کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور وراثتاً مامور نہیں ہوئے تو ایسی صورت میں ان کو یہ حق کب حاصل ہو سکتا ہے کہ بطور خود اپنا نائب مقرر کر سکیں'' ۔۔۔۔ ''وقف کے معاملات وانتظامات میں اس قسم کی مداخلت نہ صرف قانون گورنمنٹ' شریعت اور رواج کی خلاف ورزی ہے بلکہ مفاد وقف درگاہ شریف کے بھی خلاف ہے اور کمیٹی درگاہ کے اختیارات میں ناقابل برداشت مداخلت ہے جو کسی حال میں روا نہیں رکھی جا سکتی''

(''عہدہ تولیت''، مجموعہ دستاویزات اردو فارسی ص ۱۵۶ تا ۱۵۷)

ریزولوشن نمبر۱۳مورخہ ۱۲۸پریل ۱۹۳۵ء میں پہلے ریزولوشن کی تائید کی گئی ہے نیز یہ بھی لکھا گیا ہے

"ایکٹ نمبر۲۰ کے ماتحت جواختیارات کمیٹی کوتفویض ہوئے ہیں ان میں متولی کے تقرر کا حق شامل ہے جس سے دعویٰ میراث کا ناقابل تردید ابطال ہوتا ہے"۔(عہدۂ تولیت۔ص۔۱۵۸)

دراصل عہدہ تولیت درگاہ شریف' شریعت اور قانون کی روشنی میں اس طرح ہے کہ شرط الواقف کنص الشارع کے مطابق واقفین وقف درگاہ نے اپنی شرائط کا اظہار فرامین کے ذریعہ کیا ہے۔ یہ فرمان ان کی نیت اور منشا کے ترجمان ہیں۔

فقہ حنفی کے مطابق واقف خود وقف کا متولی ہوسکتا ہے۔ دوسرے کو بھی کرسکتا ہے۔اگر منصب تولیت کے بارے میں واقف کی کوئی تصریح یا تعامل موجود نہ ہوتو قاضی یا حاکم وقت متولی کو بربنائے اہلیت مقرر کرسکتا ہے۔ہم کو درگاہ شریف کے وقف کے بارے میں سب سے پہلے اکبر اعظم اور شاہجہان کے احکام دیکھنے چاہئیں کیونکہ اکبر بادشاہ نے ۱۵۶۷ء میں چند مواضعات وقف کئے' ان کے وقف نامہ دستاویز نمبر۱ (عہدۂ تولیت: ص۔۲۵) میں متولی کا کوئی ذکر نہیں ہے البتہ ان کے زمانے کی مستند تاریخی کتابیں اس امر کی شاہد ہیں کہ شہنشاہ اکبر سے پہلے عہدہ تولیت حضرت خواجہ کی اولاد سجادگان سے متعلق تھا چنانچہ اکبر نے جب مواضعات وقف کئے اس وقت تولیت کے فرائض شیخ حسین سجادہ نشین ونبیرہ حضرت خواجہؒ کے ذمہ تھے۔(عہدۂ تولیت: ص۔۶۷) اکبر ہی کے عہد سے حضرت شیخ حسین کے عہدہ تولیت سے ہٹائے جانے اور پھر اس منصب پر فائز ہونے کا واقعہ تفصیل سے گذشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے۔

کتب تاریخ اور جہانگیر کے فرمان نمبر۴ (عہدۂ تولیت: ص۔۱۷) سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جہانگیر نے بھی اکبر کے طریقہ کو قائم رکھا اور متولی کا تقرر خود بلا امتیاز قوم و مذہب ہوتا رہا دوسرے واقف وقف درگاہ شاہجہان نے ۱۶۳۷ء میں وقف نامہ جاری کیا۔ دستاویز نمبر۲ (عہدۂ تولیت: ص۔۱۲\۱۶) سے اس کی تفصیل معلوم ہوتی ہے بہر حال شاہجہان نے بھی اپنے پیش رووٴں کا طریقہ باقی و بحال رکھا۔ شاہجہان کے دور میں منصب سجادگی پر دیوان علم الدین فائز تھے جن کو جاگیر دلواڑہ عطا ہوئی۔ اور سرکاری متولی سید جلال محمد تھے جن کا نام دستاویز نمبر۹، نمبر۱۰، نمبر۱۵ میں مذکور ہے۔

("عہدہ تولیت"۔ص۔۶۸)

درگاہ بل جس وقت مرکزی مجالس قانون ساز میں پیش کیا گیا اس وقت مرزا عبدالقادر بیگ ممبر کمیٹی درگاہ شریف خواجہ صاحب نے واقعات مذکورہ بالا کی روشنی میں ایک استفتاء مرتب کر کے مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعتہ علماء ہند کو بھیجا تھا۔ اس پر مفتی صاحب نے جو فتویٰ دیا وہ دستاویز نمبر۴۷ ہے۔ (عہدہ تولیت: ص۔۱۷۱)۔ اس فتوے میں مفتی صاحب نے حکم شرع شریف کے مطابق اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمایا:

"روداد اور مندرجہ سوالوں سے ظاہر ہے کہ عہدہ تولیت کسی فرد یا خاندان کے ساتھ مخصوص اور موروثی نہیں رہا اور جبکہ شاہان اسلام کے زمانے میں مختلف خاندانوں کے افراد اس عہدہ پر ماموراور معزول ہوتے رہے ہیں تو اب اس عہدہ کو کسی شخص یا کسی خاندان کے لیے موروثی سمجھنا غیر معقول اور غیر مرجہ اور غیر مشروع ہے۔ تولیت کا عہدہ صرف واقف کے خاندان کے لئے جس کے لئے واقف نے شرط کردی ہو موروثی ہے۔

یہ تو طے ہو گیا کہ متولی کا عہدہ موروثی نہیں ہے لیکن درگاہ شریف کی تباہی اور بربادی میں مختلف ادوار میں مقرر رہنے والے متولی صاحبان کا جو حصہ رہا ہے وہ انتہائی قابل

افسوس اور قابل مذمت ہے۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ درگاہ شریف کی تباہی شروع ہوگئی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ عہدۂ تولیت مغلیہ عہد میں تو واقف کی پالیسی پر عمل درآمد ہوتا رہا اور خدام کے حلقہ سے کوئی فرد عہدہ تولیت پر مقرر نہ ہوتا تھا (عہدۂ تولیت: ص۔ ۶۸) لیکن مرہٹوں کے دور میں جب قوم خدام میں سے متولی مقرر کئے گئے تو خوابیدہ فتنے بیدار ہوگئے۔

متولی میر عظیم اللہ دستاویز نمبر ۲۲ (''عہدہ تولیت''۔ ص ۵۸) کے مطابق اعتراف کرتے ہیں کہ وہ بار بار عہدہ تولیت سے معزول ہوئے۔ انہوں نے اور اُن کے بعض اجداد نے جن کو اس عہدہ پر کام کرنے کا موقع ملا' درگاہ کے وقف کو اپنی جاگیر بنانے کی کوشش کی اور اس وقف میں رہن وبیع وغیرہ کی قسم سے ذاتی تصرفات کرتے رہتے تھے۔

۱۸۱۳ء میں ایک متولی عزیز علی عہدہ تولیت پر مامور ہوئے' ان کے وجوہ عزل بادشاہ دہلی نے حسب ذیل لکھے۔

(1) درگاہ کا انتظام حد درجہ خراب وابتر ہے

(2) عزیز علی بددیانت ہے۔ درگاہ شریف کے اسباب پر متصرف ہوگیا ہے۔ دیہات کی آمدنی خورد برد کر جاتا ہے۔ خدما اور خلق اللہ کو ایذا پہنچاتا ہے۔

(3) عزیز علی نے دھوکہ دے کر اور زر خطیر صرف کر کے مرہٹوں سے سند تولیت حاصل کی ہے۔ اس سند کی آڑ میں وہ درگاہ کی آمدنی خورد برد کرتا ہے۔ خائن و غابن ہے۔ اس کا اور اس کی سند کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔

(4) عزیز علی نے بعض دیہات کی آمدنی خورد برد کرنے کی غرض سے بظاہر ان دیہات کا استمراری اجارہ کسی کے نام کر دیا ہے جس سے درحقیقت وہ اپنا مطلب پورا کر رہا ہے۔

(5) عزیز علی معزول ''شعبدہ باز، بدنہاد، فیلسوف، چاشنی خور'' ہے۔ (عہدہ تولیت ص ۷۶)

میر نثار احمد کا تقرر بطور متولی ہوا تو درگاہ کی تباہی میں مزید اضافے کا موجب ہوا کیونکہ وہ درگاہ کمیٹی کے ممبران میں نزاع کے باعث بنے رہے چنانچہ ۱۸۸۸ء میں انہیں عہدہ نائب متولی سے برطرف کیا گیا جس کا سبب عدالت کے فیصلہ دستاویز انگریزی نمبر ۸ میں بیان کیا گیا ہے کہ

''نثار احمد خود کو درگاہ کمیٹی کی ماتحتی سے اس طرح آزاد سمجھتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کمیٹی کے مقابلے میں اپنی حیثیت ہی کو اچھی طرح نہیں پہچانا ہے''۔

(''عہدہ تولیت''، مجموعہ دستاویزات انگریزی۔ ص ۲۲ تا ۲۵)

یہی نہیں، عہدہ تولیت میں میر نثار احمد پر دستاویزات کے حوالوں سے جو الزامات لگائے ہیں ان کی تعداد گیارہ ہے جس میں نذورات کا غلط استعمال، رہائشی حویلی کا کرایہ، جو اس وقت ساٹھ ستر روپے کے حساب لازماً ملنا چاہئے تھا، اس کے بجائے محض دو آنے ماہوار ادا کرنا، حویلی کی مرمت کے نام پر غبن کرنا، خطیر رقم درگاہ سے قرض لے کر ادا نہ کرنے جیسے سنگین الزامات شامل ہیں۔ (تفصیلات کیلئے دیکھئے '' عہدہ تولیت'' صفحات ۸۷ تا ۸۵)

تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو اس تاریخی دستاویز عہدہ تولیت میں ''خاتمہ کلام'' کے عنوان سے جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس کی ابتداء میں حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کی قربانی اور خلوص کا اعتراف جن الفاظ میں کیا گیا ہے۔ وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے:

''ہم صفائی کے ساتھ یہ امر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس ادب و احترام کے باوجود جو صاحب سجادہ حضرت خواجہؒ کے لیے ہمارے

دل میں موجود ہے،ہم نظم وانتظام کی باگ تنہا ان کے ہاتھوں میں بھی
دینا پسند نہیں کر سکتے اگر چہ ہم جانتے ہیں کہ خود صاحب سجادہ کی
طرف سے اس قسم کی کسی خواہش اور جذبہ کا اظہار نہیں کیا گیا
ہے۔ درگاہ بل کے متعلق رائے عامہ کا مجموعہ گورنمنٹ نے شائع
کیا۔اس سے رائے عامہ کا یہ رجحان بھی معلوم ہوا تھا کہ سجادہ نشین
آستانہ عالیہ کو بحیثیت عہدہ درگاہ کمیٹی کا پریسیڈنٹ بنایا جائے۔
ممبران اسمبلی میں بھی یہ رجحان موجود تھا لیکن اس کے باوجود حضرت
صاحب سجادہ، ہم مقامی کارکنان کی درخواست کو قبول فرما کر بطیب
خاطر اس عہدہ کو آزاد اور بے لوث ممبران ہی کے لئے مخصوص کر
دینے پر رضامند ہوگئے۔ درگاہ بل کے محرک اول راجہ غضنفر علی خان
صاحب نے کونسل آف اسٹیٹ کے اجلاس میں برسر عام صاحب
سجادہ کے ایثار کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی خدمت میں ہدیہ
تبریک پیش کیا اور کہا کہ حضرت سجادہ نشین نے بل میں اپنے
مفاد کے لئے کسی دفعہ کے اضافہ کی کوشش نہیں کی بلکہ صرف اپنے جد
امجد حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ کے اچھے انتظام کی خواہش
کی اور بس''۔

جبکہ ۱۴ اگست ۱۹۴۶ء کے روزنامہ ''انقلاب'' لاہور کی یہ خبر متولی کے جھگڑے کو
اس طرح ختم کرتی ہے۔خبر کی سرخی اس طرح دی گئی تھی۔

''درگاہ خواجہ صاحب اجمیر کے سابق متولی کی اپیل پریوی کونسل میں مع خرچہ
خارج ہوگئی''

خبر کی تفصیل کچھ اس طرح سے دی گئی تھی:

''۱۹۳۶ء میں جب درگاہ ایکٹ منظور ہوا تو ایکٹ میں متولی کو کوئی خاص قانونی حیثیت نہیں دی گئی تھی بلکہ ممبران اسمبلی کے باہمی مشورہ و اتفاق سے یہ طے کیا گیا تھا کہ یہ مسئلہ نہایت اہم اور نازک ہے۔ اس کا تصفیہ عدالت پر چھوڑا جائے۔۔۔ خود متولی اور اس کے حامی یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے کہ عہدہ تولیت موروثی ہے اور متولی نہ کمیٹی کا تابع ہے نہ وقف کا ملازم۔ (مقدمہ چلتا رہا) اب سید اسرار احمد کی پریوی کونسل میں دائر اپیل کا فیصلہ لندن میں سنایا گیا اور فریقین کو ان کے وکلاء نے اس فیصلہ سے آگاہ کیا ہے اور جوڈیشنل کمشنر اجمیر میرواڑہ ہی کے فیصلے کی توثیق کی گئی ہے۔'' اس خبر کے آخر میں خبر جاری کرنے والے کا نام اور دستخط مرزا عبدالقادر بیگ ایم۔اے' ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ اجمیر وائس پریذیڈنٹ درگاہ کمیٹی حضرت خواجہ صاحب اجمیر درج ہے۔

درگاہ شریف اور حضرت کے معمولات

''اخبار الاخیار'' کے مطابق ابتداء میں خواجہ بزرگ کی قبر مبارک اینٹوں کی تھی پھر اس کے بعد صندوق اس کے اوپر بنا دیا اور پہلی قبر کو اسی حال میں چھوڑ دیا گیا۔ آپ کی قبر شریف کی بلندی اسی سبب زیادہ ہو گئی۔ اوّل جس نے مقبرۂ خواجہ کو تعمیر کیا وہ حضرت خواجہ حسین ناگوریؒ تھے اس کے بعد دروازہ اور خانقاہ علاقہ مندو کے ملوک نے بنائے تھے۔

اندرون روضہ مبارک یہ اشعار آبِ زر سے لکھے گئے ہیں

خواجۂ خواجگان معین الدیں — اشرف الاولیائے روئے زمیں
آفتابِ سپہر کون ومکاں — بادشاہ سریر ملک یقیں
در جمال و کمال اوچہ سخن — ایں مبیّن بود بحصنِ حصیں
مطلع درصفات او گفتم — درعبارت بود چو در ثمیں
اے درت قبلہ گاہ اہل یقین — بردرت مہر و ماہ سود جبیں
روئے بر درگہت ہمیں سانید — صد ہزاراں ملک چو خسرو چیں
خادمان درت ہمہ رضواں — درصفا روضہ ات چو خلد بریں
ذرّۂ خاک او عبیر سرشت — قطرۂ آب او چوما معیں
نورچشم معین خواجہ حسیں — بہر نقاشیش بگفت چنیں
کہ شودرنگ کہنہ تازہ زنو — قبۂ خواجۂ معین الدیں
الہیٰ تابود خورشید و ماہی — چراغِ چشتیاں را روشنائی

مذکورہ بالا اشعار ہر روز روشنی کے وقت پڑھے جاتے ہیں۔ ان اشعار کا مضمون واضح طور پر بتا رہا ہے کہ خواجہ حسیں جانشیں خواجہ غریب نواز اجمیری تھے۔ آپ خواجہ ابوالخیر کے حقیقی بھائی تھے۔

مزار مبارک خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچنے کے دو راستے بیگمی دالان سے آتے ہیں۔ دونوں دروازے چاندی کی بھاری پتریوں سے خوبصورتی کے ساتھ مرصع ہیں۔ گنبد شریف سفید سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے جس پر سونے کا کلس ہے۔ مزار پر روزانہ صندل اور عطریات لگائے جاتے ہیں۔ مزار مبارک ہمیشہ بہت قیمتی غلافوں سے ڈھکا رہتا ہے۔ جہانگیر بادشاہ کا پیش کردہ قیمتی چھپر کھٹ مزار مبارک پر لگا ہوا ہے۔ چھپر کھٹ کے چار ستونوں کے درمیان کٹہرا لگا ہوا ہے۔ کچھ فاصلہ پر چاروں طرف چاندی کا بنا ہوا دوسرا کٹہرا ہے۔ زائرین کو گنبد شریف میں پھول نچھاور کرنے کا اور فاتحہ خوانی کیلئے یہیں تک آنے کی اجازت ہے۔ خواجہ صاحب کا جوار زائرین پر وجد آفریں اور روح پرور اثرات مرتب کرتا ہے۔

مزار بی بی حافظ جمال: خواجہ صاحب کی صاحبزادی کا مزار مبارک مزار خواجہ کے جنوبی رخ پر ہے۔ مزار پر کلس کے ساتھ گنبد شریف ہے۔ دروازہ پر چاندی کی پتری چڑھی ہوئی ہے۔

جنتی دروازہ: مزار شریف کی مغربی جانب یہ دروازہ واقع ہے۔ یہ دروازہ بھی چاندی کی پتریوں سے مزیّن ہے۔ سال میں صرف چار بار یہ دروازہ کھولا جاتا ہے۔ عیدین پر صرف ایک ایک دن، چھ رجب المرجب گویا چھٹی شریف خواجہ صاحب کے موقع پر ایک دن خواجہ صاحب کے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کے عرس پر یہ دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اس دروازہ سے گزرنے کیلئے زائرین اس قدر بے چین ہوتے ہیں کہ ہنگامی صورت میں زائرین کے زخمی ہونے کے واقعات بھی پیش آجاتے ہیں۔

اکبری مسجد: شاہجہانی مسجد اور بلند دروازہ کے درمیان دائیں جانب اکبری مسجد واقع ہے جو سرخ پتھروں سے بنی ہوئی ہے۔ اکبری مسجد کے صدر دروازے کے آثار اتنے بڑے ہیں کہ اس کے دونوں جانب سیڑھیاں تھیں۔ دروازے پر ہی ایک چھوٹا صحن اور حجرہ شریف تھا جس میں موئے مبارک نبی کریم ﷺ موجود تھا جس کی زیارت ربیع الاوّل شریف میں

کروائی جاتی تھی۔ دیوان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس مسجد میں نماز جمعۃ المبارک ادا فرماتے تھے اور ہر جمعہ کی نماز کے بعد خصوصی طور پر موئے مبارک کی زیارت کرتے تھے اس کے بعد وہیں موجود بالکونی سے درگاہ شریف کی طرف رخ کر کے خشوع وخضوع کے ساتھ دعا فرمایا کرتے تھے۔

نظام گیٹ: میر عثمان علی خاں نظام حیدرآباد دکن نے درگاہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ صدر دروازہ تعمیر کروایا تھا۔ یہاں سے وقفہ وقفہ سے رات دن میں مقررہ وقت پر نقارہ بجایا جاتا ہے اس گیٹ پر کھڑے ہو کر درگاہ بازار کا نظارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ عرس کے موقع پر یہاں سے نفیریاں، گھڑیال اور جھانجھ وغیرہ بجائے جاتے ہیں۔ روزانہ عصر مغرب کے وقت چراغی کی علامت کے طور پر نقارہ بجایا جاتا تھا جو اس بات کی علامت ہے کہ آستانہ شریف پر چراغ روشن ہوں گے اور دعا ہو گی۔

ہر جمعرات عشاء کے بعد دیوان صاحب کی صدارت میں آستانہ عالیہ کے سامنے جنتی دروازہ کے مقابل محفل ہوتی تھی۔ گھڑیال بجا کر دیوان صاحب کو یہ اطلاع دینی مقصود ہوتی تھی کہ آستانہ شریف میں محفل کے انتظامات شروع ہو چکے ہیں۔ دوسرا گھڑیال بجنے کا مطلب یہ تھا کہ تیاری مکمل ہو چکی ہے۔ اس کے بعد درگاہ کا سٹاف چار فانوس فلیتہ اور گھڑیال لیکر حویلی دیوان صاحب آتا تھا۔ دیوان صاحب کے نظام گیٹ پہنچنے پر پہلا قدم رکھتے ہی تمام ساز ایک ساتھ بجائے جاتے تھے۔ شاہجہانی گیٹ پہنچنے پر وہاں رکھے ہوئے نقارے بجا کر یہ اطلاع دی جاتی تھی کہ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے لخت جگر سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف حضرت دیوان صاحب شاہجہانی گیٹ تک پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ منتظمین اور زائرین حضرت کا استقبال کرنے کے لیے با ادب کھڑے ہو جائیں۔ دیوان صاحب جیسے ہی غلام گردش سے ہوتے ہوئے اپنی مسند پر

پہنچتے تو متولی کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے دیوان صاحب کے مسند آراہونے کیساتھ ہی فاتحہ خوانی کی جاتی اور ایک دستر خوان بچھا دیا جاتا تھا جس کے دونوں اطراف چاندی کے اگردان رکھے جاتے۔ جس میں لوبان جلائی جاتی تھی۔ فاتحہ کے بعد محفل سماع شروع ہوتی تھی اس محفل میں قوالوں کی قدیم دور بادشاہت سے نسل در نسل مقرر تین چوکیاں تھیں۔ چوتھی چوکی عظیم پریم راگی کی تھی جو کہ دیوانصاحب سیّد آلِ رسول علیخاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مقرر فرمائی تھی۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار قوال چوکیاں ہوتی تھیں جن کو بمشکل چند منٹ کیلئے بطور تبرک و سعادت قوالی پیش کرنے کا موقع ملّ جاتا تھا۔ اختتامی فاتحہ کیلئے شیرینی دستر خوان پر سجادی جاتی تھی فاتحہ شریف کے بعد شجرہ شریف اور سجادہ نشین وقت کی سلامتی، عزت، صحت اور ان کی اولاد کی صحت و سلامتی کیلئے دعا کی جاتی تھی اس دعا کو ''سلامتی'' کہا جاتا تھا۔

قوالی کے اختتام پر درگاہ شریف کی جانب سے دیوان صاحب کیلئے خلعت لانے کا انتظام تھا۔ خلعت چوب داروں کے ذریعہ منیجر درگاہ کے ساتھ لائی جاتی تھی۔ منیجر درگاہ خلعت پوشی کی رسم ادا کرتے تھے۔

قوالی کی محفل کے دوران ایک وقفہ دیا جاتا تھا جس میں مزار مبارک کو غسل دینے کیلئے دیوان صاحب اور اُن کے متعلقین گنبد شریف میں داخل ہوتے تھے۔ عرق گلاب، عرق کیوڑا اور عرق بید مشک کے آمیزہ سے مزار شریف کو غسل دیا جاتا۔ صندل کا برادہ دیگر کئی خوشبویات کے برادے سے رگڑ کر مزار مبارک کی دھلائی کی جاتی تھی۔ مزار مبارک کو غسل دینا دیوان صاحب کا اعزاز تھا۔ چاندی کے آفتابہ سے عرقیات ڈالے جاتے تھے۔ متولی یا منیجر پچھلے کٹہرے پر کھڑا ہو کر آفتابہ کی لمبی ٹونٹی کے ذریعہ سے ہی عرق ڈالتے تھے۔

مزار مبارک پر ایک ایسا ڈھلوان بنا ہوا تھا جس کے ذریعہ تمام عرقیات جمع ہو

کر ایک بڑے پیالہ میں جمع ہو جاتے تھے۔ یہ عرق اور صندل وغیرہ دستر خوان پر رکھ دیئے جاتے تھے فاتحہ شریف کے بعد محفل کے اختتام پر جب یہ پیالہ دیوان صاحب کے ساتھ حویلی دیوان صاحب پہنچا دیا کرتے تھے تو دیوان صاحب کے صاحبزادے سیّد آلِ طٰہٰ پیرزادہ اپنی کم عمری کے باوجود یہ سعادت پاتے تھے کہ نیمہ شریف' صندل اور ان عرقیات کو چھوٹی چھوٹی بوتلوں اور پیکٹوں میں تقسیم کر کے حویلی دیوان صاحب آنے والے مہمانوں اور زائرین میں ان کی فرمائش پر بطور تبرک پیش کیا کرتے تھے۔ حویلی دیوان صاحب آنے والے مہمانوں کے اعزاز کیلئے سفید اور جوگیا صافے بھی دیئے جاتے تھے۔

قل کی محفل بڑی روح پرور ہوتی تھی۔ اس کے اختتام پر دیوان صاحب کے حویلی دیوان صاحب واپس آنے کے بعد علماء مشائخ' درویش' ملنگ اور خواجہ کے مستانے سجادہ نشین سے الوداعی ملاقات کرنے آتے تھے۔ ان میں کسی کے ہاتھ میں جھنڈے ہیں تو کوئی نفیری بجا رہا ہے۔ کوئی رقص کرتے ہوئے آتا تھا۔ قافلوں کی صورت میں یہ لوگ آ کر پھولوں' پھلوں اور نقدی کی صورت میں نذرانہ پیش کرتے تھے اور دیوان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملنگوں کو سفید پگڑیاں اور مشائخ عظام کو جوگیا صافہ باندھا کرتے تھے۔

حویلی دیوان صاحب میں دیوان صاحب کے تمام عزیز و اقارب عرس کے ایام میں اپنی اپنی رہائش کی ضروریات محض ایک ایک کمرے تک محدود کر کے باقی تمام کمرے مہمانوں کے لیے خالی کر دیتے تھے۔ جگہ جگہ ٹھنڈے پانی کے مٹکے رکھ دیئے جاتے تھے تا کہ زائرین کو زیادہ سے زیادہ سہولت ملے۔ زائرین کے لئے بجائے خود یہ ایک اعزاز تھا کہ ان کو درگاہ کے متصل حویلی دیوان صاحب میں رہائش کی سعادت حاصل ہوئی مختلف ریاستوں' دکن جے پور' بیکانیر فتح پور کے زائرین یہاں ٹھہرنے کی سعادت حاصل کرتے رہتے تھے۔

لنگر خانہ: یہ وہ جگہ ہے جہاں دن میں دو دفعہ غرباء اور مساکین میں لنگر تقسیم کیا جاتا ہے۔

اس لنگر میں ''جو'' کا میٹھا لنگر خاص و عام میں بطور تبرک صبح سویرے نماز فجر سے تقسیم کیا جاتا تھا۔ لگ بھگ نو بجے یہ لنگر ختم ہو جاتا تھا۔ شام کو ''جو'' کا نمکین لنگر ہوتا تھا جو ایک خاص مقدار میں بلا امتیاز امیر و غریب میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ یہ انتظام درگاہ شریف کی انتظامیہ کے سپرد تھا۔ اس کے علاوہ درگاہ شریف میں دو بڑی بڑی دیگیں بھی قابل دید ہیں۔ یہ دیگیں مغل بادشاہوں اکبر اور جہانگیر نے تعمیر کروائی تھیں۔ ان میں بڑی دیگ میں سو من چاول پکائے جاسکتے ہیں جو کہ ہزاروں زائرین کیلئے کفایت کرتی ہے۔ جبکہ چھوٹی دیگ میں ساٹھ من چاول پکائے جاسکتے ہیں۔ ان دیگوں کے پکوان بہت لذیذ ہوتے ہیں۔ روایت کے مطابق ایک شخص اپنی جانب سے پکواتا ہے۔ دیگ پکانے کا طریقہ یہ تھا کہ تمام اجناس مع گھی پانی چاول بیک وقت ڈال دیئے جاتے تھے۔ لٹھے کے تھان سے دیگ کا منہ بند کر کے رات بھر ایک خاص قسم کی خشک گھاس دیگ کے نیچے جلا کر دیگ پکائی جاتی تھی چولہے اتنے اونچے تھے کہ پانچ قدم چڑھ کر اوپر آنا پڑتا تھا جبکہ ہر قدم تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچا ہے۔ دیگ تقریباً فجر کے وقت تیار ہوتی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر فاتحہ خواں دیگ کے منہ پر پہنچ جاتے تھے۔ دیگ لوٹنے کا منظر بھی قابل دید تھا' دیگ لوٹنے والوں کا ایک خاندان مقرر تھا جو اندر کوٹ میں آباد تھا۔ دیگ لوٹنے کا منظر دیکھنے کیلئے سرکاری افسران اور ان کی بیگمات بھی خصوصی طور پر آتی تھیں۔ دیگ لوٹنے کے بعد یہ خاندان اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کیا کرتے تھے جس کیلئے انہیں ہدیہ دیا جاتا تھا۔ دیگ لوٹنے والے بھاپ سے بچنے کیلئے خاص لباس پہن کر دیگ کے دہانے پر آتے تھے۔ ابتداء میں ہاتھوں سے بالٹیاں بھری جاتی تھی پھر لکڑی کی سیڑھی اتار کر دیگر میں نیچے اتر جاتے تھے۔

چلہ بڑے پیر صاحب کے پہاڑ پر ایک توپ رکھی ہوئی تھی، جس کیلئے ایک توپچی درگاہ شریف کی جانب سے مقرر تھا یہ توپ رمضان شریف میں سحر اور افطار کی اطلاع کیلئے

چلائی جاتی تھی ۔اس کے علاوہ درگاہ شریف کی مراسم کیلئے اطلاع کے طور پر داغی جاتی تھی ۔
اس کا بنیادی تعلق سجادہ نشین کی تعظیم وتکریم کی بجا آوری سے تھا۔ایام عرس میں نظام گیٹ پر
پہنچنے پر ایک توپ داغی جاتی تھی شاہجہانی گیٹ پر پہنچنے کی اطلاع کیلئے توپ چلائی جاتی تھی
کہ دیوان صاحب رحمۃ اللہ علیہ محفل خانہ میں غلام گردش تک پہنچ گئے ۔ایام عرس میں ہر
شب اسی طرح محفل میں دیوان صاحب کی تشریف آوری کی اطلاع دی جاتی تھی۔قل
شریف کے دن بھی اسی طرح دیوان صاحب کی آمد کی مرحلہ بمرحلہ اطلاع کیلئے تین توپیں
داغی جاتی تھیں ۔دیوان صاحب کی خلعت پوشی کے وقت جیسے ہی آپ خلعت پہننے کیلئے
کھڑے ہوتے ایک توپ داغی جاتی تھی۔

''سماع''

چشتیہ سلسلہ میں محافلِ سماع کو بہت اہمیت حاصل ہے۔اعراس کے موقع پر قوالی کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے چنانچہ نہایت مناسب ہوگا کہ اس مرحلہ پر سماع کے موضوع پر بھی گفتگو کر لی جائے۔سماع کے متعلق شمس بریلوی نے بہت خوب لکھا ہے کہ یہ موضوع علمائے کرام اور صوفیاء کرام کے درمیان متنازع فیہ رہ چکا ہے بلکہ اب بھی ہے اس لئے اس موضوع کو چھیڑنا ایک طویل بحث کا آغاز کرنا ہے لیکن اگر ذکر خواجہ غریبؒ نواز میں اس مسئلہ کو نظر انداز کر دیا جائے تو سوانح حیات میں ایک بڑی کمی رہ جائے گی اس لئے اس مسئلہ پر بھی قلم اٹھانا ضروری ہے۔میں تو یہ کہوں گا کہ سماع اس تواتر اور تسلسل سے چشتیہ سلسلہ میں جاری ہے کہ کسی بھی چشتی بزرگ کا ذکر اس مسئلہ پر اظہار خیال کے بغیر مکمل نہیں ہوتا ہے۔ اصل مسئلہ سماع کا نہیں بلکہ ''سماع'' کی تعریف وتوضیح کا نظر آتا ہے۔بالکل اسی طرح کہ ایک طرف قرآن پاک میں واضح طور پر موجود ہے۔''**وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ**'' (الشعرا: ۲۲۴)'' یعنی شعراء کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں یا شعراء گمراہی کی پیروی کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف جب حضور سرکار دو عالم ﷺ سے شعر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا''**کلام حسنه حسن و قبحه قبیح**''یعنی وہ ایک کلام ہے اور اس کا اچھا اچھا ہے اور برا برا ہے پھر سرکار دو عالم ﷺ کی حیات مبارک میں بے شمار مواقع پر شعر کی پسندیدگی اور شاعر اور شعر خواں کو پسندیدگی کی سند ملتی ہے۔چنانچہ سماع ممنوعات سے خالی اور دل کو فرحت اور پاکیزگی پہنچانے والا ہو،تو کیوں کر ممنوع ہوسکتا ہے؟

سماع کی بحث کے اگلے حصہ میں مزامیر اختلافی موضوع بنتے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں دف بھی ایک طرح کا آلۂ موسیقی ہے لیکن رحمت دو عالم ﷺ جب مکہ معظمہ سے

مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرماتے ہیں تو بنی نجّار کی لڑکیاں دف بجا کر آپ کا استقبال کرتے ہوئے۔

طلع البدر علینا من ثینات الوداع

وجب الشکر و علینا ما دعاء للہ داع

یعنی چودھویں رات کے چاند نے وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر طلوع کیا۔ ہم پر شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والا اللہ سے دعا مانگے۔ کہا جا سکتا ہے کہ کلام پاکیزہ تھا، نیت بخیر تھی یعنی اللہ کے حبیبؐ کی تعریف و توصیف کر کے مقصود رضائے مصطفیؐ اور رضائے الٰہی تھی۔ تو ''سماع'' جائز تھا۔ ظاہر ہے اولیائے چشت اہل بہشت جو دنیا سے بے نیاز ہو کر خوشنودئ رب کے لیے بڑے بڑے مجاہدے کرتے رہے۔ حصول علم کے لیے دور دراز کے سفر کرتے رہے سماع کو شرائط کے ساتھ جائز سمجھتے رہے تو یہ محض دل لگی کے لیے نہیں تھا بلکہ ان کے نزدیک سماع باعث تقرب الٰہی تھا۔ حضرت خواجہ بختیار کا کی جو قطب الاقطاب کے عظیم منصب پر فائز تھے ان کا وصال ہی سماع کے دوران

''کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است''

پر وجد کی حالت طویل ہو جانے پر ہوا۔ میرا دل اور کسی بھی اہل محبت کا دل یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو سکتا کہ خواجہ موصوف ممنوعات بلکہ حرام میں پڑے ہوئے تھے؟ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے سامنے جب سماع پر اعتراض کیا گیا آپ نے فرمایا ''سبحان اللہ یکے سوخت و خاکستر شد و دیگر ہنوز در اختلاف است۔ بابا صاحبؒ کا یہ جواب بہت قوی، اور فطرت کے عین مطابق ہے۔ موسیقی اور خوش الحانی اللہ تعالیٰ نے انسان تو انسان ہر ذی روح کی فطرت میں رکھی ہے۔ بہت سے پرندے قدرتی طور پر بہت خوش الحان اور گلے میں موسیقی کا عنصر رکھتے ہیں۔ آج کل دروازوں پر لگائی جانے والے گھنٹی ''ڈنگ ڈانگ'' ایک پرندے کی

آواز پر بنائی گئی ہے۔ اہل عرب اپنے اونٹوں کے سامنے حدی خوانی کر کے تیز دوڑنے پر آمادہ کرتے تھے۔ سانپ پر بین کا اثر، بارہا دیکھا گیا ہے۔ انسان کا وہ کم سن بچہ جو کسی ''زاہد خشک'' کی حدود و قیود میں نہیں آتا وہ بھی موسیقی سن کر جھوم اٹھتا ہے۔ گویا موسیقی یا سماع انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جنس سے رغبت انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اسلام جو دینِ فطرت ہے اس نے جنس پر بھی کھلی پابندی نہیں لگائی بلکہ نکاح کی سنت کے طریقہ سے مسلمانوں کو بے لگام ہونے سے روک دیا گیا، اسی طرح موسیقی سے بھی بالکل رہبانیت کا راستہ اختیار کرنے کا درس دینا کسی طرح مناسب اور درست نہیں۔ موسیقی کو زاہدان خشک کی جانب سے مطلقاً حرام قرار دے دیا جاتا ہے جبکہ مستند لغات کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ موسیقی کے معانی ایسا کرنے کی کھلی اجازت ہرگز نہیں دیتے۔ فرہنگ آصفیہ کے مطابق ''موسیقی۔ معرب۔ اسم مذکر:۔ گانے بجانے کا علم: راگ کا نام۔ چونکہ موسیقار یونانی زبان میں آواز کو کہتے ہیں۔ پس علمِ موسیقی آوازوں یعنی راگوں کا علم کہلانے لگا۔ (صاحب بہار۔ مصطلحات وغیاث نے لکھا ہے کہ یہ سُریانی لغت ہے کبھی بحذف چہارم موسقی بھی کہتے ہیں۔ یونانی زبان میں اس کے معنی لحن یعنی آوازِ موزوں یا خوش آوازی کے ہیں۔ بقول فخر الدین رازی اس علم کی ابتداء فیثا غورث' شاگرد سلیمان علیہ السلام سے ہے۔ بعض حضرات داؤد علیہ السلام سے منسوب کرتے ہیں اور بعض کا یہ قول ہے قُقنس جانور کی آواز سے حکماء نے یہ علم نکال کر آسمان کے بارہ برجوں کے مطابق بارہ مقاموں پر منقسم کیا ہے اور ان مقامات کے درجے رات دن کی گھڑیوں کے موافق چوبیس مقرر کئے گئے ہیں بلکہ اُن میں موسموں کا بھی لحاظ رکھا ہے۔''

لفظ ''موسیقار'' کے معانی فرہنگِ آصفیہ نے یہ دیئے ہیں ''اسمِ مذکر: ایک باجہ کا نام ہے۔ جس میں چھوٹی بڑی نلیاں مثلث کی شکل پر باہم جڑی ہوتی ہیں اور نیز ایک پرندکا

نام بھی ہے جس کی چونچ میں بہت سے سوراخ ہوتے ہیں اور اُن میں سے طرح طرح کی آوازیں نکلتی ہیں۔ ققنُس بھی اسی کو کہتے ہیں۔ جب یہ بوڑھا ہو جاتا ہے تو لکڑیاں جمع کرتا اور اپنی سُروں سے اس میں آگ لگا کر جل بھن کر راکھ ہو جاتا ہے۔ اس راکھ میں ایک انڈا خود نمودار ہو جاتا ہے اور اس میں سے پھر موسیقار پیدا ہو کر اڑ جاتا ہے۔ کہتے ہیں حکیموں نے علم موسیقی اسی سے نکالا ہے۔ مفصل کیفیت لفظ ققنس میں دیکھو۔

جب فرہنگ آصفیہ میں لفظ ققنس کا مطالعہ کیا تو یہ وضاحت سامنے آئی "ققنس (یونانی مخفف ققنوس) اسم مذکر: ایک نہایت ہی خوش رنگ اور خوش آواز پرندے کا نام جس کی نسبت اہل لغات کا بیان ہے کہ اس کی چونچ میں تین سو ساٹھ سوراخ ہوتے اور ان میں سے ایک ایک راگ نکلتا ہے۔ جب اسے بھوک لگتی ہے تو کسی بلند پہاڑ پر ہوا کے رخ پر بیٹھتا ہے۔ جس کے سبب عجیب وغریب سُر نکلتے اور ان کی آواز پر بہت سے پرندے فریفتہ ہو کر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور یہ ان میں سے دو چار کو پکڑ کر چٹ کر جاتا ہے۔ اس کی عمر ہزار سال کی ہوتی ہے اور جوڑا نہیں ہوتا۔ جب پورے ہزار برس گزر جاتے ہیں تو اس کی عمر طبعی اخیر ہو جاتی ہے۔ اس وقت یہ بہت سی سوکھی لکڑیاں جمع کرتا اور اُن پر بیٹھ کر مستی کے عالم میں گاتا اور پروں کو جھر جھراتا ہے۔ جس وقت دیپک راگ اس کی چونچ سے نکلتا ہے تو اُن لکڑیوں میں آگ لگ جاتی ہے اور یہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ خدا کی قدرت سے اس راکھ پر مینہ برستا ہے اور اس میں سے ازخود انڈا پیدا ہو جاتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد پھر اس میں ققنس پیدا ہوتا ہے اور پرورش پاتا ہے۔ فارس کے شعراء اسے آتش زن کہتے ہیں اور اپنے کلام میں لاتے ہیں۔ چنانچہ

ضمیرم نہ زن بلکہ آتش زن است　　　　که مریم صفت بکر دآبستن است

مولانا نظامی نے بھی فخریہ کہا ہے۔ کہتے ہیں حکماء نے علم موسیقی اسی سے حاصل کیا ہے۔ پس

اس صورت میں موسیقار بھی اسی کو کہتے ہیں۔

لغات کے مفاہیم پیش نظر رکھے جائیں تو موسیقی خوش الحانی اور خوش آوازی ہوئی جس میں راگوں کی آواز بھی شامل ہے۔ یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ راگوں کی وہ آواز جو حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی منسوب کی جاتی ہے، یکسر حرام قرار دے دی جائے تو کتنی عظیم قباحت سامنے آتی ہے اس کا تصور ہر وہ شخص کرسکتا ہے، جس کے دل میں انبیاء کرام کی عقیدت و محبت موجزن ہے چنانچہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ جس طرح شعر کے اچھے بُرے مضمون کی بنیاد پر اسے جائز یا ناجائز قرار دیا جاتا ہے بالکل اسی طرح آلاتِ موسیقیؑ کے بارے میں بھی ان کے استعمال کے مواقع کا جائزہ لے کر حرام یا حلال قرار دیا جائے ماسوا اُن آلاتِ موسیقی کے جن کے بارے میں واضح ممانعت موجود ہے۔ چنانچہ صوفیائے کرام نے سماع کو بعض شرائط کے ساتھ جائز اور مفید سمجھا ہے۔ سیر الاولیاء کے مطابق حضرت سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ سماع کی چار قسمیں ہیں حلال، حرام، مکروہ اور مباح۔ اگر صاحب وجد کو حق کی طرف زیادہ میل ہے تو اس کے حق میں سماع مباح ہے اور اگر اس کا میلانِ طبیعت مجاز کی طرف بیشتر ہے تو اس کے حق میں سماع مکروہ ہے لیکن جب دل کا میلان بالکل مجاز ہی کی طرف ہو تو اسے سماع حرام ہے اور جب میلان طبع بالکل حق کی طرف ہو تو حلال ہے۔ پس اس کام والے کو چاہیے کہ حلال و حرام اور مباح و مکروہ کو اچھی طرح پہچانے۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ سماع کے لیے چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب وہ چیزیں مہیا ہوں تو سماع مباح ہوتا ہے ایک مسمع دوسرے مستمع، تیسرے مسموع چوتھے آلہ سماع۔ مسمع یعنی گانے والے کو مرد کامل ہونا چاہیے یعنی نہ تو لڑکا ہو نہ عورت اور مستمع یعنی سننے والے کے لیے یہ شرف ہے کہ یادِ حق سے خالی نہ ہو اور مسموع یعنی جو چیزیں گائی جائیں کہی جائیں تمسخر سے خالی ہوں اور آلہ سماع مزامیر میں چنگ اور رباب وغیرہ یعنی سماع میں یہ چیزیں

موجود نہ ہوں۔ پس جو سماع ان شرطوں کے ساتھ پایا جائے گا وہ حلال ہے ورنہ نہیں۔

روایت ہے حضرت رسول کریم ﷺ ایک غزوہ سے واپس آئے تو ایک سیاہ رنگ کی کنیز نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر آپ خدا کے فضل و کرم سے بخیریت آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجا کر گانا سناؤں گی۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا! اگر تو نے نذر مانی تھی تو گا اور نذر پوری کرو ورنہ نہیں۔ وہ دف بجانے لگی اور گانے لگی اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، وہ گاتی رہی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے وہ گاتی رہی لیکن جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو وہ چپ ہوگئی اور دف کو اپنی سرین کے نیچے چھپالیا۔ یہ حدیث شریف ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کی ہے مشکوٰۃ المصابیح کی جلد دوم کے باب فی النذور کی فصل دوم میں ابوداؤد کے حوالہ سے حدیث بیان ہوئی کہ ''حضرت عُمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے نذر مانی ہے کہ جب آپ جہاد سے واپس تشریف لائیں تو میں آپ کے سامنے دَف بجاؤں۔ آپ نے فرمایا تو اپنی نذر پوری کر''۔ (ص: ۹۰) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع جائز ہے۔ بعض نادان دوست سماع کی مخالفت میں اس حدیث شریف کو پیش کر کے سماع کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حاضر خدمت ہونے پر اس کنیز نے نہ صرف خاموشی اختیار کی بلکہ دف بھی چھپالیا تو۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے عمر! تم سے شیطان بھی ڈرتا ہے۔ چنانچہ یہ فعل شیطانی فعل قرار پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے ان زاہدان خشک کو جو حضور ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد سے سماع کے ناجائز اور فعل شیطان ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ گویا نعوذ باللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے نبی کریم ﷺ اور تین خلفائے کرام کی موجودگی میں کار شیطان جاری تھا اور آپ حضرات خاموشی سے سن رہے تھے۔ ہرگز نہیں

ایسا سوچنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا حقیقت یہ ہے کہ اس کنیز کے خاموش ہو جانے پر حضور ﷺ کے فرمان کا منشاء محض یہ تھا کہ یہ کنیز تو کیا اے عمر! تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے۔

کیمیائے سعادت میں امام غزالیؒ نے سماع کے ضمن میں ایک مفصل اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس میں سماع کے حلال اور حرام ہونے کے مواقع اور امکانات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ بطور اعتراض کیے گئے۔ ایک سوال پر کہ اگر صوفیاء کا سماع حق ہے تو چاہیے تھا کہ قرآن خوانوں کو مجلسوں میں دعوت دیتے جو انہیں قرآن سناتے نہ یہ کہ وہ قوالوں کو بلا کر ان سے راگ گانے سنا کرتے ہیں؟ امام غزالی نے اس ؒ کے جواب میں فرمایا کہ آیات قرآنی کا سماع بہت ہوتا ہے اور اس سے وجد بھی بہت آتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ قرآن کے سماع سے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ لیکن صوفیاء جو قرآن شریف کے بدلے میں قوالی سنتے ہیں اس کی پانچ وجوہ ہیں۔

اول اس لیے کہ آیات قرآن سب کی سب عاشقوں کے حسبِ حال نہیں ہیں کیونکہ ان میں کافروں کے قصے، اہل دنیا کے دنیاوی معاملات اور بہت سی دیگر باتوں کا ذکر ہے۔

دوسرا یہ کہ بہت سے لوگوں کو قرآن مجید یاد ہوتا ہے اور بیشتر ایسے پڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور جو چیز اکثر سنی جائے، اس کے سننے سے دل کو خاص آگاہی نہیں ہوتی۔ خود حضور ﷺ کے زمانے میں جب عربی لوگ آپ کے پاس آتے اور تازہ تازہ نازل شدہ آیات قرآن سنتے تو بہت روتے اور حال کی کیفیت ان پر طاری ہو جاتی اور حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ ہماری حالت بھی یہی ہوا کرتی تھی جو اس وقت تمہاری ہو رہی ہے۔ لیکن ہم بار بار سُنتے سُنتے اب ذرا عادی ہو گئے۔

سوم یہ کہ بیشتر دل ہوتے ہی ایسے ہیں کہ اچھی آواز اور موزوں الحان کے سوا ان پر جنبش ہی نہیں ہوتی اور قرآن خوانی کے سلسلے میں یہ مناسب نہیں کہ اسے گا کر پڑھا جائے۔

چہارم یہ کہ آواز لحن کو کچھ دوسری آوازوں کی مدد درکار ہوتی ہے تا کہ اس کا اثر اور بھی بڑھ جائے مثلاً نے، دف اور طبل وغیرہ۔

پنجم یہ کہ اشعار کی پسند ہر ایک کی جدا جدا ہوتی ہے جس سے متعلقہ افراد کو حظّ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشعار حسبِ حال نہ ہوں تو لطف کی بجائے بے زاری پیدا ہوتی ہے۔

سید علی ہجویری گنج بخشؒ اور سماع کے مراتب و آداب

عارفِ کامل، صوفی اکمل الشیخ سید ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری، جلالی، لاہور، المعروف داتا گنج بخش (م۔۴۶۵ھ) رحمتہ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف کشف المحجوب میں سماع کے احکام پر مستقل باب رقم فرماتے ہوئے سماع کے خواہش مندوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں، ایک وہ جو فقط معنی سنتے ہیں اور دوسرے وہ جو فقط آواز سنتے ہیں۔ ان دو اصلوں میں فائدے اور آفتیں ہیں کیونکہ خوش آوازوں کے سننے سے جو معنی لوگوں میں جوش مارتے ہیں، اگر وہ حق ہوں تو طبیعت پر حق کا غلبہ ہوتا ہے اور اگر وہ باطل ہوں تو طبیعت میں باطل زور دیتا ہے۔ اگر طبیعت میں فساد ہو تو جو کچھ سنے گا سب فساد ہوگا۔ ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں سماع خدا کی طرف سے وارد ہوتا ہے۔ دلوں کی خواہشیں اس سے ابھرتی ہیں۔ جو شخص حق کے ساتھ اس کو سنتا ہے حق کی راہ پالیتا ہے، جو شخص نفس کے ساتھ سنتا ہے، زندقہ یعنی بے دینی میں پڑتا ہے۔ شبلیؒ کہتے ہیں: ظاہری سماع فتنہ ہے اور اس کا باطن عبرت ہے۔ محققین مشائخ کے درمیان سماع میں اختلاف ہے تاہم ایک گروہ کہتا ہے سماع حضوری کا واسطہ ہے۔ حقیقت اور اس کے مراتب سے متعلق باب میں حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ جان لو کہ ان میں سے ہر ایک کے واسطے سماع میں مرتبہ ہے کیونکہ اس کا مشرب اور ذوق اپنے مرتبہ کے موافق ہے۔ وجد، وجود اور تواجد سے متعلق ایک اور باب میں حضرت ہجویری رحمتہ اللہ علیہ ان کے مراتب الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ رقص اور اس کے متعلقات کے بارے میں ایک باب میں وہ رقص کی اور کپڑے پھاڑنے کی سخت مخالفت فرماتے ہیں تاہم سننے والے پر اگر غلبہ ظاہر ہو۔ یہاں تک کہ وہ قابل خطاب نہ رہے اور بے خبر ہو جائے تو معذور سمجھا جائے گا۔

شیخ علی ہجویریؒ کے نزدیک سماع مباح ہے اگر چہ اس کے لئے جو کڑی شرائط ہیں اُن کے مطابق محفل سماع میں مرشد کا موجود ہونا لازمی ہے' عوام الناس' جو سماع کو محض کھیل تماشا سمجھتے ہوں' وہ محفل میں شریک نہ ہوں ۔قوال فاسق نہ ہوں ذی عزت ہوں سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہوں ۔ طبیعت لہو ولعب کی طرف مائل نہ ہو۔ اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس کو تکلف کے ساتھ نہ روکا جائے ۔ اور یہ کیفیت جاری رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے ۔ وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے ۔قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے ۔ محفل سماع میں کم عمر لڑکے شامل نہ ہوں ۔ سماع کے دوران سلطانِ وقت کے مرتبہ اور وجاہت کو مدنظر رکھے تا کہ اس کی برکتیں میسر آئیں ۔ فرماتے ہیں کہ : میں جو علی بیٹا عثمان جلابی کا ہوں' مجھے یہ بات پسندیدہ ہے کہ مبتدیوں کو سماع میں نہ بٹھائیں تا کہ ان کی طبیعت پراگندہ نہ ہو جائے ۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے سید ہجویر کے پائیں' قدرے جانبِ قبلہ عزلت نشینی اور مجاہدہ و ریاضت کی غرض سے چلّہ اختیار کیا۔ یہ جگہ آج بھی چلہ گاہ خواجہ غریب نوازؒ کے طور پر جانی پہچانی اور مرجع خلائق ہے ۔ چلہ کی مدت ختم ہونے پر حضور خواجہؒ نے جو مشہور و معروف شعر کہا' تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ کے اسم گرامی کے گنج بخشؒ کے لقب کی شہرت کا سبب یہی شعر ہے ۔ مولانا پیر غلام دستگیر نامی نے مکمل تحقیق کے ساتھ خواجہ غریب نواز اجمیریؒ سے ایک کی بجائے درج ذیل چار اشعار منسوب کئے ہیں جو حضرت علی ہجویری کی روحانی عظمتِ شان اور صفاتِ عالیہ کے مظہر ہیں ۔

ہر زمینے کہ نشانِ کف پائے تو بوَد	سالہا سجدۂ صاحب ِ نظراں خواہد بوَد
جائیکہ زاہداں بہزار اربعین رسند	مستانِ شرابِ عشق بیک آہ می رسند
ہر کس کہ بدرگاہ تو آید بنیاز	محروم روزگارِ تو کے گردد باز
گنج بخشِ فیض عالم مظہر نور خدا	ناقصاں را پیر کامل ' کاملاں را رہنما

ترجمانی (ہر وہ سرزمین کہ جو تیرے پاؤں کے تلوؤں کے نشانوں سے سرفراز ہوئی' آنے والے ادوار میں برس ہا برس تک صاحبانِ نگاہ کی سجدہ گاہ قرار پائی۔ معرفتِ الٰہی کے وہ بلند و بالا مقامات جو ہزاروں سال کی ریاضت و عبادت سے زاہدوں کو نصیب ہوتے ہیں' شرابِ معرفت کے متوالے بے خودی کی ایک آہ کی طاقت سے اُن درجاتِ عالیہ پر فائز کردیئے جاتے ہیں۔ جو شخص بھی تیری بارگاہِ مستجاب پر نیازمندی و دردمندی سے آیا وہ تیری درگاہِ فیض رساں سے کیونکر محروم جا سکتا ہے بلکہ وہ کامیاب و کامران ہوا۔ شیخ علی ہجویریؒ المعروف گنج بخش دنیا بھر کے خزائنِ معرفت سے فیض یاب ہونے کا وسیلہ اور نورِ خدا کا مظہر ہیں۔ ناقصوں کے لئے پیر کامل اور کاملوں کے لئے رہنما ہیں۔)

پس مشائخ نے جو قوالی کو اختیار کیا ہے انہی اسباب کی بناء پر کہ اس طرح مختلف طریقے استعمال کر کے لوگوں کے دلوں کے تار چھیڑ کر پاکیزہ کلام اور ماحول کے ذریعہ انہیں خدا کی طرف لایا جائے۔ سرکار غریب نواز اجمیریؒ کمال ذوق و شوق سے سماع کا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کی محفل میں اکابر علمائے کرام اور مشائخ عظام شرکت فرماتے تھے۔ لَمعات خواجہ میں شمس بریلوی لکھتے ہیں۔ جب حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے دیار ہند میں قدم رنجہ فرمایا تو شرک و بت پرستی اور رسوم کے بندھنوں نے ہندو معاشرے کا نظام درہم برہم کر رکھا تھا۔ افراد کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو سماج کی ریشہ دوانیوں نے اس قدر غیر متوازن بنا دیا تھا کہ انسان کی انفرادیت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف اوہام پرستی کا بازار گرم

تھا۔ ہندو معاشرہ میں اصلاحی رجحان پیدا کرنے اور ان کو اسلام سے قریب تر لانے کے لیے حضرت غریب نوازؒ نے مجلس سماع کو بھی آلہ کار بنایا۔ اہتزاز و وجدِ کشادِ دل کے لیے اس سے زیادہ اور کوئی مؤثر حربہ نہیں تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ نو مسلموں کے قلوب کی کشاد اور تالیف قلب آپ نے اس سے وابستہ کر دی، آپ کے دستِ حق پرست پر ایمان لانے والے جب ان مجالس میں بیٹھتے تو نفسیاتی اعتبار سے توارث کی تحریکات کے زیر اثر ذوق وشوق سے ان نغمات محبت پر کان لگاتے اور باطنی اثر سے اسلام کی محبت ان میں استوار سے استوار تر ہوتی چلی جاتی تھی۔ چونکہ موسیقی ہندو دھرم کا جزو بن چکی تھی اس لیے آپ نے ''آہن بہ آہن تواں کرد کے اصول پر عمل فرما کر سماع اور قوالی سے بھی اشاعت دین کا کام لیا۔''

یہاں یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی صوفیائے چشت کے درباروں میں سماع کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کا جواز آج بھی اس لیے باقی رہتا ہے کہ آج ہر طرف موسیقی اپنا جادو جگا رہی ہے۔ شیخ، سید غرض ہر قوم کے ہر گھر میں موسیقی سنی جا رہی ہے۔ ان حالات میں موسیقی کے اس شغف کو پاکیزہ کلام سنا کر پاکیزہ جذبات پیدا کرنے میں چشتیوں کا سماع انتہائی موثر ہو سکتا ہے۔ البتہ آدابِ سماع کا خیال ہر دور میں ضروری تصور کیا گیا ہے۔

آدابِ سماع

اس ضمن میں صاحب سیر الاولیاء کے مطابق حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز فرماتے تھے، کہ سماع کے لیے چند چیزیں مہیا ہونی چاہئیں۔ ایک وقتِ خوش کہ اس میں دل فارغ اور مطمئن ہو اور کسی طرح کا ترَدّد نہ ہو۔ دوسرے مکاں دلکش اور خوبصورت، جس کے دیکھنے سے راحت پیدا ہو۔ تیسرے اہل مجلس ہم جنس اور ہم عقیدہ ہوں یعنی جس قدر لوگ وہاں حاضر ہوں سب اہل سماع اور معتقد سماع ہوں اور جب سماع کے وقت مجلس میں بیٹھیں تو خوشبو کا استعمال کریں اور کپڑے پاکیزہ ہوں۔ مولانا فخر الدین رازیؒ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ سماع کا ایک ادب یہ ہے کہ گوشِ ہوش سے سننے کی طرف التفات کرے اور سننے والوں کی طرف نظر نہ کرے۔ کھنکارنے اور جمائی لینے سے حتی المقدور باز رہے اور جب تک مجلس سماع میں بیٹھیں اس طرح بیٹھیں کہ سر جھکائے رہیں۔ فکر میں مستغرق رہیں اور تالیاں بجانے، رقص کرنے اور دیگر حرکات نامناسب کرنے سے دل پر قابو رکھیں۔ اسی طرح سماع کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب تک بن پڑے اُٹھے نہیں اور زیادہ آواز سے روئے نہیں۔ لیکن یہ ادب اس وقت تک ملحوظ رہ سکتا ہے جب تک ضبطِ نفس پر قدرت حاصل ہے ورنہ حالتِ بے اختیاری میں اسے رقص وگریہ مباح ہے لیکن ریا کا مقصد نہ ہو کیونکہ گریہ دلی حزن ورنج کو دور کرتا ہے اور رقص تحریک سرور کا موجب ہوتا ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ مرید سالک کے لیے تمام امور مباح اور جائز ہیں۔ سماع کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ کھڑے ہونے میں اہل مجلس کی موافقت کریں یعنی اگر حاضرین میں سے کوئی شخص وجدِ صادق کی وجہ سے کھڑا ہو جائے یا وجد کے اظہار کی نیت سے کھڑا ہو تو اس کی موافقت میں کھڑا ہو جانا ضروری ہے۔

حضرت دیوان صاحب رحمۃ اللہ علیہ محافل سماع میں آدابِ سماع کی بہت پابندی کرتے اور کروایا کرتے تھے چنانچہ آپ کی مجلس سماع میں بڑے بڑے کپڑوں پر جلی حروف میں آدابِ محفل لکھ کر چاروں طرف آویزاں کروادیئے جاتے تاکہ محفل کے آداب سے ناواقف لوگ خود بخود تہذیبِ محفل سیکھ لیں۔ آپ محفل میں خود بھی دوزانو تشریف رکھتے تھے اور دیگر حضرات کی بھی یہی نشست پسند فرماتے تھے۔ ننگے سر بیٹھنے کو منع فرماتے نیز آج کل سگریٹ نوشی کا رواج عام ہے چنانچہ تاکیداً اس عادتِ بد سے بھی بالخصوص محفل کے دوران ممانعت تھی۔

محفل سماع میں دوزانو بیٹھنا حضرات صاحبانِ سجادہ کی ایک کرامت نظر آتی ہے کیونکہ گھنٹوں پر محیط محفل جس کا بسا اوقات نمازِ فجر کے ساتھ اختتام ہوتا پھر کئی دن محفل سماع کا اہتمام رہتا لیکن، کبھی نہیں دیکھا گیا کہ یہ حضرات' بلکہ موجودہ دیوان صاحب سید آل حبیب علیخاں دام اقبالہٗ بھی اپنے بزرگوں کی اس حیران کن نشست کا خیال رکھتے ہیں اور مسلسل دوزانو، ہی محفل سماع میں تشریف رکھتے ہیں۔

آدابِ محفلِ سماع بیان کرتے ہوئے دل گواہی دے رہا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے بڑے تفکر وتدبر اور بڑی ریاضتوں کے نتیجہ میں یہ آدابِ محفل مرتب کیے ہیں ظاہر ہے ایک انسان جب اس قدر پابندیوں کے ساتھ اور خشوع وخضوع کے ماحول میں پاکیزگی نفس کو شعار بنا کر دل ودماغ کو عجز وانکسار کے ساتھ یکسو کر کے محفل میں بیٹھے گا' ماحول بھی پاکیزہ، دل ودماغ بھی پاکیزہ اور کلام بھی پاکیزہ ہوگا تو اثرات بھی پاکیزہ ہی ہوں گے۔ یہی وہ ماحول ہے جس میں انسان سالوں کی منزل بہت ہی مختصر وقت میں طے کر لیتا ہے۔ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ ان محافل میں فیضانِ نظر اور مکتب کی کرامت پہلو بہ پہلو کام کر رہی ہوتی ہے۔

حضرت دیوان صاحبؒ کی ملی، مذہبی خدمات کی جھلک

تحریک پاکستان کے لئے حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمات کا ایک عکس پیش کرنے کے لئے اس وقت کے رسائل اور اخبارات کے بعض تراشے پیش کیے جا رہے ہیں اس زمانے کے اخبارات مسلم لیگ اور قائداعظمؒ کی حمایت میں حضرت کے بیانات سے بھرے پڑے ہیں۔

راجہ غضنفر علی خان اپنی فہم وفراست، علمی اور بے لوث خدمات کے سبب مسلمانوں بالخصوص اہل اجمیر کے دلوں پر راج کرتے تھے۔ سیاسی سماجی خدمات آپ کا خاص میدانِ عمل تھا۔ آپ قیام پاکستان کے بعد مرکزی حکومت میں وزیر بھی رہے ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل راجہ صاحب کی انتخابی مہم کو کامیابی سے ہم کنار کروانے کے لئے حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی رائے سے چشتیہ سلسلہ کے اکابرین اور اجمیر شریف کی سیاسی سماجی شخصیات نے درج ذیل اشتہار جاری کیا۔

اعترافِ خدمات (راجہ غضنفر علی خاں)

ہم انتہائی مسرت اور جذبات تشکر وامتنان کے ساتھ اُن مساعی کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اُن خداداد قابلیتوں کا اعتراف کرتے ہیں جو ہمدرد اسلام ومسلمین آنریبل راجہ غضنفر علی خاں صاحب ممبر کونسل آف سٹیٹ نے درگاہ بل کے پاس کرانے میں صرف کیں اور بار بار قانونی مشکلات اور ضابطہ کی پیچیدگیوں اور کٹھنائیوں سے اس کو نکال کر منزل مقصود وکامیابی تک پہنچایا۔

ہم نے دہلی اور شملہ سیشن کے مواقع پر راجہ صاحب کی مدلل، دلکش اور موثر

تقریریں سنی ہیں اوران کی قابلیتوں کا براءالعین مشاہدہ کیا ہے جن مضبوط اصولوں پر راجہ صاحب نے اس بل کی بنیاد رکھی تھی اور جس صحیح طریق کار کے ساتھ اس کو مختلف منازل سے گزار کر کامیاب بنایا وہ راجہ صاحب کی بے مثال اور خداداد صلاحیتوں کا ایسا مظاہرہ تھا جس کا نقش ہمارے اور تمام متوسلین معتقدین وحلقہ بگوشان خواجگانِ چشت کے دلوں پر ہمیشہ ہمیشہ ثبت رہ کر مدۃ العمر خراج تحسین ودعا گوئی حاصل کرتا رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ کونسل آف سٹیٹ اور مجالسِ قانون ساز کے ممبران کے لئے جن جن قابلیتوں کی ضرورت ہوسکتی ہے۔ اُن سب کے بدرجہ اتم راجہ صاحب حامل ومظہر ہیں۔ زبان انگریزی پر ان کو پورا پورا عبور حاصل ہے۔ ان کی تقریر ایسی موثر ودلکش ہوتی ہے کہ دلوں کے پار ہو جاتی ہے۔ ان کا طرز عمل استدلال مسکت اور پیرایہ نہایت شاندار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حکومت کے اعلیٰ حلقوں میں اپنی خداداد قابلیتوں کی بدولت انہوں نے بڑا اثر ورسوخ حاصل کرلیا ہے۔ اور مجالس قانون ساز میں ان کو قابل رشک ہر دلعزیزی حاصل ہے درگاہ بل راجہ صاحب کا ایسا شاندار کارنامہ ہے کہ خواجگان چشت کے کروڑوں عقیدت مند ان کے ممنون احسان ہو چکے ہیں اور سب سے بڑی درگاہ کے وقف کی اصلاح ودرستی کے لئے اس بل کے ذریعہ راجہ صاحب نے جو شاندار خدمات انجام دیں ان کی آئندہ نسلیں راجہ صاحب کو محبت واحترام کے ساتھ یاد کریں گی۔ درگاہ بل کے متعلق حسب قاعدہ حکومت نے تمام برٹش انڈیا اور دیسی ریاستوں سے رائے حاصل کی تھی۔ اس استصواب عام کا جو نتیجہ نکلا وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے عوام وخواص ومشہور ومستند علماء ومشائخ اور حکومت کے اعلیٰ افسران وعہدہ داران غالب اکثریت بڑی شدومد اور قوت کے ساتھ اس بل کے حق میں ہے۔ بل کی عالمگیر تائید اور قبولیتِ تامہ کے مشاہدہ کے بعد باآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ راجہ صاحب نے کیسے مضبوط اور مقبول خلائق اصولوں پر اس بل کو ترتیب دیا تھا۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو یہ بل کونسل آف اسٹیٹ سے باتفاق رائے منظور ہوا اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو اسمبلی میں پیش ہوا۔ ۱۶ اکتوبر کو اس پر مباحثہ ہوا۔ اور اس ایوان نے بھی راجہ صاحب کی اس محنت و قابلیت کو بڑی قدر و منزلت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان کی خدمات کو سراہا اور بل کو باتفاق رائے منظور کیا۔ ۱۷ اکتوبر کو یہ بل پھر کونسل آف اسٹیٹ میں آیا اور متفقہ طور پر منظور ہوا۔ ہم نے دونوں ایوانوں میں محسوس کیا کہ حکومت اور مجالس قانون سازِ کی تمام پارٹیاں اور ہر دو ایوانات کے ذمہ دار افسران راجہ صاحب کی قابلیت محنت اور ہر دلعزیزی کے معترف اور ان کی خدمات کے اعتراف میں رطب اللسان ہیں اور عام طور پر اظہار کیا جا رہا ہے کہ آج تک کوئی غیر سرکاری بل اس قدر جوش و اتفاق اور عام تائید کے ساتھ اتنی کم مدت اور عجلت میں پاس نہیں ہوا۔ لہٰذا ہم یقین رکھتے ہیں کہ راجہ صاحب کا حلقہ انتخاب ان کو اسی قدر و منزلت اور احترام و عزت کی نگاہ سے دیکھے گا جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں اور جس نگاہ سے ان کو ہندوستان کے کروڑوں مسلمان اور علماء و مشائخ دیکھ رہے ہیں۔

(1) فقیر دیوان سید آلِ رسول علیخاں سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف
(2) حافظ غلام سدید الدین سجادہ نشین خانقاہ سلیمانیہ تونسہ شریف
(3) محمد قمر الدین عفا عنہ سجادہ نشین دربار سیال شریف
(4) سید فضل شاہ عفا عنہ (المعروف امیر حزب اللہ) سجادہ نشین جلال پور شریف
(5) سید محمد اعظم شاہ سجادہ نشین گڑھی شریف
(6) عبد الواحد خان (خان بہادر) پریسیڈنٹ درگاہ کمیٹی اجمیر شریف
(7) مرزا عبد القادر بیگ ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ پریسیڈنٹ راجپوتانہ وسنٹرل انڈیا پراونشل مسلم لیگ اجمیر شریف
(8) محی الدین غازی آنریری سیکرٹری سینٹرل خلافت کمیٹی آف انڈیا

حضرت قبلہ دیوان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بطور سجادہ نشین اجمیر شریف اپنے ذاتی کردار اور سوجھ بوجھ کے سبب تحریک پاکستان کے دوران اشتہارات اور اخباری بیانات کا مسلسل اور بنیادی مرکز رہے ہیں۔ مُشتے نمونہ از خروارے چند اشتہارات کی نقل پیشِ خدمت ہے۔

تحریک پاکستان اور صوفیاء کرام

"گزشتہ دنوں ایک دوست عزیز نے ایک قدیم اور بوسیدہ اشتہار دکھایا جو تحریک پاکستان کے زمانے میں پنجاب مسلم لیگ (شعبہ نشر و اشاعت) کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ اس اشتہار میں بعض صوفیاء کرام کی طرف سے مسلم لیگ کی بھرپور امداد کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔ اس اشتہار کی حیثیت چونکہ نادر اور نایاب دستاویز کی تھی اس لئے اس کی ایک نقل حاصل کر لی گئی قارئین ضیائے حرم کے مطالعے کے لئے یہ تاریخی اشتہار یہاں درج کیا جاتا ہے۔"

حضرات صوفیاء کرام کا اعلان حق

صرف مسلم لیگ کی حمایت کرو!

حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں مدظلہ آستانہ عالیہ اجمیر شریف کا ارشاد ہے۔
مسلم لیگ نے حصول پاکستان کے لئے انتخاب لڑنے کا اعلان کر دیا ہے اس لئے ہر مسلمان دل و جان کے ساتھ مسلم لیگ کا ساتھ دے۔

حضرت پیر لاڈلے حسین شاہ مدظلہ سجادہ نشین گلبرگہ شریف (دکن) نے فرمایا:
صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی جماعت ہے۔

مولانا حافظ خواجہ غلام سدید الدین مدظلہ سجادہ نشین تونسہ شریف نے ایک خاص اعلان میں فرمایا:

ے یہ مضمون نورانی صاحب کی حیات میں لکھا گیا تھا۔

مریدانِ باصفا اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔

حضرت سجادہ نشین صاحب مدظلہ' دربار پاک پتن شریف کا ارشاد ہے۔

''مسلمانوں کے ووٹ کے حقدار صرف مسلم لیگی نمائندے ہیں''۔

مولانا الحاج شاہ محمد قمرالدین چشتی نظامی سجادہ نشین سیال شریف کا ارشاد ہے۔

''ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جنگِ پاکستان میں مسلم لیگ کا ساتھ دے''۔

مولانا الحاج سید غلام محی الدین شاہ چشتی نظامی مدظلہ' سجادہ نشین (گولڑہ شریف) نے فرمایا:

''مسلمانو اس معرکہ حق و باطل میں مسلم لیگ کا ساتھ دو''۔

زبدۃ العارفین قدوہ السالکین حضرت پیر سید جماعت علی شاہ مدظلہ' نے فرمایا:

''محمد علی جناح ہمارا بہترین وکیل ہے اور مسلم لیگ مسلمانوں کی مانی ہوئی جماعت ہے''۔

حضرت مولانا سید فضل شاہ مدظلہ' امیر حزب اللہ جلال پور شریف کا ارشاد ہے۔

''مسلمانو! وحدت ملت کو قائم رکھو اور مسلم لیگ کا ساتھ دو۔

سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف کا کلکتہ میں بیان

شیخ المشائخ دیوان سید آلِ رسول علی خاں نبیرہ سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نور اللہ مرقدہ کا کلکتہ میں بیان پڑھا گیا۔

اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ ضروری اور ہم سب کی توجہ کے قابل یہ مسئلہ ہے کہ مسلم لیگ کی واحد نمائندگی کے دعوے میں ہم پورے اتر جائیں اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت قائم و برقرار رہ جائے اغیار اور معاندین اسلام ہماری اس واحد نمائندگی اور قیادت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑا دینا چاہتے ہیں ہم کو بڑے استقلال

اور پامردی کے ساتھ اس دعوے کو ثابت کرنا ہے اور اس قیادت کے قیام وبقاء کے لئے کام کرنا ہے میں اپنے سلسلے کی خانقاہوں کے سجادگان سے اپنے جدِ امجد حضرت خواجہ غریب نواز کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی گدیوں کو چھوڑ کر اس نازک وقت میں اسلام کی خدمت کے لئے نکل پڑیں اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کے لئے کمر باندھ کر میدان میں آجائیں

قائداعظم محمد علی جناح اوران کا عہد صفحہ ۴۰۳ تا ۴۰۴

جاری کردہ شعبۂ نشر واشاعت پنجاب مسلم لیگ۔

اخبار دبدبۂ سکندری رامپور نمبر ۲۲ جلد نمبر ۸۴

دربار خواجہ غریب نوازؒ میں ہندوستان کے علماء ومشائخ کا اہم فیصلہ

آزاد اسلامی حکومت کے لئے عظیم ترین قربانیاں پیش کی جائیں گی

ازمحترم المقام جناب الحاج شیخ محمد عارفین صاحب ناظم اعلیٰ انجمن تبلیغ الاسلام پھاٹک حبش خاں دہلی

اسلامی ہند کو معلوم ہے کہ گزشتہ مہینے میں دس کروڑ مسلمانوں کی مذہبی نمائندہ جماعت آل انڈیا سنی کانفرنس کا ایک عظیم اجتماع سرزمین بنارس میں منعقد ہوا تھا۔ اس اہم اجلاس میں صوبہ سرحد، سندھ، بلوچستان، پنجاب، یو۔ پی۔ سی۔ پی۔ بمبئی۔ مدراس۔ بنگال اور آسام کے بااثر مشائخ وعلماء شریک تھے۔ اس اجلاس میں غور وفکر کے بعد متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ

فرزندانِ توحید کی عزت وحیات کی حفاظت کے لئے پاکستان یعنی آزاد اسلامی حکومت قائم ہونا اشد ضروری ہے لہٰذا اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لئے

بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کرنے کی شاندار تیاریاں کی جائیں۔
الحمدللہ کہ اس عظیم فیصلے کے ماتحت علماء و مشائخ نے طوفانی دورے شروع کر دیئے ہیں اور انہوں نے اپنے فرائض کی اہمیت کو صحیح طور پر محسوس کر لیا ہے۔
چنانچہ صوبہ سرحد کے علماء و مشائخ اور آزاد قبائل کے سرداروں کا ایک اہم اور نمائندہ اجتماع حضرت تقدس مآب پیر صاحب مانکی شریف کے زیر اہتمام منعقد ہوا اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ ہم اپنے محبوب مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کریں گے۔

۵ رجب کو دربار خواجہ غریب نواز میں علماء و مشائخ کا ایک اہم شاندار جلسہ بمقام اجمیر شریف

منعقد ہو رہا ہے۔ اس جلیل القدر اجتماع میں ہندوستان کے تمام صوبوں کے علماء و مشائخ شریک ہو رہے ہیں اس جلسہ میں وزارتی مشن کی تجاویز کے ہر گوشہ پر گہری تنقید کی جائے گی اور آزاد اسلامی حکومت کے قیام کے لئے مناسب پروگرام طے کیا جائے گا۔
خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمتہ کے سالانہ عرس کے موقع پر دیوان سید شاہ آلِ رسول علیخاں سجادہ نشین دربار' اجمیر کی دعوت اور صدارت میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا خصوصی اجلاس ۶۔۵ رجب ۱۳۶۵ھ / ۸۔۷ جون ۱۹۴۶ء کو اجمیر میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں ہزاروں علماء و مشائخ نے شرکت فرمائی۔ ایک لاکھ سے زائد کا اجتماع رہا۔ شرکاء حضرات میں چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔
مولانا ابوالمحامد سید محمد اشرفی (صدر آل انڈیا سُنی کانفرنس)

مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب (ناظم اعلیٰ آل انڈیا سنی کانفرنس)

مولانا شاہ محمد عبد الحامد قادری بدایونی (ناظم نشر واشاعت آل انڈیا سنی کانفرنس)

مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی

حاجی محمد عارفین صاحب

مولانا محمد ابراہیم رضا جیلانی میاں

مولانا مخدوم میاں صاحب

مولانا نذیر حسین دہلوی

مولانا عبد المجید صاحب

مولانا محمد عابد القادری بدایونی

علماء کی تقاریر کا موضوع بنارس سنی کانفرنس کی منظور کردہ تجاویز پر اعتماد' پاکستان کا حصول مہاسبھائی تحریک کے مظالم کے خلاف احتجاج اور نفرت' اعراس مقدسہ کے لئے اصلاحی پروگرام وغیرہ امور تھے۔

الخطبه الاشرفیه للجمهوریته الاسلامیة

عمدۃ العلماء ابو المحامد سید محمد اشرفی محدث کچھوچھوی قدس سرہ

آل انڈیا سنی کانفرنس اجمیر (خصوصی اجلاس)

۶۔۵ رجب ۱۳۶۵ھ ۸۔۷ جون ۱۹۴۶ء (خواجہ اجمیری علیہ الرحمتہ کا عرس مبارک)

درگاہ معلیٰ اجمیر شریف کی مسجد شاہ جہانی میں خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمتہ کے عرس کے موقع پر آل انڈیا سُنی کانفرنس کے عظیم الشان اجلاس حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں سجادہ نشین آستانہ اجمیر پاک کی صدارت میں منعقد ہوئے۔ ہزاروں علماء و مشائخ نے

شرکت کی۔ایک لاکھ سے زائد عام مسلمانوں کا اجتماع رہا۔حضرت مولانا سید محمد اشرفی محدث کچھوچھوی صدر آل انڈیا سنی کانفرنس' حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین ناظم عمومی و حضرت مولانا شاہ عبدالحامد قادری بدایونی ناظم نشرواشاعت' حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی' حاجی محمد عارفین' مولانا جیلانی میاں' مولانا نذیر حسین دہلوی' حضرت مولانا سید عبدالمجید' مولانا محمد عابد القادری کی تقاریر و مساعی نے اس اجلاس کو کامیاب بنایا صدر آل انڈیا سنی کانفرنس حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی نے جو خطبہ اپنے مخصوص انداز میں ارشاد فرمایا اس کا ملخص یہ ہے۔

(1) اولیاء اللہ کے حضور اوران کے مزارات کی حاضری کی ساعات بابرکت ہوتی ہیں ان کا نیاز مند جہاں کا بادشاہ ہوتا ہے ــــــــــ ان کے خدام بصیرت کی نگاہ سے حقائق عالم کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

(2) ہند میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمتہ کے وسیع فیض کا اجمالی تذکرہ

(3) اسلام اور کفر کا امتیاز ــــــ مسلمان تیز نگاہ اثر کو دیکھ کر مؤثر کا یقین کر لیتا ہے۔صفات کو دیکھ کر موصوف ذات کا ایقان کر لیتا ہے۔اس کی تیز نگاہ افلاک کی بلندیوں کے پار اور زمین کے دبیز پردوں کو پھاڑ کر معبود برحق کی لذتِ دید سے سرشار ہو جاتی ہے۔لیکن کافر کی عقل مظاہرِ قدرت کی حقیقت کو پا لینے سے جب تھک جاتی ہے۔تو انہی مظاہر ــــــ سورج' چاند' آگ' پتھر اور درخت وغیرہ ــــ کو پوجنا شروع کر دیتی ہے۔

(4) دین کی اشاعت اور اس کی آزادی کی خاطر اسلام کے کارناموں کا اجمالی ذکر۔

(5) اندرون ملک اسلام پر مصائب ــــــ دین فروشی کی چند مثالیں بندے ماترم کا ترانہ' گاندھی کی جے۔

(6) بیرون ملک مسلمانوں پر آلام ____ فلسطین میں مسلمانوں کی حالت زار' ابن سعود کا حجاج کرام سے جبریہ ٹیکس لینا' انڈونیشیا میں مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ رویہ

(7) دنیائے اہل سنت کی تنظیم ____ مرکزی دارالافتاء' مرکزی دارالقضاء مرکزی دارالتصنیف کا قیام اور خانقاہوں میں ربط وارتباط

(8) آل انڈیا سنی کانفرنس ____ جمہوریہ اسلامیہ کے بیس ہزار علماء ومشائخ کا عزم صمیم ____ پاکستان کی منزل کو سُنّیوں کے ہاتھوں قریب سے قریب تر کرنا

(9) پاکستان کے معنی اسلامی قرآنی آزاد حکومت ____ سنی کانفرنس سے مسلم لیگ کا تحریری عہد۔

حضرات صوفیائے کرام کا اعلانِ حق
صِرف مسلم لیگ کی حمایت کرو

-1 حضرت جناب مقبول احمد قبلہ خلیفہ بارگاہ عالیہ مبل وحدت نصرت مجدد صاحب علیہ الرحمتہ شریف نے تلقین فرمائی۔ کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے ہر مسلمان مسلم لیگ میں شامل ہو کر اسلام کا بول بالا کرے۔

-2 حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں مدظلہ' آستانہ عالیہ اجمیر شریف کا ارشاد ہے مسلم لیگ نے پاکستان کے لئے انتخابات لڑنے کا اعلان کر دیا ہے۔اس لئے ہر مسلمان دل وجان کے ساتھ مسلم لیگ کے ساتھ ہو جائے

-3 حضرت پیر لاڈلے حسین شاہ مدظلہ' سجادہ نشین گلبرگہ شریف دکن نے فرمایا کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی جماعت ہے۔

-4 مولینا حافظ خواجہ غلام سدید الدین مدظلہ' سجادہ نشین تونسہ شریف نے ایک خاص

اعلان میں فرمایا مریدان باصفا اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔

5- حضرت سجادہ نشین صاحب مدظلہ' دربار پاکپتن شریف کا ارشاد ہے مسلمانوں کے ووٹ کے حقدار صرف مسلم لیگی نمائندے ہیں۔

6- مولینا حافظ شاہ محمد قمر الدین چشتی نظامی مدظلہ' سجادہ نشین سیال شریف کا ارشاد ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جنگ پاکستان میں مسلم لیگ کا ساتھ دے۔

7- مولینا الحاج سید شاہ غلام محی الدین چشتی نظامی مدظلہ' سجادہ نشین گولڑہ شریف نے فرمایا۔ مسلمانو!!اس معرکۂ حق و باطل میں مسلم لیگ کا ساتھ دو۔

8- زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری مدظلہ' نے فرمایا محمد علی جناح ہمارا بہترین وکیل ہے۔ اور مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

9- حضرت مولانا سید فضل شاہ مدظلہ' امیر حزب اللہ جلالپور شریف کا ارشاد ہے۔ مسلمانو! وحدتِ ملت کو قائم رکھو اور مسلم لیگ کا ساتھ دو۔

10- حضرت مولانا حافظ قاری سید محمد شاہد صاحب نقوی آف لکھنؤ پیش امام مسجد حضرت امام ربانی والفِ ثانی سرہند علیہ الرحمۃ' درایام عرس شریف' نے فرمایا اگر مسلمان اس سیاسی جنگ میں مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیں گے تو مسلمانوں کی موت اور نیست و نابود ہونے کی نشانی ہے۔

11- حضرت پیر سلطان محمد حسن اور سلطان العارفین حضرت باہوؒ سلطان کے سجادہ نشین حبیب سلطان صاحب قبلہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ آل انڈیا مسلم لیگ اور مسلمانان ہند کے قائداعظم محمد علی جناح کی پرزور تائید کریں اور الیکشن میں مسلم لیگ کی پوری مدد کریں۔

12- حضرت عبدالرزاق شمس الکونینی کلانور (رہتک) نے برادران طریقت کو خصوصاً جمیع اہل اسلام کو عموماً فرمایا کہ جنہیں اسلام عزیز ہے وہ مسلم لیگ کے نمائندوں کے حق میں رائے دے کر رسول کریم ﷺ کی خوشنودی حاصل کریں گے۔

13- حضرت سجادہ نشین خانقاہ میر فاضل شاہ صاحب ٹوہانہ ضلع حصار نے اعلان کیا ہے کہ مسلمان اپنی تمام کوششیں آل انڈیا مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے صرف کر دیویں۔

14- جناب پیر بدرالدین صاحب سجادہ نشین درگاہ اُپانہ شریف بمعہ ۵۰۰۰ مریدوں کے مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور فرمایا کہ الیکشن میں امیدواروں کی شخصیتوں کو بھول جائیں مسلم لیگ اور صرف لیگ کے نام کو یاد رکھیں۔

15- سجادہ نشین حضرت شاہ جیونہ علیہ الرحمتہ ضلع جھنگ کا اعلان ہے کہ سب مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔

16- صاحبزادہ محمد ظہور الحق صاحب چشتی ونقشبندی سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ گورداسپور کا اعلان ہے کہ سب مسلمان انتخابی مہم میں مسلم لیگ سے تعاون کریں

17- حضرت سید منظور احمد سجادہ نشین مکان شریف کا اعلان ہے کہ مسلمانان ہند کی زندگی اور وقار کا انحصار فقط پاکستان کے نصب العین پر ہے اور مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

18- حضرت سید الطاف حسین نقشبندی سجادہ نشین موسےٰ خیل کا اعلان ہے کہ سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ سارے اختلافات مٹا کر مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔

19- حضرت میاں علی محمد خانصاحب چشتی نظامی مدظلہٗ العالی حجرہ بسی شریف ضلع ہوشیار پور کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنا کر اپنی ملی

یکجہتی کا ثبوت دیں۔

20- سجادہ نشین دربار غوثیہ سکھو چک ضلع گورداسپور کا اعلان ہے کہ تمام مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہیے اور پاکستان مسلمانوں کا آزاد ملک ہوگا جہاں شریعت کے مطابق قانون نافذ ہوں گے۔

21- جناب حضرت پیر صدرالدین صاحب قبلہ جو کہ محبوب سبحانی غوث صمدانی حضرت خواجہ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں، سجادہ نشین ملتان نے مسلم لیگ اور پاکستان کے حصول کا حکم دیا ہے۔

22- سجادہ نشین چورہ شریف نے مسلم لیگ کی حمایت اور پاکستان کے حصول کو ہر مسلمان کا سیاسی فرض قرار دیا ہے۔

23- اس کے علاوہ مانکی شریف میں پیر صاحب مانکی اور انجمن اصفیاء نے شرعی طور پر پاکستان کے حصول کے لئے حکم صادر فرمایا ہے۔

24- سجادہ نشین کربوغہ شریف کوہاٹ مولوی فضل حق صاحب قبلہ

25- باچا صاحب بام خیل

26- کاکا خیل حضرات

27- حافظ عبدالرحیم صاحب سجادہ نشین سلوانہ

28- بابا صاحب فقیر اما خیل تحصیل ٹانک

29- مولینا حافظ حضرت محمد ابراہیم صاحب سجادہ نشین موسےٰ زئی شریف تحصیل کلاچی

30- استاذ العلماء مفتی اعظم حضرت مولینا مولوی سردار صاحب شیخ الحدیث بریلی شریف

31- حضرت مولینا حکیم الامت اشرف علی صاحب تھانوی مرحوم

32- خلف الرشید جانشین شیخ الہند حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی مہتمم دارالعلوم

دیوبند صدر المدرسین مدرسہ عالیہ ڈابیل

33- حضرت مولینا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی رہنمائے اہلحدیث

34- حضرت مولینا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اہلحدیث

35- حضرت مولینا مولوی داؤد محمد صاحب سرحدی سابق صدر جمیعت العلمائے سرحد

اور جملہ علمائے سرحد و جمیعت العلمائے اسلام نے متفقہ طور پر فرمایا ہے کہ:

"سب مسلمانوں کا اولین فرض ہے کہ مسلم لیگ کی حمایت کریں اور پاکستان کے قیام کے لئے اپنا خون پیش کر کے باعث صد افتخار سمجھیں کہ بغیر قیام پاکستان اور اس ملک میں باعزت زندگی محال ہے۔

لہٰذا مندرجہ بالا مشائخ عظام و علمائے کرام کے ارشادات عالیہ کے مطابق مسلمانوں کو چاہیے کہ بلا لحاظ کندی، ڈیرہ جنبہ (طرفداری کنبہ) و اختلافات (رنگ و نسل) جناب حضرت پیر صاحبزادہ محمد عبد الطیف صاحب قبلہ سجادہ نشین یادگار زکوڑی شریف ڈیرہ اسماعیل خان اور جملہ مسلم لیگی امیدواروں کو کامیاب بنا کر اسلام کا بول بالا کریں۔

وما علینا الاالبلاغ

حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ پاکستان کی تحریک آزادی میں سرگرم عمل رہے۔ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور اگست ۱۹۶۴ء صفحہ نمبر ۱۳۱ کے مطابق اکتوبر ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف کی دعوت پر پشاور میں سرحد اور پنجاب کے مشائخ کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا۔ خواجہ معین الدین چشتی کے سجادہ نشین دیوان سید آلِ رسول علیخاں، خواجہ حسن نظامی متولی درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ حضرت بوعلی قلندر کی درگاہ کے متولی خواجہ عبد الرشید، پیر جماعت علی شاہ (علی پوری) اور پیر فضل شاہ جلال پوری نے اپنے مریدوں کو پاکستان کی حمایت کا حکم دیا۔

حضرت کا تاریخی دورہ پشاور ۱۹۴۳ء

۱۹۴۳ء میں حضرت دیوان صاحب نے اس علاقہ کا دورہ کیا جس کو آج کل پاکستان کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ اس دورے میں آپ کے ساتھ چشتیہ سلسلہ کی درگاہوں کے کئی سجادہ نشینان بھی شامل ہوتے چلے گئے۔ ٹیکسلا، حسن ابدال، اٹک سٹی اور پشاور بھی آپ کے اس دورے میں شامل تھے۔ پشاور میں آپ کا فقید المثال استقبال کیا گیا تھا۔ آپ کی آمد کی اطلاع کے لئے جو بڑے بڑے پوسٹر بنائے گئے تھے ان میں بلا مبالغہ سو سے زائد معززین شہر اور سادات کرام کے نام آپ کے استقبال کرنے والوں میں درج تھے مجلس استقبالیہ کے چند اسماء گرامی درج ذیل تھے۔

سرپرست ابوالحسنات مولانا محمد اعظم شاہ صاحب سجادہ نشین دربار عالیہ گڑھی شریف

نائب صدر خان محمد یوسف رئیس خان، حاجی فدا محمد سوداگر چرم پشاور

نائب سیکرٹری مولانا حافظ فضل احمد صاحب ناظم نشر و اشاعت جمعیت العلمائے رضا صوبہ سرحد

اراکین پشاور

آغا سید تجمل حسین شاہ صاحب قادری چشتی آنریبل سردار اورنگزیب خان صاحب وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد

مولینا مولوی صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب آنریبل سردار عبدالرب خان نشتر صاحب وزیر مالیات

مولینا صاحبزادہ سید حبیب شاہ صاحب خطیب، سید امیر شاہ صاحب، سید ستار بادشاہ صاحب، مولینا مفتی عبدالرحیم

مولینا سید فضل صمدانی، میاں عبدالجلیل سیٹھی، رحیم بخش صاحب

اراکین مردان

خان محمد ایوب خان ایم۔ایل۔اے، خان بہادر حاجی مغل باز خان صاحب ریٹائرڈ پولیٹیکل ایجنٹ

اراکین ہزارہ

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب مانسہروی مجاہد سرحد، قاضی محمد یوسف صاحب
صاحبزادہ مسعود الرحمٰن صاحب سجادہ نشین دربار عالیہ چھور شریف

اراکین کوہاٹ

مولانا احمد گل، پیر سید جلال شاہ صاحب

اراکین بنوں

خان صاحب محمد اکرم خان رئیس غزنی خیل، خان صاحب غلام سرور خان رئیس غزنی خیل
خان عبداللہ جان سیکرٹری بزم چشتیہ (سمندر خیل)

اراکین ڈیرہ

خان صاحب فیض اللہ ایم ایل اے، حافظ حق نواز خان

پشاور کے بازاروں جی ٹی روڈ قصہ خوانی، مِس گراں، چوک یادگار گھنٹہ گھر وغیرہ کو جھنڈیوں قمقموں اور آرائشی محرابوں سے سجایا گیا تھا۔ شہر بالکل دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ عاشقانِ سلسلۂ چشتیہ اور محبان خواجۂ بزرگ کا وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا کہ اس استقبال میں کئی افراد زخمی ہوئے۔ حالانکہ لوگوں کا ذوق وشوق اور ہجوم دیکھتے ہوئے انتظامیہ نے کبھی یہ اعلان کیا کہ حضرت دیوان صاحب بذریعہ ریل تشریف لائیں گے اور کبھی یہ کہا گیا کہ آپ سڑک کے راستہ پشاور پہنچیں گے۔ اس استقبالیہ منظر کو دیکھنے والے بہت سے افراد آج بھی بقیدِ حیات ہیں۔

معززین شہر، ساداتِ کرام چشتیہ سلسلہ کی درگاہوں کے سجادہ نشینان اور متعلقین کے علاوہ حکومتی سطح پر آپ کے اعزاز میں دعوتوں کا ایسا سلسلہ بندھا ہوا تھا کہ ایک ایک دن میں کئی کئی دعوتیں قبول کرنی پڑتی تھیں۔ آنریبل سردار اورنگزیب صاحب کی رہائش گاہ پر دعوت میں سردار عبدالرب نشتر صاحب بھی موجود تھے۔ سردار عبدالرب نشتر تو خواجۂ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے دلی عقیدت کا اظہار کرنے درگاہ خواجہ صاحب بھی حاضری دے چکے تھے۔

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اسی دورۂ پشاور میں حضرت کے خلف الرشید دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کی منگنی بھی طے پائی تھی یہ رشتہ حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے رشتہ کے بھائی **جناب سید عبدالمغنی صاحب مرحوم** کی صاحبزادی سے طے پایا تھا۔ جناب عبدالمغنی صاحب کا بنیادی تعلق دہلی سے تھا۔ لیکن ملازمت ے سلسلہ میں آپ قیامِ پاکستان سے بہت پہلے پشاور میں ہی آباد تھے۔ سید عبدالمغنی صاحب مرحوم و مغفور کا وصال ۱۹۹۲ء میں ہوا، لیکن آج بھی آپ کا خاندان اپنی شرافت اور نجابت کے باعث پشاور میں بہت پاک صاف زندگی گزار رہا ہے۔ بقول مولانا پیر محمد چشتی، عبدالمغنی صاحب کی اولاد چلتے پھرتے فرشتے ہیں۔ منگنی کے رشتہ کو بخیر و خوبی تکمیل کے مراحل تک پہنچانے میں حضرت دیوان صاحبان کے بہت ہی شیدائی حکیم بشیر احمد چشتی مرحوم کا بہت عمل دخل تھا۔ **حکیم بشیر احمد چشتی صاحب** اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ اولیائے کرام خاص طور پر خواجۂ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ اور ان کی اولاد کی محبت اِس شخص کے دل میں ایسی موجزن تھی کہ کوئی موقع ان کی تکریم اور شان بڑھانے کا ضائع نہیں کرتے تھے حضرات دیوان صاحبان کے قیام پشاور میں عرس مبارک خواجہ صاحب کے انتظامات سے لے کر فاتحہ خوانی اور شجرہ خوانی تک کے فرائض احسن طریقہ پر ادا کرتے تھے۔ آج ماشاء

اللہ اُنکی اولاد بھی اپنے والدِ بزرگوار کی طرح دیوان صاحب کے خاندان سے دلی محبت رکھتی ہے۔

جب تک حکیم بشیر احمد کے جسم میں جان اور تاب وتواں قائم تھی، آپ نے حضرت دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے نہ صرف مختلف علاقوں کے دورہ کی تنظیم کی بلکہ ہمیشہ اِن دوروں میں آپ کے ساتھ رہے۔ جب کمزوری حد سے بڑھ گئی اور حکیم صاحب نے محسوس کیا کہ اب جسمانی خدمت کا موقع نہیں ملے گا تو اپنے گھر پر حضرت دیوان صاحب سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر خانوادوں کو مدعو کیا۔ اس وقت اُن کی وارفتگی اور بے قراری قابل دید تھی۔ کمزوری اور بیماری کے باوجود دیر تک سلسلہ کی ترویج کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ اسی دوران حاضرین میں موجود ایک صاحب ماسٹر عبدالجلیل مرحوم کا تعارف کروا کے تجویز کیا کہ میں نے ان کے معمولات دیکھے ہیں نیز اپنی جانب سے عرس کے آداب بھی تعلیم کر دیئے ہیں پڑھے لکھے انسان ہیں مناسب ہوگا کہ آئندہ عرس مبارک کے تمام انتظامات فاتحہ خوانی اور شجرہ خوانی کے فرائض ان کے سپرد کر دیئے جائیں۔ حضرت دیوان صاحب نے چشتی صاحب کو بہت سی دعائیں دیں اور ساتھ ہی اُن کی اس خواہش اور تجویز کو بھی قبول فرمالیا۔ چشتی صاحب کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں۔ اس الوداعی دعوت کے بعد زندگی نے چشتی صاحب کو زیادہ مہلت نہ دی۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

حضرت دیوان صاحبؒ سے ملاقات رکھنے والے حضرات (اجمیر شریف میں)

اجمیر شریف میں آپ کے معمولاتِ شب و روز آپ کے کردار کو ایک شفاف آئینہ کی طرح پیش کرتے ہیں۔ حضرت سے ملاقات کرنے والوں میں **خواجہ حضرت غلام سدیدالدین سجادہ نشین تونسہ شریف** تو درگاہ کمیٹی کے صدر تھے۔ اجمیر مقدس میں حاضری کے موقع پر ہمیشہ حویلی دیوان صاحب میں قیام رہا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کمیٹی کے اجلاس میں جب بھی شرکت کے لئے تشریف لاتے تو ان دنوں یہیں قیام رہتا تھا۔ آپ کو نسبت کا بہت پاس تھا چنانچہ دیوان صاحب سے انتہائی عقیدت کا تعلق تھا۔ آپ سے گفتگو کا موضوع بیشتر تصوف ہوتا تھا۔ درگاہ بل پاس کرانے میں آپ کی مساعی بہت زیادہ تھیں۔ اس خاندان سے دیوان صاحب قبلہ کا دلی روحانی تعلق دراصل حضرت خواجہ سدیدالدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے قائم تھا۔ دیوان صاحب کے خاندان کے کئی افراد ان دونوں حضرات سے ارادت کی نسبت رکھتے تھے۔ ۱۹۳۲ء میں حضرت حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت دیوان صاحب نے آپ کی دستار بندی فرمائی۔

حضرت خواجہ حافظ محمد قمرالدین سجادہ نشین آستانہ سیال شریف کو بھی حضرت دیوان صاحب سے خصوصی عقیدت کا تعلق تھا۔ جب حضرت ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے تو ملتان سے سرگودھا آنے کا سبب سجادہ نشین سیال شریف کا خلوص اور عقیدت تھی۔ اجمیر شریف حاضری کے موقع پر انتہائی عقیدت سے قدم بوسی کرتے اور حویلی ہی میں قیام فرماتے تھے۔ درگاہ کمیٹی کے اجلاس اور حضرت غریب نوازؒ کے عرس

مبارک کے مواقع پر ضرور تشریف لاتے تھے۔ حضرت کے قیامِ سرگودھا کے دوران خواجہ صاحب سیال شریف جب بھی سیال شریف سے سرگودھا آتے تو حضرت سے ضرور ملاقات فرماتے تھے۔ خواجہ صاحب نے سرگودھا کے قیام کے دوران نہ صرف رہائش کا مکان حضرت کے لئے الاٹ کروایا بلکہ خاندان کے دیگر افراد کے نام زمینیں الاٹ کروانے میں بھی بہت کوشش کی نیز مسجد بلاک نمبر ۱۲ سرگودھا کے لئے زمین دیوان صاحب نے خریدی اور تعمیرات میں سیال شریف کے مریدین نے عموماً، بالخصوص آپ کے مریدِ صادق رانا ولی محمد مرحوم نے بہت تعاون کیا تھا۔ رانا ولی محمد صاحب تو حضرت دیوان صاحب کے ایسے گرویدہ ہو گئے تھے کہ اکثر ملاقات اور خیر خیریت پوچھنے کے لئے تشریف لاتے بلکہ دیوان صاحب کے ابتدائی ایام مہاجرت کی پریشانیوں کو کم کرنے میں مقدور بھر کوششیں کرتے رہے۔ آج بھی رانا صاحب مرحوم کی اولاد خصوصاً رانا عبدالرحمٰن اپنے والدِ محترم کی ارادت اور عقیدت کا عکس معلوم ہوتے ہیں۔ ''گلشنِ سلطانِ الہند اجمیری'' میں مزار مبارک کے گنبد کی تعمیر میں اُن کی گہری دلچسپی اور تعاون قابلِ تحسین ہے۔

حضرت خواجہ پیر اکرم شاہ صاحب سجادہ نشین گڑھی شریف

خلیفہ مجاز حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ بھی حضرت سے انتہائی عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ عرس مبارک کے موقع پر سجادہ نشین تونسہ شریف کی ہمراہی میں تشریف لاتے تھے۔ خواجہ اعظم شاہ صاحب نے بھی اس تعلق کو قائم رکھا اور حویلی دیوان صاحب پشاور میں بھی ملاقات کی غرض سے تشریف لاتے رہے اس کے بعد دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے چہلم شریف میں بھی تشریف لائے اور موجودہ دیوان صاحب کی دستار بندی میں شامل ہوئے۔ موجودہ دیوان صاحب سے مراد حضرت سجادہ نشین حال کے

والدِ بزرگوار دیوان سیّد آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ خواجہ محمد اعظم شاہ بہت ضعیف و نحیف ہو چکے ہیں۔ اس کے باوجود سجادہ نشین حال جناب دیوان سیّد آلِ حبیب علیخاں کی دستار بندی کی تقریب میں بھی تشریف لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

پیر صاحب گولڑہ شریف بابو جی غلام محی الدین رحمتہ اللہ علیہ

اپنی تمام تر بزرگی کے باوجود اجمیر شریف میں عرس مبارک کے موقع پر محفل سے فارغ ہونے کے بعد خاص دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کی غرض سے حویلی دیوان صاحب تشریف لایا کرتے تھے۔ دیوان صاحب ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لے آئے تو بابو جی صاحب دیوان صاحب سے ملاقات کے لئے سرگودھا اور پشاور بھی تشریف لاتے رہے ہیں۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری رحمتہ اللہ علیہ

آپ حضرت دیوان صاحب سے بارہا ملاقات فرماتے رہے ہیں۔ دیوان صاحب قبلہ بھی قادیانی تحریک کے خلاف سرگرمی سے کام کرنے کے سبب انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جب پیر صاحب بیمار ہوئے تو دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ خصوصی طور پر آپ کی مزاج پرسی کے لئے لاہور تشریف لے گئے۔ دونوں کے درمیان ملاقاتوں میں اکثر دینی اور علمی، معاشرتی موضوعات زیر گفتگو رہتے تھے۔ آپ سے ملاقات میں چوہدری فتح محمد بٹالوی سیکرٹری میونسپل کمیٹی بٹالہ اکثر دیوان صاحب کے ساتھ ہوتے تھے۔ دیرینہ تعلق تو تھا ہی لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تحریک پاکستان کی جدوجہد نے اس میں مزید استواری قائم کر دی تھی۔

حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت صاحب اور دیوان صاحب اجمیر شریف حضرت سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ میں اخلاص کا رشتہ اس قدر مضبوط تھا کہ آپ جب بھی اجمیر شریف تشریف لاتے یہ ناممکن تھا کہ دیوان صاحب سے ملاقات نہ ہو، عرس مبارک خُواجہ صاحب پر، آپ کی اکثر اجمیر شریف حاضری ہوتی تھی ۔ قیام حضرت کی حویلی میں ہی رہتا تھا۔ دیوان صاحب علماء کی بہت قدر فرماتے تھے پھر علامہ صاحب تو مبلغ اسلام بھی تھے۔ آپ کی ملاقاتوں اور گفتگو کا محور مذہبی معاشرتی اور علمی موضوعات ہوا کرتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ انہی دنوں میں جوش ملیح آبادی بھی کسی مشاعرہ میں شرکت کی غرض سے اجمیر شریف آئے ہوئے تھے۔ حویلی دیوان صاحب بھی اُس موقع پر آئے تو مولانا عبدالعلیم صدیقی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ملاقات ہوگئی۔ جوش صاحب نے مولانا صاحب کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قضاوقدر کا موضوع چھیڑ دیا۔ حضرت دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ اور میرے والد صاحب نے اکثر اس واقعہ کو بیان کیا ہے کہ تقدیر کے مسئلہ پر یہ گفتگو اس قدر طویل ہوگئی کہ جوش صاحب نے یہ کہہ کر بات ختم کرنی چاہی ''مولانا صاحب! آپ نے اپنی گفتگو اور دلائل سے لاجواب تو کر دیا لیکن دل مطمئن نہیں ہوا۔ اس موقع پر دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جوش صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا'' دلائل سے لاجواب کر دینا مولانا صدیقی کا کام تھا جو انہوں نے احسن طریقہ سے کر دیا جبکہ دل کا مطمئن کرنا خدا تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے۔

حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت علامہؒ نے گلشن سلطان الہند اجمیری میں اپنے خطاب کے دوران بتایا کہ والد صاحب قبلہ جب اجمیر شریف حاضری کے لئے جاتے تھے تو اُن کے ہمراہ ہم بھائیوں میں

سے بھی کوئی ضروری ہوتا تھا۔ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ ہم میں سے کون والد صاحب کا ہم سفر ہوگا اکثر قرعہ اندازی کی جاتی تھی۔ بہرحال کئی بار مجھے بھی والد صاحب کے ہمراہ آستانۂ عالیہ اور حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی ' اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے' کہ انہوں نے ان قدیم تعلقات کو دیوان صاحب کی دوسری پشت تک یعنی موجودہ دیوان سید آلِ حبیب علیخاں سجادہ نشین اجمیر شریف تک بالکل اُسی خلوص و محبت سے برقرار رکھا ہے اور عمر کی آخری سانسوں تک عرس شریف کے موقع پر خصوصی خطاب کے لئے گلشنِ سلطان الہند اجمیری تشریف لاتے رہے ہیں۔ اس اعتبار سے نورانی صاحب سے تعلق میں ایک نئی جہت آ گئی تھی کہ حضرت دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے سید آلِ منیب پیرزادہ نے نورانی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے دلی اور روحانی تعلق مضبوط تر کر دیا تھا۔ اس کے بعد تو حضرت دیوان صاحب کے دوسرے چھوٹے صاحبزادوں سید آل نجیب پیرزادہ نے تجدیدِ بیعت کی نیز سید آلِ مجیب پیرزادہ نے بھی آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ موجودہ دیوان صاحب کی چھوٹی بہنیں اور ان کے چچازاد بھائی سید آلِ آمر پیرزادہ بھی حضرت نورانی صاحب کے حلقۂ ارادت میں شامل رہے۔

پیر سید محمد محدث کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ

پیر صاحب کی ملی مذہبی اور سیاسی خدمات اس قدر مسلسل اور مربوط ہیں کہ علماء اور مشائخ کے حلقہ میں ہمیشہ عقیدت و اخلاص کی نگاہ سے دیکھے گئے ہیں۔ حضرت دیوان صاحب اجمیر شریف سے آپ کا وہ قریبی تعلق تھا کہ آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ اجمیر شریف میں آپ نے خصوصی اور تاریخی خطاب فرمایا۔ اس کانفرنس کی صدارت شیخ المشائخ حضرت دیوان صاحب اجمیر شریف ہی نے فرمائی تھی حضرت خواجہ غریب نواز کے عرس

مبارک کے خصوصی ایام میں منعقدہ اس عظیم الشان کانفرنس میں آپ کے خطاب کا ایک ایک جملہ یقین، اعتماد اور محبت سے مملو تھا۔ آغازِ خطاب میں فرماتے ہیں۔

"اے سنیو بھائیو! اے مصطفےٰ علیہ کے لشکریو! اے خواجہ کے مستو! اب بحث کی لعنت کو چھوڑو، اب غفلت کے جرم سے باز آؤ، اٹھ پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنالو تو جا کر دم لو کہ یہ کام اے سُنیو! صرف تمہارا ہے"

اس کانفرنس کے لئے حضرت دیوان صاحب کا اعلان بھی اعتماد، اتحاد اور قائداعظم کی قیادت پر پختہ یقین کا مظہر تھا۔ فرماتے ہیں:

"اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ ضروری اور اہم مسلہ یہ ہے کہ مسلم لیگ جو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلمانانِ ہند اس جماعت کے جھنڈے تلے جمع ہیں۔ اغیار اور معاندین ہماری اس واحد نمائندگی اور قیادت کی دھجیاں فضا میں بکھیرنا چاہتے ہیں" میں اپنے سلسلہ کی خانقاہوں کے سجادگان سے اپنے جد امجد حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی گدیوں کو چھوڑ کر اس نازک وقت میں اسلام کی خدمت کے لئے نکل پڑیں اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کے لئے کمر ہمت باندھ کر میدان میں آجائیں۔

قیام پاکستان کے بعد بھی مختلف مواقع پر دونوں حضرات جب بھی ملے تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ وقت اور فاصلے دلوں کو دور نہیں کر سکتے۔

مولانا عبدالحامد بدایونی رحمتہ اللہ علیہ

تحریک پاکستان کے سرگرم رہنما تھے۔ شدھی تحریک کے خلاف آپ کا کردار مثالی تھا۔ حضرت دیوان صاحب سے بھی آپ کا عقیدت و محبت کا رشتہ اس طرح مضبوط تھا کہ قیامِ پاکستان کے بعد آپ کراچی میں آباد ہو چکے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں خواجہ غریب نواز

رحمتہ اللہ کے عشاق نے جہانگیر پارک کراچی میں خواجہ صاحب کے عرس مبارک کا اہتمام کیا تھا۔اس عرس کی صدارت کے لئے حضرت دیوان صاحب کوخصوصی طور پر سرگودھا سے مدعو کیا گیا تھا۔کراچی میں جہاں جہاں حضرت دیوان صاحب تشریف لے گئے اس پورے قیام کے دوران مولانا عبدالحامد بدایونی ہمراہ رہے۔حضرت دیوان صاحب نے کراچی میں اسی قیام کے دوران پیر الٰہی بخش کالونی کی بڑی مسجد کا سنگِ بنیاد بھی رکھا تھا۔

مولانا عبدالستار نیازی مرحوم ومغفور

تحریک پاکستان کے رہنما مولانا نیازی سے بھی حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا دیرینہ تعلق تھا۔حضرت کے سرگودھا کے قیام کے دوران آپ کئی بار بلاک نمبر۱۲میں حضرت کی قیام گاہ پر تشریف لاتے رہے۔ختمِ نبوت کی تحریک میں حضرت دیوان صاحب بھی سرگرمی سے حصہ لیتے رہے تھے اس دوران حضرت کے اسی مکان پر تحریک ختم نبوت کے ضمن میں اجلاس ہوا کرتے تھے۔مولانا نیازی اپنی اس نیازمندانہ وابستگی کا اظہار کرتے رہے۔ہر موقع پر بھرپور عقیدت سے تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت اور مشائخ کرام کو متحد کرنے کے بارے میں حضرت دیوان صاحب کے دردِ دل کا ذکر اس طرح کیا کرتے کہ دل کی بات دل میں اتر گئی تھی۔

علامہ نیازی مرحوم نے عمر کے آخری حصہ تک حضرت دیوان صاحب کے گھرانے سے تعلق قائم رکھا''گلشن سلطان الہند''میں اعراس کے مواقع پر پُر جوش خطاب آپ کے اخلاص وعقیدت کا مظہر ہوتا تھا۔

صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت صدر الافاضل کا علمی مقام یوں تو ان کے مُسلمہ خطاب سے ہی ظاہر ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کے جامعہ کے فارغ التحصیل طلبہ نے بھی علمی فضیلت اور بزرگی میں وہ مرتبہ اور شان پائی ہے کہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی کا معیار فضیلت بڑھتا

ہی رہے گا۔ آپ اتنی عالمانہ شان رکھنے کے باوجود بہت متواضع اور نسبت شناس تھے۔ بالخصوص حضرت دیوان صاحب سے تو گویا آپ کا والہانہ قلبی تعلق تھا۔ حضرت دیوان صاحب بھی اکثر اپنی نجی گفتگو میں مولانا مراد آبادی کا ذکر بہت محبت سے کیا کرتے تھے۔ حضرت صدر الافاضل نے ۳ نومبر ۱۹۴۲ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے ۳۳ ویں جلسہ دستار بندی میں خصوصی طور پر حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ کو جلسہ کی صدارت کے لئے مدعو کیا تھا۔ اس موقع پر مراد آباد کو دلہن کی طرح سجایا گیا۔ استقبالی محرابیں راستہ کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی تھیں طلبہ اور معتقدین نے پھول نچھاور کر کے حضرت دیوان صاحب کا فقید المثال استقبال کیا۔ جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ نے اردو، فارسی اور عربی کی منظوم منقبتیں حضرت کی شان میں پیش کر کے جن دلی اور روحانی جذبات کا اظہار کیا تھا، وہ کتابچہ کی شکل میں مرتب کر کے تقسیم بھی کیا گیا تھا۔ اس کتابچہ کو ضمیمہ کے طور پر کتاب میں شامل کر دینا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ایک تو یہ تاریخی دستاویز محفوظ ہو جائے گی۔ نیز اس کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ اس طرح اُن حضرات کے جذبات اور نام بھی محفوظ ہو جائیں گے جنہوں نے قیام پاکستان سے قبل حضرت دیوان صاحب کے اجمیر شریف سے مراد آباد دورہ کے موقع پر اپنی محبتوں اور عقید تمندی کے نذرانے پیش کئے تھے مراد آباد جانے سے قبل اجمیر شریف سے سجادہ نشین اجمیر شریف حضرت دیوان صاحب سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے سجادہ نشین دیوان قطب الدین کی دستار بندی کے لئے خصوصی طور پر پاکپتن شریف تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے دیوان صاحب پاکپتن شریف جناب قطب الدین صاحب کی دستار بندی فرمائی جو اس وقت بہت کم عمر تھے۔

اسی طرح حضرت صابر کلیری کے سجادہ نشین نے اپنے بڑے صاحبزادے کی دستار بندی کی غرض سے حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو عرس شریف کے موقع پر خصوصی طور پر کلیر شریف بلایا تھا۔

آپ نے اپنے قیام اجمیر شریف کے دوران ناگور شریف کے صاحبزادگان کی دعوت پر وہاں کا دورہ کیا۔ آپ ناگور شریف کی اس حاضری سے بہت خوش تھے اور تشکر کے طور پر حضرت نے ''الاشد زیارت ناگور حاصل'' کے ذریعہ اس دورہ کی تاریخ بھی نکالی تھی۔

حضرت میاں علی محمد خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ بسی شریف

حضرت میاں صاحبؒ اپنی علمی، روحانی شان میں بے مثال تھے۔ میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت شناسی اور بزرگوں بالخصوص بزرگان چشت کے ساتھ جو قلبی اور روحانی تعلق رکھتے تھے وہ ہر قسم ریا اور شک وشبہ سے بالا تھا۔ حضرت بابا فرید شکر گنج سے جس طرح روحانی تعلق میاں صاحب نے استوار کیا تھا وہ آپ کی حضرت بابا صاحب کے آستانہ عالیہ پر طویل حاضری اور پھر آستانہ عالیہ بابا صاحبؒ کے صحن میں اُن کی تدفین سے ظاہر ہوتا ہے۔

میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا وسیع حلقہ ارادت آج بھی ملک کے طول وعرض ہی میں نہیں، ہندوستان اور دیگر ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔ میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت دیوان صاحب سے تو بڑی بات ہے ان کے جانشین پھر ان کے بھائیوں، بیٹوں غرض دیوان صاحب کے ہر خانوادہ سے انتہائی عقیدت ومحبت سے ملا کرتے تھے۔ دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ خود بھی بے ریا روحانی جذبوں کے قائل تھے چنانچہ آپ کے دل میں تجدید بیعت کا خیال آیا تو حضرت کو میاں صاحب سجادہ نشین بسی شریف سے بڑھ کر کوئی دوسری شخصیت نہ بھائی۔ حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جب اپنی سچی دلی

خواہش کا اظہار میاں صاحب سے فرمایا تو میاں صاحب جو آج تک حضرت کو احترام اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے' اُن کے لئے اس معصوم اور تصنع سے پاک خواہش کو ماننا آسان نہیں تھا چنانچہ انہوں نے مختلف عذر پیش کیے لیکن حضرت دیوان صاحب کا جذبہ اس طرح صادق اور کامل تھا کہ حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خواہش قبول فرمانی پڑی۔

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی انکساریٔ مزاج کا اندازہ اس بات سے لگانا اُن حضراتِ چشتیہ کے لئے مشکل نہیں ہوگا جو اپنے اپنے حلقۂ ارادت کو معتبر' وجہ امتیاز اور بہت حد تک وجہ ناز سمجھتے ہیں۔ بلا امتیاز اس پہلو سے کہ شجرۂ طریقت میں ان کا درجہ و مقام کیا قرار پاتا ہے' حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ تو براہِ راست سر تاجِ چشت' حضرت خواجہ غریب نواز سید معین الدین حسن سنجری کی صلبی اولاد اور سجادہ نشین تھے لیکن حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے سلسلہ ارادت قائم ہونے کے بعد آپ نے اپنے شجرۂ طریقت میں میاں صاحب اور ان کے سلسلہ کے بزرگوں کا نام اپنے نام سے قبل شامل کروا دیا۔ میاں صاحب رحمتہ اللہ کے مریدین میں حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے قبلہ سید آلِ سیدی پیرزادہ' ناچیز راقم تحریر' سید آلِ سیدی پیرزادہ کے صاحبزادگان اور حضرت دیوان صاحب کی صاحبزادی صاحبہ اور دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے سید آلِ نجیب پیرزادہ بھی شامل ہیں۔

حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی نرینہ اولاد نہیں تھی چنانچہ آپ کے نواسے جناب صاحبزادہ محمود میاں صاحب کو آپ کا جانشین مقرر کیا گیا ہے۔ آپ آج بھی حضرت دیوان صاحب کے خاندان سے دیرینہ تعلق کو احسن طریقہ پر قائم رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت دیوان صاحب سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے چہلم شریف کے موقع پر بھی آپ نے شرکت فرمائی اور موجودہ دیوان سید آلِ حبیب علیخاں دام اقبالہ' کی دستار بندی فرمائی۔

مولانا امجد علی اعظمی سُنی حنفی، رضوی قادری رحمتہ اللہ علیہ

صدر الشریعہ مولانا اعظمیؒ کو تفسیر وحدیث وفقہ اور دیگر شرعی علوم وفنون میں مہارت حاصل تھی۔ صدر الشریعہ کثیر التصانیف تو نہیں تھے، لیکن اُن کی وہ کتاب جو دوسرے مصنفین کی جملہ تصانیف پر بھاری ہے، وہ ان کی معرکتہ الآراء تصنیف ''بہار شریعت'' ہے، یہ فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف ہے مصنف فقہ اسلامی اور مسائل شرعیہ کو مکمل طور پر بیس (۲۰) جلدوں میں سمیٹنا چاہتے تھے مگر عمر نے وفا نہ کی اور سترہ (۱۷) حصے لکھنے کے بعد دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ تاہم دائرۃ المعارف دو جلدوں میں بڑی تقطیع کے کل ۹۸ ۷ اصفحات پر مشتمل ہے اور ہر سُنی حنفی گھر کی علمی پیاس بجھانے کی کلید ہے۔ یوں تو آپ نے ہندوستان کے مختلف مراکز علمی و مذہبی میں خدمات انجام دی ہیں مولانا اعظمیؒ کی دارالعلوم معینیہ اجمیر شریف کی خدمات نے صدر الشریعہ کو حضرت دیوان صاحب سے بہت قریب کر دیا تھا۔ دونوں حضرات حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف میں دیر دیر تک علمی مذہبی مسائل و موضوعات پر گفتگو فرماتے رہتے۔ اجمیر شریف کا ماحول حضرت دیوان صاحب کے لئے کس قدر پریشان کن تھا اس کی جھلک غازی محی الدین اجمیری کے کتابچہ سے عیاں ہے جو کہ ضمیمہ میں شامل ہے ان حالات میں مولانا امجد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت کے ایسے رفیق رہے کہ پریشانی کے ہر موقعہ پر باہمی مشاورت سے لائحہ عمل تیار کیا جاتا تھا۔

مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری بھی حویلی دیوان اجمیر شریف کے حاضر باش تھے والد گرامی کا حضرت دیوان صاحب سے خصوصی تعلق بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا یہی سبب تھا کہ پاکستان میں اپنے قیام کے دوران بھی انہوں نے اس قدیم پرخلوص رشتۂ موانست کو قائم رکھا۔

مہاراجا سر کشن پرشاد آنجہانی

ادب نواز غیر متعصب اور دردمند طبیعت کے ساتھ حضرت خواجہ بزرگ کے انتہائی عقیدت مند تھے۔قدیم رسم کے مطابق مہاراجوں کے اعزاز کے طور پر ان کی دربار خواجہؒ پر حاضری کے مواقع پر آستانہ عالیہ کے سجادہ نشین کی جانب سے مرصع پرتلا اور تلوار پیش کی جاتی تھی۔ایک بار حضرت دیوان صاحب سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں جبکہ مہاراجہ صاحب اپنے منصب سے معزول تھے حاضری کے موقع پر ان کے سابق منصب کے مطابق اعزاز نہیں دیا گیا تو آپ نے جاتے ہوئے ایک خصوصی قاصد کے ذریعہ دیوان صاحب سے اس کا شکوہ کیا۔دیوان صاحب نے فوراً اپنے چھوٹے بھائی حکیم آلِ احمد صاحب قبلہ کے ساتھ ان کے تحائف ریلوے سٹیشن اجمیر شریف پر مہاراجہ صاحب تک بھیج دیئے۔انہوں نے اپنے لیے اس اعزاز کی بحالی کو نیک شگون سمجھتے ہوئے حکیم صاحب سے فرمائش کر کے دستورِ سابق کے مطابق ان کے ہاتھ سے تلوار گلے میں حمائل کروائی پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر درگاہ خواجہ صاحب کی طرف رخ کر کے بار بار یہ الفاظ دھرائے۔الحمدللہ شاد بامراد ہوا۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد آپ اپنے سابق منصب پر بحال ہو گئے اور جب کسی تقریب میں دیوان صاحب سے ملاقات ہوئی تو مسرت کے ساتھ کہنے لگے یہ سب اُس مہربانی کے سبب ہے جو آپ نے میرے ساتھ اجمیر شریف کی حاضری کے موقع پر فرمائی تھی۔

دیوان صاحبؒ کے خلیفہٗ مجاز فضل داد خان صاحب مرحوم

اجمیر شریف کے حاضر باش حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بے شمار مخلصین، محبین، معتقدین میں ایک نام ضلع اٹک کی نامور شخصیت جناب فضل داد خان صاحب کی بھی تھی۔آپ کو حضرت خواجہ صاحب اوران کی اولاد سے بے پناہ محبت تھی۔اکثر

اجمیر شریف آیا کرتے تھے۔ دربار عالیہ پر حاضری کے بعد حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف تشریف لاتے تھے۔ نہایت سوز وگداز کے مالک انسان تھے۔ یہی وہ خوش قسمت تھے جنہوں نے حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف میں بیٹھ کر حضرت دیوان صاحب کے دستِ مبارک سے دستارِ خلافت بندھوائی۔ پھر واپس آ کر اپنے علاقہ میں سلسلہ کی ترقی اور وسعت کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ حضرت دیوان صاحب کے پشاور کے قیام کے دوران آپ اکثر اپنے پیر طریقت سے ملاقات کے لئے اپنے مریدین کے ساتھ انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ حاضری دیتے تھے۔

حضرت دیوان صاحب بھی خلیفہ صاحب سے بہت شفقت کا برتاؤ فرماتے ہوئے حویلی دیوان صاحب میں محفل سماع کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ قوالی کی یہ خصوصی محفل جذب وشوق کا ایسا سماں باندھ دیتی تھی کہ حاضرین محفل کے دل بھی بے قابو ہو جاتے تھے۔ خلیفہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے درمیانے صاحبزادے نثار احمد صاحب ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ ان کی وارفتگی اور جذبۂ روحانیت اس قدر صادق تھا کہ ان کے مریدین نثار صاحب کے انتقال کے طویل عرصہ بعد آج بھی ان کا ذکر کر کے اشکبار ہو جاتے ہیں۔ جناب صاحبزادہ نثار احمد صاحب کے وصال کے بعد ان کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ طارق مسعود صاحب کو سجادگی تفویض ہوئی۔ جس کو آپ اپنی زندگی کے اختتام تک احسن طریقہ سے چلاتے رہے ہیں۔ اس وقت اس درگاہ کے سجادہ نشین صاحبزادہ جمیل احمد صاحب ہیں۔ آپ جواں ہمت' باصلاحیت انسان ہیں۔ اس خاندان اور اس سے وابستہ حضرات کی دلی محبت ہے جس نے حضرت دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کو اس امر پر آمادہ کیا کہ اپنے والدِ بزرگوار کے جسد مبارک کو پشاور سے جہاں آپ کو امانتاً سپرد خاک کیا گیا تھا گلشن سلطان الہند اجمیری منتقل کیا۔ اس کے بعد تو خود

حضرت دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ بھی والدِ بزرگوار کے پہلو میں ہی بنائی گئی ہے۔ آج ان حضرات کے مزارات مبارکہ پر گنبد شریف کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ دیوان صاحب کی رہائش گاہ گویا ''حویلی دیوان صاحب'' محفل سماع کا ہال' مہمان خانہ لنگر خانہ اور عظیم الشان جامع مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ اس خانقاہ کو حقیقی معنوں میں اولیاء سلف خصوصاً بزرگان چشتیہ کے منشاء اور مشن کے مطابق چلانے کے لئے یہاں مدرسہ اور لائبریری کے قیام کے منصوبہ کا بھی آغاز کر دیا گیا ہے۔ خلیفہ بہرام خان (مرحوم) کے مریدین صادق حاجی رب نواز خان اور ان کے بھائی صاحبان کا جذبِ صادق گلشنِ سلطان الہند کے قیام اور آبادی میں یقیناً قابل ذکر ہے۔

حضرت شاہ محمد مظہر اللہ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شاہ محمد مظہر اللہ رحمتہ اللہ علیہ مفتی اعظم ہندوستان امام جامع مسجد فتحپوری بھی حضرت دیوان صاحب سے حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے۔ ایک موقع پر آپ کے صاحبزادہ جناب پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اُس ملاقات کی تصویر کشی پروفیسر صاحب نے اس کتاب کے آغاز میں موجود تاثرات میں بھی کی ہے۔ دونوں صاحبان کے درمیان بہت اخلاص کا تعلق تھا۔

بے شمار حضرات میں سے یہ وہ چیدہ چیدہ خوش نصیب حضرات تھے جنہوں نے حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے اجمیر شریف کے شب و روز اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ حضرت خواجۂ بزرگ کے عرس مبارک کے موقع پر دیوان صاحب کی عظمت و شان' ان کی ایک جھلک دیکھنے کے شائقین کا ہجوم اور جذبۂ شوق' آپ کے دست مبارک پر بوسہ دینے کے خواہشمند حضرات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا وہ سمندر بھی ان حضرات نے

دیکھا تھا جو صرف آپ کے جبہ مبارک کو چھو لینا بھی اپنی سعادت تصور کرتے تھے۔ وہ تو درویش صفت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی دنیا سے بے رغبتی اور مادیت سے لاتعلقی تھی کہ اس شان وشوکت کا اثر آپ نے قلبی اور روحانی زندگی پر نہیں پڑنے دیا ورنہ دیکھا تو یہی گیا ہے کہ جہاں ذرا سی رفعت و مرتبت حاصل ہوئی انسان کا انداز زندگی ہی بدل جاتا ہے لیکن حضرت دیوان صاحب کا تو یہ عالم تھا کہ غریب کا دکھ اور پریشان حال کا غم برداشت نہیں ہوتا تھا۔ غرباء کی اس طرح مدد فرماتے گویا احسان نہیں بلکہ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جس منصب اور اعزاز کے ساتھ زندگی گزاری اس کی تو بات ہی کچھ اور ہے' بالعموم دیکھا یہی گیا ہے کہ ذرا اعزاز اور پہچان ملی سیاست کی طرف رخ کیا مگر دیوان صاحب کا یہ عالم تھا کہ برصغیر میں منصبِ سجادگی کے باعث ممتاز ہونے کے باوجود آپ نے صرف اُسی حد تک سیاست میں حصہ لیا' جس حد تک ملک وملت کو آپ کی رہنمائی کی ضرورت تھی بصورت دیگر وہی خانقاہ اور مخلوقِ خدا کی روحانی تربیت وتسکین کا کام آپ کی زندگی کا معمول رہا تھا۔

رحمت اللہ غزنی خیل

تحریک پاکستان اور آزادی وطن کے مراحل میں آپ نے مسلم لیگ کے جلسوں کی صدارت بھی کی اور اجمیر میں منعقدہ ۱۹۴۶ء کی عظیم الشان سنی کانفرنس کی صدارت بھی فرمائی۔ اخباری بیانات کے ذریعہ قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت اور مسلم لیگ کی تائید کے لئے بے شمار بیانات بھی دیئے۔ اس کے علاوہ اپنے ولیعہد وجانشین دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کو اپنا نمائندہ بنا کر بنوں کی طرف بھیجا جہاں قیام پاکستان کے موقع پر مسلم لیگ کے امیدوار کو آپ کے حلقۂ ارادت سے زبردست تائید حاصل ہوئی اور

نتیجتاً مسلم لیگی امیدوار کامیاب ہوئے۔ بنوں کے علاقہ میں حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا حلقہ اثر اس قدر موثر تھا کہ فیض اللہ خان کے بھائی سیف اللہ خان کے دادا رحمت اللہ غزنی خیل صاحب درگاہ معلیٰ اجمیر شریف کے ایسے بے لوث ممبر تھے کہ ایک ہنگامی ضرورت کے تحت آپ معذوری کی حالت میں اپنا ووٹ دینے کے لئے اجمیر شریف تشریف لائے تھے۔ حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف میں مہمانوں کی آمد کا ایک سلسلہ بندھا رہتا تھا۔ ان میں درویش صفت حکیم موسیٰ صاحب بھی تھے۔ ان کا تعلق سوڈان سے تھا۔ اکثر ایسے مواقع پر آتے جب دیوان صاحب کسی مسلۂ پر پریشان ہوتے۔ آپ کی آمد گویا ایک بشارت ہوتی تھی۔ جس سے حضرت کی پریشانی دور ہو جاتی تھی۔ دنیا کی باتیں تو جانتے ہی نہیں تھے اکثر اللہ اور اس کے رسولِ پاک ﷺ کی محبت سے مملو گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ پائے گاہ کے نواب لطف اللہ، مولانا سلیمان اشرف ڈین اسلامیات علی گڑھ یونی ورسٹی اور صدر الصدور حبیب الرحمٰن شیروانی مردِ قلندر مولوی عبدالسلام صاحب جیسی معروف ہستیاں بھی حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف حاضر ہوتی رہتی تھیں۔

سعید میاں کی ڈائری سے چند اوراق

سعید میاں مرحوم و مغفور، حضرت مودود چشتی کے سجادہ نشین یوسف علی شاہ مرحوم کے ماموں تھے۔ سجادہ نشین مرحوم کے پاس حضور نبی اکرم ﷺ کا موئے مبارک تھا۔ جس کو وہ اپنے وصال سے قبل ایسے شخص کے حوالے کرنا چاہتے تھے جو عزت و تکریم کے ساتھ اس موئے مبارک سے متعلق مراسم کو احسن طریقہ پر ادا کر سکے چنانچہ سعید میاں کو یہ ذمہ داری تفویض کی گئی۔ آپ اس وقت ریلوے کے آڈٹ آفس میں ملازم تھے۔ ذمہ داری سنبھالنے اور مراسم نبھانے کے لئے موصوف نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور وہ موئے مبارک سر پر رکھ کر اجمیر شریف لے آئے اور درگاہ شریف میں رکھا گیا۔

سعید میاں اجمیر شریف کے پرانے باسی تھے۔ ڈائری لکھنے کا ذوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ دور نزدیک کے عزیز و اقارب، احباب اور متعلقین کے شادی غمی سے متعلق واقعات نیز اہم واقعات خاصی تفصیل سے روزنامچہ میں تحریر کرتے رہے۔ حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین درگاہ عالیہ اجمیر شریف کے منصب پر فائز ہونے کے بعد آپ سے خصوصی تعلق قائم ہو گیا چنانچہ اس ڈائری سے درگاہ خواجہ صاحب سے متعلق بعض اہم واقعات اور حضرت کے اجمیر شریف کے شب و روز کے کئی اہم واقعات آپ کی ڈائری کے چند اوراق سے منکشف ہوتے ہیں۔ واقعات درج کرتے ہوئے موصوف کی املا کی پابندی کی گئی ہے۔

۱۔ بتاریخ ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۱۲ء بروز چہار شنبہ بوقت صبح صادق شیخ المشائخ دیوان سید امام الدین علیخاں صاحب سجادہ نشین حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ راہی ملک بقاء ہوئے اللہ خصوصی رحمت کرے۔ شرف الدین علیخاں صاحب ان کی جگہ مسند نشین ہوئے۔

۲۔ بتاریخ ۲ ربیع الثانی ۱۳۴۱ ہجری مطابق ۲ دسمبر ۱۹۲۲ء بروز شنبہ بوقت چھ بجے صبح کے شیخ المشائخ حضور دیوان سید شرف الدین علیخاں صاحب سجادہ نشین و نبیرہ حضور خواجہ غریب نواز نے قریب نوے ۹۰ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ دن کے ایک بجے جنازہ درگاہ شریف میں لائے بعد ظہر نماز جنازہ ہوئی اور مغرب کی نماز کے قریب سپردِ زمین کیا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مشتاقینِ زیارت کے اسرار پہ زیارت چہرۂ مبارک کی قبر میں اوتارنے سے قبل خواجہ حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مقبرہ صحن میں ہوئی اور مقبرہ میں ہی دفن ہوا۔ دیوان امام الدین علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے پہلو میں راقم روش مبارک کے ساتھ پائینتی کا حصہ اپنے پہلو میں لے کر قبر شریف تک حاضر ہوا اور قبر شریف میں اوتارنے کے بعد یہیں زیارت سے مشرف ہوا۔ ۱۴ ِ مطابق ۴ ِ ماہ سنہ رواں کے صبح کے وقت سوئم ہوئے اور رسمِ دستار بندی صرف شہر والوں کی جانب سے ہوئی۔ شہاب الدین صاحب عرف عید و میاں صاحب جو مستند بہ سمجھے گئے۔ اور نہ رسومات مسند نشین ادا ہوئیں یعنی نہ شادیانے بجے اور نہ گدی پر بیٹھے اور نہ درگاہ شریف کی جانب سے دستار بندھی۔ فریق ثانی مہربان علی وغیرہ کمشنر کا حکم پولیس کی معرفت لائے کہ دستار نہ باندھی جائے قبل فیصلہ دیوانی۔ حکم امتناعی انتقال کے روز ہی آ گیا تھا کہ رسومات و دستار بندی تا فیصلہ ادا نہ کی جائیں۔

۳۔ بتاریخ ۶ِ صفر ۱۳۴۳ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۲۴ بروز شنبہ وقت صبح دیوان صاحب سابق کا خاندان معہ زن و مرد بچوں کے حویلی سے نکال دیا گیا اور قبضہ دیوان صاحب حال کو دلوا دیا گیا۔ سابق قافلہ تباہ حال درگاہ شریف میں آ پڑا۔ جن میں دیوان غیاث الدین علیخاں صاحب مرحوم کی بیوہ بھی تھیں۔

۴۔ بتاریخ ۸ ربیع الثانی مطابق ۶ِ نومبر ۱۹۲۴ء بروز پنجشنبہ سات بجے کے جدید دیوان سید آلِ رسول علیخاں صاحب کی ہمشیرہ کا انتقال ہوا۔ ۹ مطابق ۷ ِ سنہ رواں بروز جمعہ دن

کے بارہ بجے کے بعد دفن سے فارغ ہوئے۔ دفن سولہ کھنبہ میں ہوا۔ ۱۰ مطابق ۵ سنہ رواں بروز شنبہ بعد نماز ظہر فاتحہ سوئم ہوئی۔ اللہ مغفرت کرے۔ راقم دفن وغیرہ میں شریک تھا۔

۵۔ بتاریخ ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۲۵ء بروز سہ شنبہ بوقت دوپہر مولوی حافظ سید منور حسین صاحب دہلوی کی والدہ صاحبہ یعنی دیوان سید آلِ رسول علیخاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی نانی بمرض فالج تین چار یوم کی علالت میں انتقال کیا۔ اللہ مغفرت کرے۔ دفن سولہ کھنبہ میں ۲۵ مطابق ۲۱ ماہ وسنہ رواں بروز چہار شنبہ بوقت گیارہ بجے تک ہوا۔ راقم بوجہ مجبوری دفن میں شریک نہ ہوسکا اور ۲۶ مطابق ۲۲ ماہ وسنہ رواں بروز پنجشنبہ بعد نماز ظہر فاتحہ سوئم ہوئی۔

۶۔ بتاریخ ۸ صفر المظفر ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۹۲۶ء بروز چہار شنبہ بوقت درمیان ڈھائی وتین بجے دن کے دیوان سید آلِ رسول علیخاں صاحب سجادہ نشین حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے بمرض دق تقریباً نو دس ماہ کی علالت کے بعد انتقال کیا۔ دفن میں مرحومہ کے برادران کی آمد کے انتظار کی وجہ سے تاخیر کی گئی اطلاع بذریعہ تار کی گئی ہے۔ ۹ صفر ۴۵ ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۲۶ء بروز پنجشنبہ بوقت ساڑھے آٹھ بجے صبح کی ڈاک گاڑی سے مرحومہ کے دو بھائی آئے اور نوسوا نو بجے جنازہ درگاہ شریف میں لائے اور گیارہ یا ساڑھے گیارہ بجے دفن سے فارغ ہوئے۔ راقم جنازہ میں شریک تھا۔ ۱۰ صفر ۴۵ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۹۲۶ء بروز جمعہ وقت دس بجے فاتحہ سوئم ہوئی بوجہ بارش شریک نہ ہوسکا۔ اللہ مغفرت فرمائے۔

۷۔ بتاریخ ۲ صفر المظفر ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۳۱ء بروز جمعہ کا دن گزار کر شب کو ساڑھے نو بجے کی ڈاک گاڑی سے احقر محمد سعید ہمراہی جناب دیوان سید آلِ رسول علیخاں صاحب براہ ریواڑی تونسہ شریف روانہ ہوا۔ ۵ مطابق ۲۲ شب کے ساڑھے نو بجے تونسہ

شریف پہنچا۔ ۷ مطابق ۲۲ بروز چہار شنبہ بوقت صبح دس بجے دیوان صاحب نے حضرت خواجہ حافظ سدید صاحب کو ان کے والد ماجد حضرت خواجہ حامد میاں صاحب کی جگہ دستار بندھائی۔ ۹ مطابق ۲۶ بروز جمعہ بعد نماز فجر تونسہ شریف سے روانہ ہوئے۔ حضرت خواجہ سدید الدین صاحب دریا تک پہنچانے تشریف لائے۔ ۱۰ مطابق ۲۷ بروز شنبہ بوقت صبح چھ بجے چشتیاں پہنچے۔ دربار اقدس حضور قبلہ خواجہ نور محمد مہاروی پر حاضر ہوئے۔ ۱۱ مطابق ۲۸ بروز یکشنبہ صبح ساڑھے چھ بجے چشتیاں سے دہلی شریف کے لئے روانہ ہوئے۔ دربار محبوب پاکؒ میں حاضر ہوئے۔ اور دن کے دو بجے زیارات سے مشرف ہوئے۔ ۱۳ صفر مطابق ۳۰ جون ۱۹۳۱ء صبح اجمیر شریف پہنچے۔ الحمد اللہ زیارات مزارات پیران عظام ہوئی اللہ مبارک فرمائے حاضری مقبول ہو۔

۸۔ بتاریخ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۳۲ء بروز چہار شنبہ بوقت صبح پانچ بجے حافظ مولوی سید منور حسین صاحب دہلوی نے گیارہ ماہ کی علالت کے بعد انتقال فرمایا۔ اللہ مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں خاص جگہ عنایت کرے۔ بعد نماز عصر نماز جنازہ ہوئی۔ راقم دفن سے فارغ ہو کر ٹھیک چھ بجے حجرہ پر پہنچا حضرت مرحوم دیوان سید آلِ رسول علیخاں صاحب سجادہ نشین حضور غریب نواز کے حقیقی بڑے ماموں صاحب ہوتے ہیں۔ ۲۹ ذی الحجہ مطابق ۶ مئی سنہ رواں بروز جمعہ آٹھ بجے صبح کے فاتحہ سوئم ہوئی۔ مطابق دستور دہلی بعد سوئم کے حاضرین کو فاتحہ کا کھانا پلاؤ زردہ کھلایا گیا۔ جس میں راقم بھی شریک تھا۔

۹۔ بتاریخ ۲۴ شوال المکرّم ۱۳۵۳ھ مطابق ۳۰ جنوری ۱۹۳۵ء بروز چہار شنبہ ڈاک گاڑی سے حضرت دیوان صاحب معہ اپنے برادرِ خورد آل احمد اور برخوردار آلِ مجتبیٰ کے پاکپٹن شریف حضرت بابا صاحب کے سجادہ صاحب کی دستار بندی کی تقریب میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے۔ ۱۰ ذیعقد ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۵ء بروز جمعہ صبح کی ڈاک

گاڑی سے معہ ہمراہ یہاں کے مع الخیر واپس تشریف لائے چند یوم دہلی شریف میں قیام رہا۔

۱۰۔ بتاریخ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۹۳۵ء بروز پنجشنبہ بوقت ساڑھے چار بجے سہ پہر کے بعد مشرف حسین صاحب دہلوی برادرِ خورد جناب سید منور حسین صاحب و حقیقی ماموں حضرت دیوان صاحب نے عرصہ دو سال کی علالت فالج میں انتقال کیا آخر میں انتقال سے پانچ روز قبل جل گئے تھے اور یہی سبب رحلت ہوا۔ اللہ مغفرت فرمائے۔

۱۱۔ بتاریخ ۲۱ ذی الحجہ الحرام ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۲ فروری ۱۹۳۸ء بروز سہ شنبہ بوقت دن کے تین بجے حضرت دیوان صاحب معہ اہل وعیال کے بغرض شادی اپنے ماموں زاد بھائیوں مسمیان قاسم حسین وانور حسین و بھورے میاں وغیرہ کے دہلی روانہ ہوئے۔ اللہ مبارک فرمائے۔

۱۲۔ بتاریخ ۹ شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء بروز پنجشنبہ دن گزر کر شب کو درگاہ شریف کے چھ بجے کے بعد پیرزادہ سید آلِ احمد صاحب معینی برادرِ خورد حضرت دیوان صاحب کے فرزند آلِ عبا صاحب کی بارہ سالہ سالگرہ کے شکریہ میں بیان میلاد حضور سرور کائنات ﷺ ہوا۔ راقم و عزیزم یوسف علی شریک تھے۔ یوسف علی نے بدھاوے کے طور انگور وسیب و پھول بھیجے۔ ۱۰ شعبان مطابق ۱۳ ستمبر سنہ رواں بروز جمعہ عصر کے وقت آلِ عبا صاحب کو حضرت دیوان صاحب معہ اپنے خاندان کے حضور غریب نوازؒ کی قدمبوسی کو لائے۔ عصر کی نماز جماعت سے پڑھی اور مزار اقدس پر حاضر ہوئے۔ وکیل خادم نے دستار بندھائی، سنا گیا کہ پانچ روپیہ درگاہ شریف میں نذر پیش کیے مغرب کی نماز کے بعد راقم کے پاس حجرہ پر ایک رکابی میں پلاؤ اور ایک میں زردہ آیا۔

۱۳۔ بتاریخ ۱۸ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۴۱ء بروز شنبہ صبح حضرت دیوان سید آلِ رسول صاحب دامت برکاتہٗ معہ راقم و آلِ احمد صاحب و آلِ نبی صاحب و آلِ مجتبےٰ و شمس الضحیٰ صاحب و مولوی عبدالسلام صاحب جیل اجمیر معائنہ کو گئے۔ اور حجرہ اکبری مسجد کے لئے جہاں آثار نبوی ﷺ تشریف فرما ہیں۔ دری کے فرش کا آرڈر دیا۔ دیوان صاحب نے منت مانی تھی کہ اگر حویلی کا معاملہ طے ہوگیا تو ہم حجرہ شریف کا فرش پیش کریں گے اور مبلغ دس روپیہ پیشگی آلِ احمد کے نام سے جیل پر جمع کرائے جس کی رسید کا نمبر ۲۲۴ ہے اور بتاریخ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۴۱ء بروز سہ شنبہ بوقت بعد نماز ظہر فرش تین قطعات میں طیار ہوکر آیا۔ ایک قطعہ درمیان پورا ستائیس فٹ لمبا اور دو قطعات شرقی و غربی چھوٹے۔ اللہ قبول فرمائے۔

۱۴۔ ۲۹ شوال المکرّم ۱۳۶۱ھ مطابق ۹ نومبر ۱۹۴۲ء بروز دوشنبہ بوقت چھ بجے شام کے ناگور شریف حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں صاحب سجادہ نشین حضور غریب نوازؒ معہ اپنے فرزندِ اکبر سید آلِ مجتبیٰ صاحب و سید صاحب جیپوری اور سلامت اللہ کے ناگور اسٹیشن پر پہنچے۔ اسٹیشن ناگور شریف پر پیرزادگان اولاد حضرت صوفی صاحبؒ و پیرزادگان اولاد حضرت غوث پاکؒ اور شہر کے اکثر و بیشتر بغرض استقبال حاضر تھے۔ جلوس کے ساتھ اسٹیشن سے سیدھے درگاہ شریف حضرت صوفی صاحبؒ میں حاضر ہوئے۔ آستاں بوسی کے بعد نماز مغرب وہیں پڑھی اور جائے قیام پر شہر کے بازاروں سے معہ جلوس کے گزرتے ہوئے پہنچے اور شام کا کھانا جو تیار تھا نوش کیا اور کچھ دیر ایک دوسرے کے تعارف میں لگی۔ چائے نوش کی۔ عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئے۔ دوسرے روز یکم ذیعقد مطابق ۱۰ نومبر سنہ رواں سہ شنبہ کو صبح کی نماز و چائے نوش کے بعد پھر آستانہ اقدس حضرت صوفی صاحبؒ میں حاضر ہوکر آستاں بوسی کے بعد مواجہ میں قیام کیا اور تذکرہ شریف مصنفہ مولوی سید عابد

حسین صاحب مرحوم جو حضرت صوفی صاحب کے حالات میں تھا راقم نے پڑھا اور واپس آ گئے۔ شام کو بعد نماز عصر حضرت بڑے پیر صاحبؒ کی درگاہ شریف میں حاضر ہوئے آستاں بوسی اور پھول پیش کرنے کے بعد صحن مسجد میں قیام کیا اور تذکرہ شریف حضور غوث پاکؒ مصنفہ مولوی سید عابد حسین صاحب راقم نے پڑھا۔ اور فاتحہ و تقسیم تبرک مغرب نماز جناب دیوان صاحب نے اپنی امامت میں پڑھائی اور راقم کے ماموں صاحب قبلہ کی نشست میں آ کر نشست کی۔ سماع ہوا۔ انور علی صاحب نے عطر وغیرہ ملا اور وہاں سے جائے قیام پر آ گئے۔ راقم کا سامان جو درگاہ حضرت صوفی صاحبؒ میں تھا دیوان صاحب نے منگا لیا دوران قیام بھی پیرزادگان کے یہاں دعوت ہوتی رہتی۔ ۳ شوال مطابق ۱۱ نومبر سنہ رواں پنجشنبہ کو صبح کی نماز و چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر مولوی عبدالحق ہانسی والے کے ہمراہ ہانسی تشریف لے گئے اور شام عصر کے وقت واپسی حسب قرارداد اسٹیشن ناگور شریف پہنچے اور شام کا کھانا اسٹیشن ناگور پر وزیٹنگ روم میں نوش کیا۔ جو عبدالحق ہانسی والے کی جانب سے تھا۔ راقم بھی شریک تھا۔ بعد فراغت کچھ دیر بات چیت کر کے راقم رخصت ہو گیا اور سیدھا حضرت صوفی صاحبؒ کے آستانہ میں حاضر ہوا حضرت دیوان صاحب نے شب ناگور اسٹیشن پر گزاری اور صبح کو پانچ بجے معہ اپنے ہمراہیاں و غلام سرور صاحب سجادہ نشین فتح پور حاجی نجم الدین صاحبؒ بیکانیر روانہ ہو گئے۔ اور راقم دوسرے روز یعنی ۴ ذیعقد مطابق ۱۳ نومبر سنہ رواں جمعہ کو دن کے نو بجے اجمیر آ گیا۔ الحمد اللہ علی ذالک ۱۰ ذیعقد الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹ نومبر ۱۹۴۲ بروز پنجشنبہ دن گزار کر شب کو دس بجے آپ ٹرین سے جس سے کہ راقم اترا تھا حضرت دیوان صاحب بیکانیر وغیرہ ہوتے ہوئے اجمیر اسٹیشن پر اترے اور حسب معمول ۱۱ ذیعقد مطابق ۲۰ نومبر سنہ رواں جمعہ کو حجرہ شریف پر بعد فریضۂ جمعہ تشریف لائے۔ سنن و نوافل کے بعد زیادہ دیر نہیں ٹھہرے مختصر ذکر ناگور شریف کے متعلق

رہا۔ اور اسی سلسلہ میں اپنے صاحبزادہ آلِ مجتبیٰ صاحب کے متعلق بیان کیا کہ انکو راستہ ہی سے بخار ہو گیا۔ اس وجہ سے وہ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہو سکے۔ اللہ صحت عطا فرمائے۔

۱۵۔ بتاریخ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۴۳ء بروز دوشنبہ دن گزر کر مابین مغرب وعشاء سید انور حسین صاحب ابن مولوی حافظ سید منور حسین صاحبؒ دہلوی جناب دیوان صاحب کے حقیقی ماموں زاد نے بمرض دق عرصہ ڈھائی یا تین سال کی علالت کے بعد انتقال کیا۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ ۱۳ مطابق ۱۸ ماہ سنہ رواں بروز سہ شنبہ بوقت صبح آٹھ بجے جنازہ درگاہ شریف میں لائے اور محلہ اندر کوٹ جالیوں کے قبرستان متصل سڑک تارہ گڑھ دفن کیا۔ دن کے دس بجے دفن سے فارغ ہوئے۔ ۱۴ مطابق ۱۹ ماہ و سنہ رواں بوقت صبح ساڑھے آٹھ بجے فاتحہ سوئم ہوئی۔ مرحوم ریلوے ورکشاپ میں ملازم تھے۔ مرحوم کا عقد حضرت دیوان صاحب کی حقیقی ہمشیرہ زادی بنت سید حمید الدین صاحب کی دختر سے ہوا۔ مرحوم نے اپنی یادگار ایک صغرسن لڑکی تقریباً ڈھائی تین سال کی عمر کی چھوڑی۔ حافظ منور حسین صاحب کے صرف یہ ایک ہی صاحبزادہ سید انور حسین صاحب تھے۔ اور کوئی اولادِ ذکور واناس نہیں تھی۔ بعد فاتحہ سوئم خاص خاص آدمیوں کو بموجب دستور دہلی کھانا کھلایا جس میں گوشت روٹی تھی۔ راقم دفن و نیز فاتحہ سوئم میں شریک تھا۔

۱۶۔ بتاریخ ۲۰ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ مطابق ۳ ستمبر ۱۹۴۳ء بروز پنجشنبہ بوقت شب گزشتہ تین بجے حضرت دیوان صاحب کی اہلیہ ثانی نے چار صغرسن بچے چھوڑ کر جن میں بڑے صاحبزادے مسمی آلِ طہٰ (طہٰ) کی عمر چھ سال کی ہوگی۔

۱۷۔ بتاریخ ۱۱ شوال المکرم ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۹ ستمبر ۱۹۴۴ء بروز جمعہ بوقت مابین عصر و مغرب حضرت دیوان صاحب کے چھوٹے صاحبزادے سید آلِ حامد صاحب سلمہٗ کا عقد حضرت دیوان صاحب کی ہمشیرہ زادی سید حمید الدین صاحب کی چھوٹی دختر سے ہوا۔ اور

سید فضل النبی صاحب سلمہٗ ابن مولوی سید فضل کریم صاحب مرحوم کا عقد حضرت دیوان صاحب کی برادرزادی سید آلِ نبی صاحب ایم اے۔ بی ٹی انسپکٹر تعلیمات کی دختر سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔ اجمیر کے معززین وعہدہ دار ہندو مسلمان شریک تھے۔

۱۸۔ بتاریخ ۱۲ شوال المکرّم ۱۳۶۳ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۴۴ء بروز ہفتہ بوقت شب کے نو بجے کی ڈاک گاڑی سے راقم حضرت دیوان صاحب کے بڑے صاحبزادے سید آل مجتبٰے صاحب سلمہٗ وہمشیرہ زادہ سید شمس الضحیٰ صاحب سلمہٗ ابنِ مولوی سید فضل کریم صاحب کے عقد کی شرکت میں حضرت دیوان صاحب کے ہمراہ سیکنڈ کلاس کے ڈبہ میں روانہ ہوا (دہلی پہنچ کر اجمیر اور دہلی کی تاریخوں میں اختلاف ہے اس لئے دہلی میں جو تاریخ مانی گئی وہ لکھی گئی ہے) ۱۲ شوال ۶۳ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۲۲ء بروز یکشنبہ بوقت صبح ساڑھے آٹھ بجے دہلی پہنچے۔ اور پنڈت کے کونچہ میں جہاں دلہن والوں نے قیام کا انتظام کیا تھا پہنچ گئے۔ صبح ۱۳ شوال ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۴ء بروز دوشنبہ بوقت دس گیارہ بجے آلِ مجتبیٰ صاحب کا عقد پیر جی عبدالصمد کے مکان میں عبدالغنی صاحب شملہ والے کی پوتی عبدالمغنی صاحب کی صاحبزادی سے ہوا۔ اور اسی روز شام کو شمس الضحیٰ صاحب کا عقد سید نذیر الحسن مرحوم کی دختر سے ہوا۔ ۱۵ شوال مطابق ۱۴ اکتوبر سنہ رواں بروز چہارشنبہ کو دہلی میں بعد نماز ظہر سے آندھی اور بارش شروع ہوئی۔ خوب زور کا مینہ برسا۔ کئی درخت گر گئے شام کو بعد عصر متصل مغرب حضرت دیوان صاحب معہ ہمراہیاں وغیرہ برستے مینہ میں حضور محبوب پاکؒ کے آستانہ میں حاضر ہوئے۔ مغرب کی نماز وہیں ادا کی اور برستے مینہ ہی میں روانہ ہو گئے۔ اور دوسرے روز یعنی ۱۶ شوال مطابق ۱۵ اکتوبر سنہ رواں بروز پنجشنبہ شب کی ڈاک گاڑی سے اجمیر روانہ ہو گئے اور جمعہ کو ۱۸ شوال مطابق ۱۶ اکتوبر سنہ رواں کو صبح اجمیر پہنچے درگاہ شریف میں رسم شادیانے کی ادا ہوئی۔

۱۹۔ بتاریخ ۱۱ شوال المکرّم ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۴۵ء بروز چہار شنبہ بوقت آٹھ بجے حضرت دیوان صاحب کے بڑے صاحبزادہ مولوی سید آلِ مجتبیٰ صاحب کے گھر میں پہلے پہل کی دختر تولود ہوئی۔ اللہ مبارک کرے اور عمر دراز عطا فرمائے اور ۱۷ شوال مطابق ۲۵ ستمبر سنہ رواں بروز سہ شنبہ اس بچی کی تقریب عقیقہ ہوئی۔ حضرت دیوان صاحب کی طرف سے شہر کے مخصوص حضرات کی دعوت ہوئی اور پیرزادگان لاکھی کوٹھری اندرکوٹ کی زنانی دعوت بھی تھی اندرکوٹ کے پیرزادگان حویلی شاہ صاحب کے یہاں آمدورفت اسی تقریب سے شروع ہوئی۔ حضرت دیوان صاحب کی طرف سے دو عورتیں دیوان صاحب کے ماموں زاد بھائی سید قاسم حسین صاحب کی بیوی اور عزیزم فضل علی پیرزادہ لاکھی کوٹھری کی والدہ شاہ جی صاحب کی حویلی کی عورتوں کو لینے کے لئے آئیں۔

۲۰۔ بتاریخ ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۶۷ء مطابق ۵ مئی ۱۹۴۸ء بروز چہار شنبہ بوقت چھ بجے سہ پہر کے حکیم عنایت حسین ابن طالب حسین کے پاس چیف کمشنر صاحب کا حکم آیا کہ سجادگی حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے لئے جو مدعیان مسمیان ذیل علم الدین، بشیر الدین، شہاب الدین، رشید الدین، منظور حسین، عنایت حسین وغیرہ تھے ان میں تم یعنی عنایت حسین ابن طالب حسین منتخب کئے گئے اور حکومت ہند نے تم کو سجادہ مقرر کیا اور سجادگی کے متعلق جس قدر جاگیر وحقوق ہیں وہ بھی تمہاری طرف منتقل کر دیئے گئے اور دیوان سید آلِ رسول علیخاں کو برخواست کیا گیا۔ اسی وقت مبارک کی سلامتی شروع ہوگئی۔ اور ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۴۸ء بروز پنجشنبہ بوقت صبح نو بجے حویلی دیوان صاحب کی سیل مہر توڑی گئی اور رسم دستار بندی ادا ہوئی۔ شب کو پنجشنبہ کی مجلس میں بحیثیت سجادہ نشین درگاہ شریف میں آئے اور دیوان سید عنایت حسین علیخاں کے نام سے سلامتی پڑھی گئی۔ متولی اسرار احمد نے تعظیم دی۔ بعد ازاں عرس شریف کی تمام مجالس میں شب کو و نیز ۶ رجب کو دن

کی مجلس میں آئے اور قتل ہوا۔ دیوان سید آلِ رسول علیخاں معہ اپنے خاندان برادران و فرزندان کے اجمیر سے بوجہ شورش و انقلاب کے خائف ہوکر چلے گئے اور حکومت نے ان کو برخواست کر کے جدید کانگریسی سجادہ جو پیشہ طبابت کرتے تھے اور دس روپیہ ماہوار کے ملازم تھے۔ یعنی حالت بھی خراب تھی لونڈی زادہ تھے باپ و دادا اور چچا وغیرہ کی حالت بہت افلاس و ذلت کی تھی۔ غرض کسی صورت سے بھی سجادگی کے نہ مستحق تھے نہ ایسے جلیل القدر اور مقدس عہدہ کے قابل تھے۔ حکومت ہند نے محض کانگریسی ہونے کے اپنا آدمی سمجھ کر سجادگی دے دی۔

مہاجرت کے مصائب اور دیوان صاحبؒ کا استقلال

مہاجرت کے مصائب اس قدر صبر آزما ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے استقلال مزاج رکھنے والے اس تصور سے گھبرا جاتے ہیں۔ تصور کیجئے کہ مہاجرت کا امتحان اتنا شدید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب انبیاء اور اولیاء اللہ کو اس امتحان سے گزارا ہے۔ مہاجرت کا مطلب ہے دیس اجنبی، لوگ اجنبی، ماحول اجنبی، رسم و رواج اجنبی اور اس پر طرہ یہ کہ اچھی بھلی زندگی جس میں معاش کی بے فکری بھی شامل تھی۔ اسے خیر باد کہہ کر بے چارگی کے عالم میں نامانوس شہر اور ماحول کا رخ کر کے مالی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور یہ سب کچھ کس لئے محض اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کیا جاتا ہے۔ حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے اجداد نبی کریم ﷺ سے لے کر خواجۂ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ، خواجہ حسین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور خواجہ پیر مسیح اللہ رحمتہ اللہ علیہ تک وقفوں وقفوں سے کتنے اکابر نے مہاجرت کی صعوبتیں برداشت کی تھیں چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ اسلام کے اس مشن کی تکمیل کے لئے ذہنی طور پر تیار تھے چنانچہ کھوکھرا پار کے راستہ آپ کا قافلہ جب ملتان پہنچا ہے۔ اس وقت کیفیت یہ تھی کہ تن پر موجود کپڑوں کے علاوہ کپڑوں کے صندوقوں میں کپڑوں سے زیادہ بندوقوں کی وہ گولیاں تھیں جو آپ حضرات نے راستہ میں ٹرین کٹ جانے اور لوٹے جانے کے واقعات کے پیشِ نظر حفاظتی اقدام کے طور پر اپنے ساتھ رکھ لی تھیں۔ قیامِ ملتان کے دوران، اللہ بھلا کرے حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مریدِ صادق حاجی خدا بخش مرحوم کا، جنہوں نے اپنے خاندان کے ہمراہ ایک ماہ سے زائد عرصہ اس وسیع کنبہ کی دل کھول کر مہمان نوازی کی۔ اسی قیام کے دوران حضرت دیوان صاحبؒ کے مجذوب صفت بھائی سید آلِ محمد صاحب کا

انتقال ہوا، جن کا مزار ملتان ہی میں ہے۔ ملتان قیام کے عرصہ میں جناب مصطفےٰ شاہ صاحب گیلانی سجادہ نشین حضرت موسیٰ پاک شہید سے ہر جمعہ کو ملاقات رہتی تھی۔ سجادہ نشین موصوف، دیوان صاحب سے بہت اخلاص برتتے، جمعہ کی نماز کے بعد خاصی طویل نشست رہتی، جس میں پر تکلف چائے کا اہتمام بھی فرمایا کرتے تھے۔ اسی عرصہ میں حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین سیال شریف، کو حضرت کی پاکستان آمد کی اطلاع ہو گئی چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی محمد فخر الدین مرحوم کو خصوصی ہدایت دے کر دیوان صاحب سے سرگودھا منتقل ہو جانے کی خواہش ظاہر کی، حالات کا تقاصا تو اپنی جگہ، خواجہ سیالوی کا پیغام اس قدر خلوص پر مبنی تھا کہ دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے سرگودھا آباد ہونا منظور فرمالیا۔ آپ نے سرگودھا کے اپنے قیام میں مہربانوں کی تمام تر مہربانیوں کے باوجود عمر عزیز کا یہ دورانیہ اتنے تکلیف دہ حالات میں گزارا تھا کہ الامان والحفیظ۔ ایک وسیع کنبہ کے معاشی مسائل نے آپ کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا وہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور بزرگان چشت اہل بہشت کی نظر کرم تھی کہ حضرت کو پشاور میں کچھ زمینیں اور دیگر جائیداد بشمول حویلی دیوان صاحب کی صورت میں رہائش کا بندوبست ہو گیا۔ اگر چہ اجمیر شریف کی حویلی سے اسے کوئی نسبت نہیں تھی تاہم اتنا ضرور تھا کہ اب سرگودھا کی طرح گھر کے باہر سڑک پر آپ کو خواجہٗ بزرگ اور ان کے پیرو مرشد حضرت خواجہ عثمانی ہرونی رحمتہ اللہ علیہ کے اعراس منعقد نہیں کروانے پڑتے تھے بلکہ حویلی دیوان صاحب پشاور میں خاصا کشادہ صحن موجود تھا جس میں عرس کے شرکاء کو عزت سے بٹھایا جا سکتا تھا۔ کچھ اضافی کمرے بھی تھے جن میں مہمانوں کو ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ جائیدادوں کے کرائے اور بنوں کی الاٹ شدہ زمینوں سے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ سرگودھا کے مقابلہ میں زندگی کا یہ اہم معاشی پہلو بہت بہتر ہو چکا تھا۔

حویلی دیوان صاحب پشاور کا یہ کشادہ صحن اور اس سے ملحق خاصا بڑا ہال تھا۔ جس میں بارش کے دنوں میں عرس کی تقاریب اور عید میلاد النبی ﷺ کے جلسوں کا اہتمام کیا جانے لگا۔ بڑے دل والوں کے دستر خوان کشادہ ہوتے ہیں چنانچہ آج بھی اہل پشاور ان حضرات کے وسیع اور انواع واقسام سے مزین دستر خوانوں اور تقریبات کو یاد کرتے ہیں جو کبھی بچوں کی بسم اللہ، کبھی عقیقہ اور کبھی روزہ کشائی کے نام پر سجا کرتے تھے۔ ان مواقع پر جہاں معززین شہر مدعو ہوتے تھے وہیں شہر کے مساکین کو بھی اسی دستر خوان پر جگہ ملا کرتی تھی۔ حضرت کے پوتے نواسے خود مہمانوں کی تواضع کیا کرتے تھے۔ حویلی کے اس صحن میں شام کے وقت چھڑکاؤ کر کے دائرہ کی شکل میں کرسیاں بچھادی جاتی تھیں۔ حضرت دیوان صاحب، انکے چاروں صاحبزادگان، داماد پروفیسر سید آلِ محبوب پیرزادہ مرحوم اور پوتے یہاں بیٹھ کر زندگی کی رنگارنگی سیاست، ملک وملت اور مذہب کے کسی موضوع پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ دراصل حضرت کی جانب سے یہ مجلسی آداب، مجلسی گفتگو اور مجلسی تعلیم کی ایک درسگاہ قائم تھی۔ انہی شاموں میں شہر کے معززین اور حضرت کے متعلقین بھی شریک ہوجایا کرتے تھے۔ یہ ایسا دربار یا یوں کہیں ایسا مدرسہ تھا جس میں کسی کے داخلہ کی پابندی نہیں تھی۔ جو آئے اپنے ظرف اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق فیض پائے۔ ان محافل کے شرکاء اور محافل کی جھلک اگلے صفحات میں آئے گی۔

مہاجرت کے ان ہی ابتدائی ایام میں قادیانیت کا انتہائی اذیت ناک مسئلہ بھی اپنی پوری شدت کے ساتھ آپ کے سامنے آیا۔ حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے نہ صرف سرگودھا میں ہونے والے ردِ قادیانیت کے ہر جلسہ میں شرکت فرماتے رہے بلکہ اس سلسلہ میں لاہور میں ہونے والے عظیم الشان کنونشن میں بھی شرکت فرمائی۔

بدقسمتی ہے وہ عناصر جو اپنے آپ کو لبرل کہتے تھے یا کسی نہ کسی طرح قادیانیت کے خلاف اٹھنے والی تحریک کا زور توڑنا چاہتے تھے اپنے اخباری بیانات کے ذریعہ قادیانیت کو تقویت پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ ''ڈان'' اخبار نے اس کنونشن کو غیر نمائندہ قرار دینے کی جسارت کی جس کے جواب میں امیر شریعت نے درج ذیل تردیدی بیان جاری کیا۔

اخباری بیانات

روزنامہ ''ڈان'' کی ایک خبر پر امیر شریعت کا تردیدی بیان

آل مسلم پارٹیز کنونشن کے متعلق جو رپورٹ ''ڈان'' کراچی کی خبر ۱۴ جولائی میں شائع ہوئی اسے پڑھ کر مجھے انتہا درجہ کی حیرت ہے اور افسوس بھی دن دیہاڑے کسی کی آنکھوں میں دھول ڈالنا دراصل اسی کو کہتے ہیں۔ لاہور ایسے مرکزی شہر میں دن کے اجالوں میں صبح نو بجے سے شام کے چھ بجے تک برکت علی محمڈن ہال میں اس کنونشن کے دو اجلاس منعقد ہوئے اس اجلاس میں مغربی پاکستان کے قابل احترام مشائخ عظام' ممتاز علماء کرام اور زعمائے ملت نے شرکت فرمائی۔

حضرت صاحبزادہ سید آلِ رسول صاحب سجادہ نشین اجمیر شریف' حضرت صاحبزادہ غلام محی الدین صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف جن کے متعلق مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ وہ یقیناً پہلی مرتبہ کسی جلسہ میں شریک ہوئے۔ وہ آل مسلم پارٹیز کنونشن کا اجلاس تھا۔ مغربی پاکستان کے مسلمانوں میں سے جن لوگوں کا ہاتھ دامن حضرات چشتیہ اہل بہشت سے وابستہ ہے۔ ان میں گولڑہ شریف اور سیال شریف اور تونسہ شریف ہیں۔ حضرت مولانا حافظ قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف' صاحبزادہ سید اصغر علی شاہ علی پوری

'صاحبزادہ محمد جان صاحب عثمانی نقشبندی سجادہ نشین موسی زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان اور سجادہ نشین چورہ شریف کی موجودگی کئی کروڑ جنتی مسلمانوں کی نمائندگی تھی ایک اور صرف ایک مولانا ابوالحسنات مولانا محمد احمد صاحب قادری کی موجودگی اور صدارت ۸۰ فیصد علماء بریلی کی نمائندگی تھی اور اہل حدیث حضرات میں سے حضرت مولانا محمد عبداللہ روپڑی اور حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی حضرت مولانا اسماعیل گوجرانوالہ ۱۰۰ فیصد اہل حدیث کے نمائندہ تھے۔ علمائے دیوبند میں سے حضرت مفتی محمد حسن صاحب قبلہ صدر جمعیت علمائے اسلام پنجاب حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور 'حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی' حضرت مولانا خیر محمد جالندھری' ۱۰۰ فیصد علمائے دیوبند کے نمائندے تھے۔ علامہ حافظ کفائیت حسین صدر تحفظِ حقوق شیعہ' پاکستان کے تقریباً ۱۰۰ فیصد شیعہ ملت کی نگرانی فرمارہے تھے۔ ان اکابرِ ملت کے علاوہ وہ تمام مسلم لیگی زعماء جن میں علامہ علاؤالدین صدیقی صدر شعبہ دینیات پنجاب یونیورسٹی اور مسلم لیگ کے کونسلر اور عہدیدار پنجاب اسمبلی کے ارکان موجود تھے۔ مجھے تعجب ہے کہ ''ڈان'' کا نمائندہ خصوصی ان حضرات کے بعد کون سے ممتاز علماء کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ اور بالآخر ''الفضل'' کے ایڈیٹر سے مل کر بیک وقت ''ڈان'' اور ''الفضل'' میں یہ رپورٹ شائع کی۔ اسلامیان پاکستان توجہ فرمائیں کہ قائداعظم کا یہ اخبار کس طرف رخ کررہا ہے۔ جن علمائے کرام اور مشائخ عظام کی مساعی جمیلہ سے یہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت منصۂ شہود پر آئی ہے۔۔۔۔۔۔

کیا یہ ان سب کی بے حرمتی بے عزتی اور توہین نہیں ہے؟ کہ ان سب کو غیر معروف اور غیر ممتاز کہہ کر اس کنونشن کو ناکام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے نام نہاد کہا گیا ہے۔ ''ڈان'' کو چاہیے کہ اپنی اس روش کو بدلے اور تمام

بزرگوں سے فوری طور پر معافی مانگے۔ ورنہ ان مرزائیت نوازیوں کے جونتائج رونما ہوں گے ان کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ ''ڈان'' کی اشتعال انگیزیوں کا احتساب کرے۔ مسئلہ ختم نبوت پر آل مسلم لیگ پارٹی کنونشن کی خبروں کو مسخ کر کے شائع کرنا مسلمانانِ عالم کے ایمانی جذبات سے استہزاء ہے۔

روزنامہ ''آزاد'' لاہور
۲۰ جولائی ۱۹۵۲ء

''نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری''

تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں مشائخ عظام نے جو کارنامے انجام دیئے وہ یقیناً پاکستان کی تاریخِ آزادی میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ بقول شخصے مسلم لیگ تو عمومیت کے ساتھ صاحبوں' سروں' نوابوں اور جاگیرداروں کی جماعت تھی۔ یہ مشائخ عظام ہی تھے جنہوں نے میدانِ عمل میں نکل کر مسلم لیگ کو عوام کی جماعت بنانے میں کلیدی کردار انجام دیا۔ انہی نفوسِ قدسیہ نے عوام الناس کو پاکستان کا مطلب کیا؟ **لا الہ الااللہ** کا مطلب سمجھایا اور یہ باور کرایا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا تحفظ صرف اور صرف **لا الہ الااللہ** کو اساس بنا کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ جب تک مشائخ عظام اس جماعت میں شامل نہیں ہوئے تھے تو پنجاب اسمبلی میں صرف دو مسلم لیگی رکن منتخب ہو سکے تھے لیکن ان درویشانِ خدامست کی شمولیت نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بنا دیا اور ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' کا نعرہ زبان زدِ خاص و عام ہو گیا جب سلہٹ اور سرحد میں ریفرنڈم ہونا طے پایا تو مشائخ عظام اور اُن کے معتقد علماءِ حقہ اپنی مساجد' مدارس اور خانقاہیں چھوڑ کر معرکہِ کارزار میں کود پڑے حالانکہ اُن کا اصل میدان عوام الناس میں اصلاح نفس اور اللہ اللہ کی تعلیم و تربیت کی ترویج تھا۔ لیکن جب پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا تو اب انہی مشائخِ عظام کو ملک عزیز کے اسلامی تشخص کے بحال رکھنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ انہوں نے پھر سے حجرہ نشینی چھوڑ کر اپنی تمام تر ظاہری اور باطنی قوتوں کو ملک خداداد پاکستان میں ملتِ اسلامیہ کے احیاء و عروج کے لئے استعمال میں لانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے ایک عظیم رہنماء آستانہ عالیہ جلال پور شریف کے سجادہ نشین جناب ابوالبرکات پیر سید محمد

فضل شاہ چشتی نظامی المعروف امیر حزب اللہ کی صحیح سوانح عمری قلمبند کرنے والے ڈاکٹر محمد عبدالغنی ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر گورنمنٹ کالج جہلم جمعیت المشائخ ؒ کے قیام کی تاریخ اور اس کے منشور و مقاصد کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

جمعیت المشائخ کا قیام اور اس کا منشور

''حضرت امیر حزب اللہ جب ۲۴ صفر ۱۳۶۷ھ بمطابق ۷ جنوری ۱۹۴۸ء خواجہ شمس العارفین کے عرس مبارک میں شمولیت کی غرض سے سیال شریف پہنچے تو حسن اتفاق سے آپ نے وہاں خاندان چشت کے مشاہیر مشائخ و سجادہ نشین حضرات کو موجود دیکھا۔ خصوصاً حضرت قبلہ دیوان میر آل رسول علیخاں صاحب مدظلہ العالٰی سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف کی غیر متوقع تشریف آوری بہت ہی بر موقع ثابت ہوئی۔ اس مبارک اجتماع کو غنیمت سمجھ کر حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالٰی نے جمعیۃ المشائخ کی تاسیس و تشکیل کے لئے تحریک شروع کردی۔ چنانچہ حضرت دیوان صاحب قبلہ کی زیر صدارت ایک جلسہ منعقد ہوا۔ حضرت امیر حزب اللہ نے ایک گھنٹہ تقریر فرمائی ہندوستان میں مسلمانوں پر کفار و مشرکین کے مظالم بیان فرمائے۔ مساجد اور مقابر کی حالت زار کا نقشہ کھینچا اور واضح فرمایا کہ اہل ہند مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ ادھر پاکستان کا مسلمان بھی ہر طرح خطرہ میں ہے۔ اس لئے اپنے قابل احترام متقدمین اور اسلاف کرام کے مبارک نمونے کو سامنے رکھ کر مشائخ عظام کو باغ اسلام اور قصر توحید کو بچانے کیلئے بھر پور مساعی کرنی چاہییں۔ خواجہ حافظ محمد قمر الدین صاحب قبلہ سجادہ نشین سیال شریف اور حضرت خواجہ محمد یوسف صاحب تونسوی نے نہایت جامع الفاظ میں حضور کی تائید فرمائی اور جمعیۃ المشائخ کا قیام عمل میں آ گیا۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست　　　آخر آمد زپس پردہ تقدیر پدید

جمعیت المشائخ کے عہدیداران کا انتخاب

دیوان سید آلِ رسول علیخانؒ پہلے صدر منتخب ہو گئے

حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخانؒ اس مقدس جمعیت کے پہلے صدر اور حضرت امیر حزب اللہ ناظم اعلیٰ منتخب کر لئے گئے۔ نائبین صدر کا انتخاب بھی عمل میں آیا، جن میں پاک پٹن شریف، تونسہ شریف، سیال شریف، گولڑہ شریف، علی پور شریف اور مانکی شریف کے سجادہ نشین شامل تھے۔ نواب محمد حیات قریشی مرحوم خازن تجویز ہوئے۔ ارکان کی بھی ایک طویل فہرست تیار ہو گئی اس مبارک جماعت کے قائم ہونے پر حضرت امیر حزب اللہ نے بصد مسرت وانبساط زبان حال سے فرمایا۔

شکر صد شکر میان من واُو صلح فتاد　　　　حوریاں رقص کناں ساغر و پیمانہ زدند

اس جلسہ میں کئی ایک قراردادیں بھی منظور ہوئی۔ ایک قرارداد میں حکومت ہند کو متنبہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں مساجد اور خانقاہوں کا احترام ملحوظ رکھا جائے ورنہ نتائج نہایت خطرناک ہوں گے۔ ایک اور قرارداد میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ پاکستان کے پورے نظام کو شریعتِ اسلامی کے قالب میں ڈھالا جائے۔

جمعیۃ المشائخ کا منشور

حضرت امیر حزب اللہ نے بعد میں ''جمعیۃ المشائخ'' کے نام سے ایک رسالہ مرتب فرمایا جس میں آپ نے جمعیت کے زریں اصول ومقاصد عالیہ، دستور اساسی اور حقیقی نصب العین کی توضیع فرمائی۔ سطور اولین میں آپ نے اس بات پر زور دیا کہ عقل وفکر کی ہماہمی اور عملی سائنس کی محیر العقول ایجادات واختراعات نے نوع انسانی کو اس طرح اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے کہ وہ ان حقائق کے پیدا کرنے والے خالق کائنات سے بالکل بے خبر

ہو کے رہ گئی ہے۔ اور اس وجہ سے جہاں آج کل انسان اپنا شرف کھو بیٹھا ہے وہاں آرام و آسائش کے اسباب کی کثرت کے باوجود تسکینِ احساس سے بھی محروم ہو چکا ہے۔ حالانکہ معبود حقیقی کے سامنے سر نیاز خم کرنے سے ہی وہ اس نعمت کو حاصل کر سکتا تھا اور تجلیات الٰہیہ کا مہبط اور اسرار رحمانیہ کا مورد بن سکتا تھا۔ اغراض و مقاصد کے سلسلہ میں آپ نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد بالنفس، جہاد بالسیف اور ملکی معاملات میں عملی دلچسپی لینے کی ترغیب دی۔ نصب العین کی تشریح کرتے ہوئے شروع میں آپ نے یہ شعر تحریر فرمایا۔

گفتا "کرا خواہی از خیل بتاں جامی"! "ایں جملہ طفیل تو، من از تو ترا خواہم"

اور پھر بتایا کہ ہر جماعت کے سامنے کوئی نہ کوئی نصب العین ہوا کرتا ہے۔ لیکن آپ نے ظاہری تبادلہ خیالات سے نہیں بلکہ باطنی مکاشفات سے جمعیۃ المشائخ کا جو بہترین مطمح نظر تجویز کیا ہے وہ : **لا اله الا الله محمد رسول الله**

جمعیت المشائخ کا دوسرا اجلاس

جمعیت المشائخ کا دوسرا اجلاس ۲۲ رجب المرجب ۱۳۶۸ھ بمطابق ۲۱ مئی ۱۹۴۹ء منعقد ہوا۔ بڑا عظیم اجتماع تھا۔ تمام اخراجات حضرت امیر حزب اللہ نے برداشت فرمائے۔ اس کی مفصل کارروائی ہفتہ وار "الجماعت" کراچی میں ۲۶ جون ۱۹۴۹ء کو چھپی۔ اس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ملک میں دینی یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جائے۔ علاوہ بریں مسٹر لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان پر زور دیا گیا تھا کہ وہ قرارداد مقاصد کے مطابق پاکستان کا دستور بنانے کے لئے مشائخ اور علماء کی ایک معقول تعداد کو دستور ساز اسمبلی میں شامل کریں تاکہ وہ قرآن و حدیث اور علوم فقہ کی روشنی میں استنباط و استخراج مسائل کر سکیں۔ اس اجتماع میں نصاب تعلیم میں تبدیلی، عسکری تربیت، فلسطین و کشمیر کے مسائل اور اسلامی ممالک کے اتحاد کے لئے بھی قراردادیں منظور کی گئیں۔

ناظم اعلیٰ کا خطبہ

اس اجلاس میں حضرت امیر حزب اللہ نے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آپ نے مشائخ عظام اور علمائے کرام کو دہریت والحاد اور کفر وارتداد کے استیصال کے لئے خاص طور پر متوجہ فرمایا۔ آپ نے بتایا کہ مادہ پرست اور ملحد لوگ مسرت اور اطمینان کے متلاشی ہیں اور ان کی نگاہیں اضطراری طور پر روحانیت کی طرف اٹھ رہی ہیں اس ذہنی اور شعوری انقلاب کو مدنظر رکھتے ہوئے روحانیت کے داعیان حق کو اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ جب کہ دوست اور دشمن تمام ان سے امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ جب اپنا دل اللہ اللہ کی ضرب سے متاثر و مرتعش نہ ہوتا ہو دوسروں کو تربیتِ اخلاق کا سبق دینے سے کیا حاصل۔ سب سے مقدم اپنی اصلاح ہے اور سب سے ضروری اپنے دل کے آئینے کو صاف کرنا۔ اس طرح روحانیت کے لطائف ورموز سے پوری طرح باخبر ہو کر اپنی بے پناہ روحانی قوت سے کام لیتے ہوئے اپنے اسلاف کرام کی طرح ترستی اور تڑپتی ہوئی دنیا کو تسکین واطمینان کا آب زلال عطا کرنا چاہیے۔

جمعیّت المشائخ کی صدارت سے معذرت

مشائخ وعلمائے اہل سنت نے جیسا کہ اوپر بیان ہوا' پاکستان کے قیام کے بعد جمعیت المشائخ پاکستان کی صدارت حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد فرمائی۔ لیکن حضرت دیوان صاحبؒ پاکستان کے عمومی حالات سے عموماً اور وقت کے علماء و مشائخ کے فکر ونظر سے خصوصاً دل گرفتہ تھے۔ امیر حزب اللہ سید فضل شاہ صاحبؒ سجادہ نشین جلال پور شریف (جہلم) ناظم اعلیٰ جمعیت المشائخ کا دوسرے اجلاس میں اوپر دیا گیا خطبہ بھی اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ موصوف بھی محسوس کرتے تھے کہ داعیانِ حق کو بھی اوروں

کو نصیحت سے پہلے ذاتی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے کیونکہ جب اپنا دل اللہ اللہ کی ضرب سے متاثر و مرتعش نہ ہوتا تو دوسروں کو تربیتِ اخلاق کا سبق دینے سے کیا حاصل؟ کچھ ایسی قلبی کیفیت شاید حضرت دیوان صاحبؒ کی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت دیوان صاحب منصب، نام و نمود کے مقابلہ میں گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے تھے پھر اُس زمانے میں تو ایک وسیع کنبہ کی ہمہ قسم ذمہ داریاں بھی آپ کے حصہ میں تھیں۔ مہاجرت کے ساتھ ان ذمہ داریوں کو حقیقی طور پر وہی محسوس کر سکتا ہے جس کو ایسے حالات سے واسطہ پڑا ہوگا۔ بہر حال حضرت نے انتہائی تشکر کے ساتھ (غالباً دوسرے اجلاس کے بعد) اس منصبِ صدارت سے سبکدوشی کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی ایک بصیرت افروز خطبہ کے ذریعہ جمعیۃ المشائخ کے کردار اور مقام پر روشنی ڈالی۔

اس موقع پر آپ کا خطبہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''سبحان من تمت حکمتہ'' وعمت نعمتہ' الحمد للہ والصلوۃ علیٰ رسولہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین محترم حضرات! اس قدر شناسی اور ہمت افزائی کا شکریہ مگر ایک بے نور اور بے بضاعت شخص کو کسی جماعت کی صدارت کی ذمہ داری سونپنے کا جو انجام متصور ہو سکتا ہے نتیجہ میں اس کا ظہور ہونا لازمی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اصحابِ بصیرت محض خوش فہمی کی بنیاد پر توقعات وابستہ نہیں کر سکتے۔ جماعتی مصالح اور ملی فلاح و بہبود کا میرے ضمیر سے یہ تقاضا ہے کہ میں آج ہی اس چیز کا اعتراف کرلوں جو کل پیش آنے والی ہے اس سے کیا فائدہ ہے کہ صدارت کے فرائض کی انجام دہی میں مجھ سے کوتاہیاں ہوں اور میں معذرت کرتا رہوں۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ اس اہم ذمہ داری کو کسی

ایسے صاحب کے سپرد کیا جاوے جو صحیح معنوں میں مفید اور موزوں ہوں اور اراکین کو سرگرم اشتراک عمل کے ساتھ آمادہ کرسکیں۔ میں اپنی پوری معذرت کے ساتھ آج کے جلسہ میں اس امر کی تحریک پیش کرتا ہوں کہ جمعیۃ المشائخ کی مستقل صدارت کا صحیح اور موزوں انتخاب فرمایا جاوے لہٰذا میں دلی شکریہ کے ساتھ سبکدوش ہوتا ہوں۔

جمعیۃ المشائخ کوئی نئی جماعت نہیں ہے جس کی تعمیر و تشکیل پر خامہ فرسائی کی جائے۔ یہ ایک قدیم بنی بنائی جماعت ہے۔ اس کے مرکز علی الترتیب قائم ہیں۔ اس کی تنظیم باقاعدہ موجود ہے۔ اس کا حلقۂ اثر اور وجاہت ثابت ہے۔ اس کی صلاحیتیں مسلم ہیں۔ اس کی خاموشی دوسروں کی سیاسی چیخ پکار سے کہیں زیادہ پُرتاثیر ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ہم آج اس کی جماعت بندی کی فکر میں مبتلا ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ موجودہ افتادِ وقت اور رفتارِ زمانہ ہم کو نظرانداز کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ ہماری فروگزاشتیں ہیں جن کے سبب ہم یہ خمیازہ بھگت رہے ہیں کہ ہماری حالت اس سے زیادہ نہیں ہے۔

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارِرواں رہے

اگر مجھے معاف فرمایا جائے تو میں ذرا صاف گوئی سے کام لوں اور کہہ دُوں کہ آج جس چیز نے بازارِ سیاست میں ہماری قیمت گرا رکھی ہے وہ ہماری غفلت اور قوتِ عمل کی کمی ہے۔ انگریز کے زمانے میں ہم سیاسیات کو دنیاداری پر محمول کر کے اپنے حجروں اور خانقاہوں کی بے

خدشہ اور پرسکون زندگی پر فخر کرتے رہے۔ ماضی کے طویل دور میں جو غفلت اور سہل انگاری ہمارے طبقہ نے برتی اگر اس کا تجزیہ کیا جاوے تو ممکن ہے کہ نتیجہ میں ہم نے یا ہم میں سے بہتوں نے اپنا تعلقِ بندگی صوم وصلوۃ اور سجدہ وسجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑھا لیا ہو مگر اس کے پیدا کئے ہوئے اسباب اور شواہد کے ساتھ ملکی سیاست سے مغائرت برت کر ضرور رُوگردانی کی گئی۔ آج جس اسلامی حکومتِ پاکستان میں شرعی احکام نافذ کرانے پر ہمارے مشائخ اور علماء بھی پیش پیش ہیں اور اس مطالبہ کی ہمہ گیری سے متاثر ہو کر حکومت نے قرار دادِ مقاصد کی صورت میں اس کا اعلان بھی کر دیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ اسلامی حکومت اور پاکستان اسی جماعت کے ہاتھوں وجود میں آیا جس کو ہم سالہا سال تک دنیا داروں کی جماعت سے تعبیر کرتے رہے۔ مجھے اپنے ایک مکرم، درویش اور مشہور عالم کے وہ الفاظ یاد ہیں جو انہوں نے اجمیر شریف کی ایک پرائیویٹ صحبت میں قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے فرمائے تھے پھر کراچی میں دوسری صحبت میں انہی کی زبان سے سیاسی ضرورت کے بقدر تعریف سنی تھی۔

میں نے عرض کیا مولانا کیا اچھا ہوتا، اگر قائداعظم کی سی مقبولیت عام ہمارے دینی پیشواؤں میں سے کسی کو حاصل ہوتی اور مسلمانانِ ہندوستان ان کی مرکزیت کو تسلیم کر لیتے۔ اگرچہ ایک دوسرے کے احترام اور رعایت کے سبب جواب میں یہ الفاظ تو زبان پر نہیں لا سکے

مگران کا مفہوم یہی تھا کہ تنگ نظری اور سیاست کو پسِ پشت ڈالنے کی وجہ سے قائدِ اعظم جیسے مفکر، بے لوث مجسم اخلاص و عمل اور بلند نظر نہ ہونے کی وجہ سے یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ قائدِ اعظم کو ابدی راحتیں عطا فرمائے جس نے اپنی قوم کے لئے ایک گوشۂ عافیت چھوڑا ایک مکمل اسلامی سلطنت چھوڑی۔ آزادی کی بے بہا دولت چھوڑی ایک ایسا لائحہ عمل چھوڑا جس پر گامزن ہو کر ہم بہت جلد دنیا کی قوموں میں سر بلند اور ممتاز نظر ہو سکتے ہیں۔

کیا آپ فرما سکتے ہیں کہ یہ اسلامی سلطنتِ پاکستان صرف مشائخ و علماء کی جدوجہد کی مرہونِ منت ہے؟ اگر کوئی صاحب اس کا دعویٰ کریں تو یہ حقیقت کے خلاف ایک تاریخی انحراف ہو گا۔ دفع دخل کے طور پر اتنا عرض کیے دیتا ہوں کہ پاکستان کے آثار و اسباب کے وجود میں آنے کے وقت، انتخابات اور استصواب رائے کے زمانے میں بعض حضرات نے اس خیرِ عظیم میں حصہ لیا اور یقیناً کامیاب حصہ لیا مگر مدعا ضروری الغرض یہ ہے کہ اگر شروع سے سیاست کو مذہب و طریقت کے مغائر نہ سمجھا جاتا تو اگرچہ یہ کہنا اب بے ضرورت ہے مگر یہ ممکن تھا کہ مسلم لیگ سے زیادہ موثر اور زیادہ مقبول اور سراسر مذہب کے رنگ میں ڈوبی ہوئی یہ جماعت کوئی جمعیۃ المشائخ یا جمعیۃ العلماء ہوتی اور پاکستان مشائخ و علماء کی دینداری اور سیاست دانی کی بنیاد پر وجود میں آتا۔ ایک زمانہ تھا کہ مذہب کے وجود سے سیاست کا ہیولا تیار ہوا تھا مگر اب وہ وقت ہے کہ سیاست مذہب کے بقاء اور قیام کا سبب بنی ہوئی ہے۔

ہونا یہ چاہیے تھا کہ ہمارے سبب سے تمام مسلمان آپس میں منظّم اور متحد ہو کر اپنی قوتِ اخلاص وعمل کو استوار اور مضبوط کر کے اور آفتاب تابندہ بن کر جملہ عالم پر چھا جاتے مگر ہوا یہ کہ ہم خود ایک بے ربط سی عبارت بن کر رہ گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آج تک آسانی سے دوسروں کے آلہ کار بنتے رہے اور خود براہ راست کوئی عالم گیر نظامِ عمل قائم نہ کر سکے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ یہ دنیا اسباب سے مملو ہے۔ بے سبب کامرانی وکامگاری نصیب نہیں ہوتی اور اسباب بغیر اخلاص وعمل کے سازگار نہیں ہوتے خیر جو کچھ ہوا **خذما صفا دع ماکدر** کے اصول پر ہم اپنے ماضی کی تلافی مستقبل کو سامنے رکھ کر کر سکتے ہیں اور اسی توقع پر اور امید پر جمعیۃ المشائخ کی تشکیل کی گئی ہے مگر اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم سب آج اپنے مخدومیت کے تخیل سے آزاد ہو کر (اگر یہ ہمارے دماغوں میں کارفرما ہے تو) صدقِ دل سے مطلق خادمیت کے دائرہ عمل میں داخل ہو جائیں اس کے بغیر ہم نہ ملک وملت کے کام آ سکتے ہیں اور نہ کوئی مقبولِ عام نظامِ عمل قائم کر سکتے ہیں کم از کم جمعیۃ المشائخ کے دائرہ عمل کی حد تک تو ہم کو ضرور یہ خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔

ہم میں سے ہر فرد کو جمعیت کے قواعد وضوابط، جمعیت کی تجاویز واحکام کا پابند ہونا چاہیے۔ اگر آپ صاحبان میرے ان خیالات سے متفق ہیں تو اس کے بعد میں آپ کی خدمت میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص جو جمعیت کا رکن بن چکا ہے یا آئندہ بننے والا ہے

خود کو ایک شرعی حلف کے ذریعہ پابند کرے کہ وہ جمعیت کے قواعد و ضوابط واحکام کا پابند رہے گا اور پاکستان کا سود و بہبود اس کا نصب العین ہوگا۔ اگر آپ نے صدق واخلاص کی بنیاد پر ایک مکمل اور ہمہ گیر نظام عمل قائم کرلیا تو یقین جانیے کہ خواہ مرحلہ کشمیر ہو یا قضیہ فلسطین یا پاکستان کی گونا گوں دشواریاں ان سب کا حل خدا چاہے آپ اپنے قبضہ و قدرت میں پائیں گے۔ کاش ہم پہلے سے ہوشیار اور بیدار ہو کر متحد ہو گئے ہوتے تو آج ہماری مساجد و خانقاہیں ہم سے نہ چھنتیں نہ ان کو مندروں اور شوالوں میں تبدیل کر کے ان کی اہانت کی جاتی۔

میں ایک بعید از قیاس شبہ کا ازالہ بھی کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ الحمداللہ جمعیۃ المشائخ کے بنیادی اصول و مقاصد میں کسی دوسری جماعت کے متوازی جماعت قائم کرنا نہیں ہے۔ مسلم لیگ ہو یا اِس جیسی کوئی دوسری مفید جماعت ہو' ہمارا مطمح نظر اس سے سراسر تعاون اور اشتراکِ عمل ہو گا۔ جمعیۃ المشائخ کتاب و سنت کے مطابق اسلامیان پاکستان اور ہندوستان کی ان کے ہر شعبۂ حیات میں رہنمائی کرے گی اور پاکستان کی فلاح و بہبود اور صحت و عظمت کے لئے وقف رہے گی۔ اللہ تعالٰی اس جمعیت المشائخ کو قبولِ عام بخشے اور ہمیں اخلاص و عمل کی پوری توفیق عطا فرمائے (آمین)

میری دانست میں جمعیت اب تک اپنے مبادیات سے بھی عہدہ برآ نہیں ہوئی۔ اگر ہم اس کو ایک باوقار باعظمت جماعت بنانا چاہتے ہیں اور سچے دل سے ملک وملت کی کوئی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے

آرام وآلام کوایک طرف رکھ کر زیادہ سے زیادہ ایثار وقربانی سے کام لینا پڑے گا۔ جمعیت کے قیام کو ڈیڑھ سال کے قریب ہونے کو آیا مگر آج بھی اس کا روزِ اول ہی ہے۔ خدا بھلا کرے ہمارے محترم جناب سید فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلال پور شریف کا کہ موصوف نے اس عرصہ میں اپنی جیبِ خاص سے مصارف برداشت کر کے ایک پمفلٹ کی صورت میں جمعیت کے ابتدائی دور کی کیفیت اور اغراض ومقاصد سے اہل ملک کو روشناس فرمایا۔ پریس کانفرنس طلب کی۔ اخبارات کو اس سلسلہ میں بیانات دیئے اور خطوط کے ذریعہ ارکانِ جمعیت کو بار بار توجہ دلائی۔ مگر یہ سب کچھ ناکافی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جمعیت کی نشو ونما کیلئے

1- جمعیت کا مستقل فنڈ ہونا چاہیے۔

2- جمعیت کا مستقل دفتر ہونا چاہیے

3- جمعیت کی منظّم رکن سازی ہونی چاہیے۔

4- جمعیت کی کمیٹیاں، شہروں، قصبوں، دیہات تک منظّم ہونی چاہییں۔

5- جمعیت کے کارکن اور ایثار پسند افراد کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔

6- اغراض ومقاصد کی نشر واشاعت کا معقول انتظام ہونا چاہیے۔ تاکہ جمعیت مسلم عوام کی ذہنی تربیت کر کے ان کو اپنا ہم خیال بنا سکے۔

7- جمعیت کے حسابات کے رجسٹر باقاعدہ ہونے چاہییں۔

والسلام

فقیر دیوان سید آلِ رسول علیخاں

سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف حال سرگودھا

اہل دھول کوٹ سے حضرت کا قلبی تعلق

حضرت قبلہ دیوان صاحب کا اہل دھول کوٹ سے کئی پشتوں کا دلی تعلق تھا۔ آپ اُن مخلص اور با محبت لوگوں سے اپنی محبت کا اظہار طرح طرح سے کرتے' اُن سے مل کر ہمیشہ دلی مسرت محسوس فرماتے۔ حضرت کے یہ چند اشعار بھی دھول کوٹ والوں سے آپ کی حقیقی درد دلی اور تعلق خاطر کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

چھوڑ کر اجمیر سے ہم آئے جب دھول کوٹ میں
نسل پر تھی راج رہتی تھی وہاں دھولکوٹ میں

یہ بہادر قوم غیرتمند ملت کے سپوت
چند صدیوں سے یہ سب آباد تھے دھولکوٹ میں

ان کو اسلامی شرافت کی ضیاء نور سے
نور بخشا جد اعلیٰ نے مرے دھولکوٹ میں

شاہ مسیح اللہ تھا اسمِ گرامی آپ کا
آپ نے رکھی بناء اسلام کی دھولکوٹ میں

قصد سے وہ شاہِ دہلی کے چلے اجمیر سے
آخری منزل تھی گویا ان کی بس دھولکوٹ میں

برسرِ منزل انہیں روکا گیا اصرار سے
باقی مدت عمر کی پوری ہوئی دھولکوٹ میں

بعد ازاں فضل علی شاہ جانشین ان کے ہوئے
جن کے دم سے رسم وراہ دیں ہوئی دھولکوٹ میں

دن بدن بڑھتا گیا یہ شعلہ اسلام یوں
ہو گئیں تعمیر پختہ مسجدیں دھولکوٹ میں

غلغلہ جس کا زمین و آسمان میں ہو گیا
وہ کرامت تھی علی کی حبذا دھولکوٹ میں

تقسیم ہند کے بعد اہل دھول کوٹ میں سے بیشتر مہاجرت اختیار کر کے پاکستان میں سکندر آباد' شجاع آباد ضلع ملتان میں مقیم ہو گئے تھے۔

حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے سرگودھا کے قیام کے دوران ایک بار شجاع آباد تشریف لے گئے تو اپنے رگرد اہل دھول کوٹ کو پا کر اپنی مسرت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔ (یہ ایک طویل خطبہ تھا جس میں سے وہ حصہ جس میں اہل دھول کوٹ سے اپنے

خاندان کے ابتدائی تعلقات کی تفصیلات کا ذکر تھا اس لئے حذف کر دیا گیا کہ یہ تفصیلات گذشتہ صفحات میں آ چکی ہیں)

''آج میں اس وقت گونا گوں فخر و مسرت محسوس کر رہا ہوں کہ ایک طویل مدتِ فراق وجدائی کے بعد اپنے نہایت دیرینہ اور آبائی مخلصین کے مجمع ارادت میں موجود ہوں۔ اس خونچکاں انقلاب اور تباہ کاری کے پنجسالہ مہیب دورِ آزمائش میں میرے لئے یہ شاید پہلی ساعت ہے کہ میں خود کو ایک مکمل خیر سگالی کی فضائے اخلاص و محبت میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں اور یہ وہ شریف و باوقار قوم ہے جس کی صدہا سالہ تاریخ آج بھی صفحہ ہستی پر جلی حروف میں موجود ہے۔ جہاں تک میرے سنِ شعور کا تعلق ہے۔ ان کی کم از کم پچاس سالہ' یا نصف صدی سے کچھ زائد چشم دید شاندار روایات میرے حافظہ میں موجود ہیں اور بہت کچھ اس کے علاوہ ہیں جو مجھ کو اپنے بزرگوں کی مسلسل چار پشتوں سے پہنچی ہیں۔ جن کی عمریں انہی لوگوں میں گزری ہیں اور بصد تعظیم و تکریم بسر ہوئی ہیں اگر اس کی تفصیل بیان کروں تو بڑا وقت درکار ہوگا۔

جدی و مولائی سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی ہندوستان میں تشریف آوری کے بعد آپ کے رشد و ہدایت اور فیوض و برکاتِ روحانی کی بدولت ہندوستان میں اسلام کی بنیاد مضبوط ہوئی جو کام شہنشاہوں اور بادشاہوں سے نہ ہو سکا وہ تنہا اس مقدس ذات نے انجام دیا' کیونکہ محمد بن قاسم رحمتہ اللہ علیہ کی فتوحات کے آثار مٹ چکے تھے اور محمود غزنوی کے مسلسل حملوں کے اثرات بھی باقی نہیں رہے تھے۔

ایک انگریز مورخ اپنے عیسائی مصلحین کی جماعت کو عبرت انگیز الفاظ میں تنبیہہ کرتے ہوئے اعتراف کرتا ہے جس کا خلاصہ اور مفہوم یہ ہے کہ ''ایک بے یارومددگار اور بے سروسامان انسان نے صرف اپنی حقانیت اور روحانیت کی بناء پر ہندوستان میں ہلچل

مچادی اور لاکھوں بے دین حق پرست مشرف با اسلام ہو گئے جبکہ تم ہزاروں آدمی ہو اور کروڑوں روپیہ خرچ ہونے پر بھی تمہارے تبلیغی مشن ناکام ہیں''۔

وہ کوتاہ نظر مورخ کیا جانتا تھا کہ حضور غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ کیا سروسامان تھا اور کون ان کا یار و مددگار تھا تمام سروسامان کا پیدا کرنے والا یعنی خالقِ کائنات ہر سانس پر آپ کا مددگار اور ہر ہر قدم پر آپ کا معاون و نگہبان تھا۔ توکل، صلاح وتقویٰ، تمسک الی اللہ آپ کا سروسامان تھا۔ (حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے بعد حضرت خواجۂ بزرگ اور اُن کی اولاد کی مختصر سوانح بیان کیں۔ یہ حصہ بھی بخوفِ طوالت حذف کیا جا رہا ہے کہ گذشتہ صفحات میں شامل ہو چکا ہے) اس کے بعد آپ کو چند نہایت ضروری امور کی طرف توجہ مزید دلاتا ہوں جس سے آپ حضرات ماشاء اللہ پہلے سے بھی باخبر ہیں یعنی ہمیشہ فتنہ وہابیت اور فتنۂ قادیانیت کو اپنے قریب تک نہ آنے دینا، میں اس طرف صرف اجمالاً اشارہ کرتا ہوں امید ہے حضرت سید صاحب (علامہ احمد سعید کاظمی صاحب) وضاحت سے اس پر روشنی ڈالیں گے۔ جس شخص کے دل میں حضور محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت اور عظمت نہیں ہے یا وہ آپ کے تمام اوصافِ کمالیہ کا قائل نہیں ہے یا ان میں ادنیٰ کسر و تنقیص کو روا رکھتا ہے یا آپ کے متبعین کی شان میں کسی طور پر دانستہ یا نادانستہ لب کشائی کرتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے محروم النعمت ہے اور قادیانی عقائد تو بالاتفاق کفر صریح ہیں۔ اس میں کسی فرقہ اسلام کو اختلاف نہیں ہے اس کے بارے میں بھی مختصر الفاظ میں عرض کرتا ہوں۔ الحمدللہ ہم اور آپ سب مسلمان ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ کے ادنیٰ حلقہ بگوش ہیں۔ ہمارا اور آپ کا ایمان اور اعتقاد ہے کہ قرآن منزل من اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام پاک میں کوئی اعتقاد ایسا نہیں چھوڑا جو انسان کی نجات اخروی کے لئے شرط ٹھہرایا گیا ہو اور وہ صاف صاف اور صریح الفاظ میں بیان نہ کر دیا گیا ہو۔ یہی

قرآن کی غایت ومنشاء ہے۔ اگر کسی نئی شرط واعتقاد یا کسی نئے نبی کی بعثت وظہور پر ایمان لانا ضروری ہوتا تو لازم تھا کہ قرآن اس کو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کر دیتا تمام مخالفینِ اسلام اور قادیانی مل کر ایک آیت یا اس کے کسی جزو سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ حضور خاتم النبین ﷺ کے بعد کسی زمانے میں کوئی نبی ہوگا' جس پر ایمان لانا نجات کے لئے شرط واعتقاد ہو۔ ایسا عقیدہ **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا** (المائدہ: ۳) کی قطعیت کے خلاف ہے اور اس خلاف کی قرآن میں گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آخری ہدایت اس کے آخری نبی حضور نبی کریم ﷺ پر قرآن کی صورت میں آ چکی۔ اب قیامت تک وحیِ الٰہی کا سلسلہ منقطع ہے کیونکہ حضور کا دین قیامت تک قائم رہے گا۔ اس کے خلاف قول و عمل کرنے والا بلا اختلاف کفر وارتداد میں آتا ہے' فتنۂ قادیانیت کے سلسلہ میں جو حالات اور واقعات اور ان کے خطرناک نتائج موقر ذرائع سے منظر عام پر آ چکے ہیں وہ نہ صرف مذہب بلکہ سیاست کے بھی منافی ہیں۔ قادیانی ایک نئے کافرانہ مذہب کی بنیاد پر سیاست میں ایسا نظامِ عمل مکمل کرنے میں مصروف ہیں جس کے نتیجہ میں خدانخواستہ پوری حکومت پاکستان قادیانی محورِ سیاست کے گرد گھومنے لگے خواہ اس کے حصول میں اس قوم کو اپنے آقا برطانیہ یا امریکہ حتیٰ کہ ہندو سے ساز باز کرنی پڑے۔ مجھے خوف ہے کہ ارباب حکومت اس مسئلہ میں اپنی پوزیشن ایک ثالث کی سی رکھنا چاہتے ہیں۔ کیا ہم یہ سمجھیں کہ ان کا مذہب قرآن و سنت سے ماوریٰ ہے یا وہ مذہب پر سیاست کو مقدم رکھنے کے خواہشمند ہیں؟ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی یہ حیثیت کسی حال میں بھی نہ تسلیم کی جا سکتی ہے اور نہ برقرار رہ سکتی ہے۔ وہ اگر دین حقہ کی حفاظت سے اسی طرح گریز کرتے رہے تو ان کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ وہ حکومت میں اس قوم کے منتخب کئے ہوئے نمائندہ ہیں جس کا متفقہ مطالبہ ہے کہ پاکستان کا

دستور العمل یا قانون وہی سازگار ہوسکتا ہے جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہو اس کے سوا کوئی دوسرا قانون برداشت نہیں کیا جائے گا۔ یہ چیز اتنی جلدی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ پاکستان کا بنیادی مطالبہ اور اس کا وجود نظام شریعت کے ساتھ وابستہ ہے چنانچہ اس میں تاخیر اور تامل روز افزوں بد دلی کا موجب ہوگا اور اندیشہ ہے کہ اس کی ضرب پاکستان پر نہیں بلکہ ارباب اقتدار پر پڑے گی۔ اگر خوانخواستہ یہی لیل و نہار رہے تو ایک فتنۂ قادیانیت ہی نہیں بلکہ اس کمزوری اور مذہبی خلاء یا اختلاف سے فائدہ اٹھا کر بے اندازہ اور بے قیاس فتنے پیدا ہوں گے جو خدا نہ کرے پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچائیں گے۔ پاکستان زندہ باد و پائندہ باد۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو ہر چشم بدّ سے محفوظ رکھے آمین ثم آمین۔

شہید سہروردی و دیگر قومی لیڈروں کی

دیوان سید آلِ رسول علیخانؒ سے ملاقاتیں (پاکستان میں)

سرگودھا کے قیام کے دوران ایک بار حسین شہید سہروردی حضرت دیوان صاحب کی رہائش گاہ پر تشریف لائے۔ ملکی سیاسی مسائل پر دونوں حضرات کی تفصیلی بات چیت ہوئی۔ جاتے ہوئے سہروردی صاحب مرحوم نے حضرت سے کہا میں آپ کی سیاسی بصیرت سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ یہ میری ذاتی رائے ہے جس میں آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے۔

حضرت کے پشاور میں قیام کے دوران بلکہ آپ کے وصال فرما جانے کے بعد حضرت دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے قیام پشاور کے دوران بھی بلا امتیاز نظریاتی وابستگی اس حلقۂ انتخاب سے تعلق رکھنے والے تمام سیاسی رہنماء اور انتخاب لڑنے والے امیدواران حویلی دیوان صاحب پشاور میں حاضری دے کر ان حضرات سے دعا کروا

کراپنی انتخابی مہم کا آغاز کرتے تھے۔ یقیناً ان میں کئی تو ایسے لوگ تھے جو آپ کے روحانی اور مذہبی تقدس کو سمجھ کر حقیقی اور دلی طور پر دعا کی غرض سے ہی حاضر ہوتے تھے لیکن بعض وہ صاحبان بھی تھے جنہیں معلوم تھا کہ حضرت دیوان صاحب کے خاندان اوران کے متعلقین کی ایک بڑی تعداد کے ووٹ اور ہمدردی حاصل کرنے کے لئے سیاسی طور پر ان کی مجبوری یا ضرورت تھی کہ وہ حضرت سے دعا لے کر اپنی انتخابی مہم کا آغاز کریں نیتوں کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے بہر حال دعا کی غرض سے آنے والوں میں خان عبدالقیوم خان مرحوم' خان عبدالولی خان' غلام احمد بلور' بشیر بلور صاحب' یوسف خٹک مرحوم' سید قمر عباس صاحب' حاجی عدیل صاحب' سید ظفر علی شاہ اور حاجی جاوید وغیرہ سب ہی شامل تھے۔

پشاور میں حضرت والا شان کی رہائش گاہ ''حویلی دیوان صاحب'' کے نام سے موسوم تھی۔قدیم کریم پورہ بازار میں واقع اس حویلی میں ایک خاصا کشادہ صحن تھا۔جس میں شام کے وقت چھڑکاؤ کر کے بہت سی کرسیاں دائرہ کی شکل میں بچھا دی جاتی تھیں۔چھڑکاؤ کی یہ خدمت پشاور میں حضرت کے خادم خادم حسین (ملنگ) کے ذمہ تھی۔اس کا معمول تھا صحن سے دھوپ ڈھل جانے کے بعد فوارے سے سارے صحن میں چھڑکاؤ کر کے صفائی کر دیتا تھا۔جس کے بعد تپش کم ہو جانے کے بعد حضرت دیوان سید آلِ رسول علی خاں رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے چاروں صاحبزادگان اور ان کی اولاد جن میں ناچیز راقم الحروف اور حضرت دیوان سید آلِ حبیب علی خاں دام اقبالہٗ بھی شامل ہوتے تھے' بیٹھ جاتے تھے۔ حالاتِ حاضرہ سے لے کر دلچسپی کے تمام ملی مذہبی' سیاسی موضوعات پر گفتگو ہوتی تھی۔ان شاموں کو مزید مفید اور دلچسپ بنانے میں ان احباب کا حصہ بھی تھا جو خاص طور پر دیوان صاحب سے ملاقات کرنے تشریف لاتے تھے۔افادیت کے اعتبار سے یہ ایک درسگاہ تھی۔

پاکستان میں حضرت دیوان صاحب سے ملاقات رکھنے والے حضرات

حکیم عبدالواسع مرحوم ومغفور

حضرت قبلہ دیوان صاحب کی اس درس گاہ میں کچھ ''وزٹنگ پروفیسر صاحبان' بھی تشریف لاتے تھے۔ انہی میں سے ایک معزز و محترم ہستی حکیم عبدالواسع مرحوم ومغفور کی تھی۔ آپ کی گفتگو کا وقار تو اپنی جگہ یہ وہ شریف ذات تھی جن کا لباس جن کی چال اور جن کا انداز نشست و برخواست سب ایسا تھا کہ ذرا سی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی باآسانی سمجھ لیتا کہ شرافت کے معیار اور پسندیدہ اطوار کیا ہوتے ہیں۔ حضرت دیوان صاحب سے حکیم صاحب کا دلی تعلق تھا۔ آپ سے گفتگو کے موضوعات میں ندرت اور حکمت و دانائی کے سب پہلو شامل ہوتے تھے۔ شعر وادب سے دونوں حضرات کو رغبت تھی' دونوں ہی متواضع اور منکسر المزاج شخصیات کے مالک تھے چنانچہ عملی طور پر بھی ان خصوصیات کے اظہار کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے تھے۔ حکیم صاحب مرحوم کا مسلک محبت وموانست تھا چنانچہ اچھی خاصی پا پیادہ مسافت طے فرما کر نمازِ تراویح میں شرکت کے لئے بھی حویلی دیوان صاحب تشریف لایا کرتے تھے۔ حویلی کے ہال میں حضرت دیوان صاحب نے رمضان المبارک میں پنجاب سے حافظ صاحب کا اہتمام کر کے یہ معمول رکھا ہوا تھا کہ روزانہ صرف سوا سیپارہ پڑھا جاتا تھا پھر شبِ قدر کی نسبت سے ستائیسویں رمضان المبارک کو ختم قرآن ہوتا تھا۔

حکیم صاحب اور دیوان صاحب کے درمیان ''تہادو تحابو' پر عمل کرتے ہوئے خوشی کے مواقع پر اہتمام سے لیکن اس کے علاوہ بھی بہانے بہانے سے تحائف' جس میں پکوان کی انواع اور موسمی پھل خصوصاً آموں کا تبادلہ بھی اکثر رہتا تھا۔ تحائف کے ساتھ اپنی محبت اور دلی تعلق کے اظہار کے لئے موقع کی مناسبت سے اشعار کا تبادلہ بھی رہتا تھا

عیدین کے مواقع پر حکیم صاحب مع اپنے دونوں سعادتمند صاحبزادگان حکیم صادق انیس مفتی صاحب اور ریٹائرڈ کرنل صادق معین مفتی کے ساتھ عید گاہ سے واپسی پر سب سے پہلے حویلی دیوان صاحب تشریف لاتے تھے۔ دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ ضعیفی اور گوشہ نشینی کے سبب خود تو کہیں تشریف نہیں لے جاتے تھے لیکن آپ کے تمام صاحبزادگان بالخصوص دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ اور سید آلِ حامد پیرزادہ مرحوم حکیم صاحب کے گھر عید کے دن ضرور تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہ ایسا معمول تھا جو میری یادداشت کے مطابق کبھی قضا بھی نہیں ہوا۔

پروفیسر محمد طاہر فاروقی صاحب

تشریف لانے والے انہی بزرگ صورت اور بزرگ سیرت اصحاب میں ایک نام پروفیسر محمد طاہر فاروقی صاحب کا تھا آپ امیر شریعت حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ارادت رکھتے تھے۔ حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادگان سے فاروقی صاحب مرحوم کا تعلق انتہائی اپنائیت اور خلوص کا تھا۔ اکثر علمی ادبی اور مذہبی حوالوں سے گفتگو رہتی تھی۔ فاروقی صاحب کیونکہ شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی میں استاد اور صدر شعبہ رہے تھے لہٰذا یہ سمجھنا دشوار نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کا لیکچر حاضرین، جن کی اکثریت شعر و ادب سے دلچسپی رکھتی تھی، ان کے لئے، کتنا مفید اور دلچسپ ہوتا ہوگا۔ لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ فاروقی صاحب محض اپنی علمی دھاک بٹھانے کی کوشش کرتے ہوں گے۔ ایسا ہرگز نہیں تھا اور نہ ہی آپ کی گفتگو محض ایک لیکچر ہوا کرتی تھی۔ آپ کی طبیعت کی شگفتگی اور بے تکلف اپنائیت محفل میں جاری موضوع یا پھر محفل کے ماحول اور حاضرین کی طبیعت اور مزاج کے مطابق ہوتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے بلکہ میری عمر کے وہ تمام بھائی جو، ان محفلوں میں دلچسپی سے شریک ہوا کرتے تھے۔ ہمارے لئے وہ دن بہت خوشگوار مسرت کا

پیغام لاتا تھا جس دن فاروقی صاحب حویلی کی اس نشست میں موجود ہوتے تھے۔

دیوان صاحب حال سید آلِ حبیب علیخاں کی شادی اور اس سے پہلے منگنی ٹھہرانے کے تمام مراحل میں فاروقی صاحب نے جس طرح دلہن والوں سے رشتہ طے کروانے میں ذاتی دلچسپی لی وہ آج تک ہمارے دلوں میں محفوظ و موجود ہے۔

دلہن کے والدِ گرامی جناب سید محمد نفیس صاحب مرحوم سے فاروقی صاحب کے دیرینہ تعلقات تھے۔ جب آپ کے سامنے دیوان صاحب کے اس رشتہ کی ضرورت کا ذکر میرے والدِ محترم سید آلِ حامد پیرزادہ مرحوم نے کیا تو جواباً فاروقی صاحب نے نفیس صاحب کے گھرانے کا ذکر کیا۔ بات چلی، بڑھی اور انجام تک پہنچی منگنی طے پائی، شادی کی تاریخ طے ہوئی اور پھر آخر کار حسن ابدال جا کر دلہن کو بیاہ کر لانے کا مرحلہ آیا فاروقی صاحب نے از اول تا آخر ہر موقعہ اور مرحلہ پر اس طرح دلچسپی لی گویا انہی کے بچوں میں سے کسی ایک کی شادی کے مراحل طے ہو رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اپنی محبت کے اظہار کے لئے موجودہ دیوان صاحب کا سہرا بھی لکھا۔ یہ سہرا اس اعتبار سے نادر ہے کہ ایک بڑی بحر کے مختلف ٹکڑے کر کے چار چھوٹی بحریں بن جاتی ہیں۔ لیکن کسی بحر میں بھی مضمون کمزور نہیں پڑتا۔

ڈاکٹر عبدالرشید صاحب مرحوم

پشاور کے ان ملاقاتیوں میں ڈاکٹر عبدالرشید صاحب مرحوم کا حویلی دیوان صاحب آنا اتنا جلدی جلدی ہوتا تھا کہ کبھی کبھی ہفتہ میں دو تین بار بھی تشریف لے آتے تھے۔ اس قدر بے تکلف انداز اور گفتگو ہوتی تھی کہ کانوں پر یا دماغ پر بوجھ نہیں ہوتی تھی۔ آپ سے گفتگو کے موضوعات کا تعین کرنا بہت مشکل ہے اکثر سیاستِ حاضرہ اور ڈاکٹر صاحب کی طبّی زندگی کے تجربات پر بات ہوتی تھی۔ شام کے وقت آنے والے ان حضرات کی تواضع اکثر چائے، بسکٹ اور کیک سے کی جاتی تھی۔ جو بہت حد تک دیوان

صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تواضع کا لازمی حصہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے طویل عمر پائی۔ ریٹائر ہونے کے بعد اپنے گھر پر بھی مطب کیا کرتے تھے لیکن طبیعت میں قناعت تھی لہٰذا شام کو مطب میں اپنی موجودگی اتنی لازمی نہیں رکھتے تھے۔ اس کے بدلے جیسا کہ عرض کیا آپ حویلی دیوان صاحب تشریف لے آنا زیادہ پسند فرماتے تھے۔ دیوان صاحب سے تو ان کا بالکل ایک عاشقِ صادق کا تعلق تھا۔

مولانا اسماعیل ذبیح مرحوم

حویلی دیوان صاحب پشاور کی شام کی ان رونقوں میں اضافہ کرنے والی یوں تو بہت سی یادگار ہستیاں گنوائی جاسکتی ہیں تاہم جناب مولانا اسماعیل ذبیح مرُحوم کا ذکر نہ کروں تو میری یادوں کی یہ قلمی محفل ماند ماندسی رہ جائے گی۔ آپ تحریک پاکستان کے کارکن اور قائداعظم کے ساتھیوں میں سے تھے۔ سیاسی' تاریخی' مذہبی معلومات اور پھر اُن پر جناب ذبیح صاحب مرحوم کا زوردار انداز گفتگو' یوں سمجھیں محفل پر چھا جایا کرتے تھے۔ آپ کا حضرت دیوان صاحب سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ اوران کے صاحبزادوں سے اتنا قریبی اور عزیزوں کا سا تعلق تھا کہ ذبیح صاحب اپنے آپ کو دیوان صاحب کا پانچواں بیٹا کہا کرتے تھے۔ یہ صرف کہنے کی بات نہیں آپ نے اپنے بے تکلف انداز ملاقات اور دیوان صاحب کی پریشانی کے ہر معاملہ میں اس طرح دل سے شرکت کی گویا بیٹا ہونے کے اپنے قول کو عمل سے ثابت کررہے تھے۔ آپ شام کی نشست کے پابند نہیں تھے بلکہ اکثر ایسے وقت تشریف لے آتے تھے جو عین دوپہر یا شام کے کھانے کا وقت ہوتا تھا۔ اس موقع پر آپ کی تواضع اس لئے قطعاً کوئی مسئلہ نہیں ہوتی تھی کہ آپ خود ہی فرمایا کرتے تھے دیوان صاحب کے صاحبزادوں کے ہر گھر سے ایک ایک پلیٹ حاضر کردی جائے۔ یہ ''پچ میلی'' دعوت ذبیح صاحب کو بہت محبوب تھی۔ میں ماضی کے جھروکے میں جھانکتا ہوں تو یاد

آتا ہے کہ ذبیح صاحب فاروقی صاحب، ڈاکٹر عبدالرشید صاحب اور حکیم صاحب وہ صاحبان تھے جن کی آمد کی اطلاع حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی طبیعت پر ایک خوشگوار اثر چھوڑتی تھی۔

مولانا اسماعیل ذبیح مرحوم عرس مبارک خواجہ غریب نواز کے موقع پر اکثر ایک محفل میں خطاب بھی فرمایا کرتے تھے۔شاید آپ کے ان خطابوں میں آخری موقع حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی چہلم شریف کی تقریب تھی۔ اس موقع پر چشتیہ سلسلہ کی بہت سی درگاہوں کے سجادہ نشینان کی موجودگی میں حضرت دیوان صاحب سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کی دستار بندی بھی کی گئی تھی۔ مولانا اسماعیل ذبیح صاحب کے اس خطاب کے اول حصہ میں حضرت خواجہ غریب نواز کی عظمت کا بیان تھا دوسرے حصہ میں حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی علمی، ملی اور مذہبی خدمات کا اعتراف تھا آخر میں آپ نے دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کی پاکیزہ زندگی اور معمولات کا ذکر کیا تھا الغرض موقع کی مناسبت سے مولانا ذبیح صاحب مرحوم کا یہ خطاب بہت جامع اور دلپذیر تھا۔ جس کا منتخب حصہ حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کی دستار بندی کی تقریب میں بیان کیا گیا ہے۔

علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمتہ اللہ علیہ

غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ سے حضرت دیوان صاحبؒ کا تعلق دیوان صاحب کے مراد آباد کے تاریخی اور یادگار دورہ کے وقت سے ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد اس دلی اور قلبی پر اخلاص تعلق میں اس قدر گہرائی آگئی تھی کہ حضرت کاظمی صاحبؒ خود تشریف لاتے یا دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاںؒ اپنے ملتان کے دورے میں ملاقات کے لیے ضرور شاہ صاحبؒ کی رہائش گاہ تشریف لے جاتے تھے۔ عالمانہ شان کے حامل کاظمی صاحب انتہائی نسبت شناس اور خواجہ غریب نوازؒ کے شیدائی تھے چنانچہ آپ کا استقبال

اور تواضع کا اسلوب خلوص عقیدت اور محبت کا مظہر ہوتا تھا۔ رخصت فرماتے ہوئے جب تک دیوان صاحبؒ کی گاڑی دور نہیں نکل جاتی آپ اپنی تمام تر ضعیفی کے باوجود کھڑے رہتے تھے۔

دیوان صاحب حضرت سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کو بھی آپ سے قلبی تعلق تھا چنانچہ کاظمی صاحب کے وصال کی اطلاع نے آپ کو بہت رنجیدہ فرمادیا تھا۔ ہنگامی طور پر بذریعہ جہاز جنازہ میں شرکت فرمائی۔ دیوان سید آل رسول علیخاںؒ کے چھوٹے صاحبزادہ پیرزادہ سید آل سیدی صاحب سے حضرت کاظمی شاہ صاحب کے خاندان کا تعلق اخلاص اور عقیدت سے آگے بڑھ کر سمدھیانہ کی صورت اختیار کر گیا۔ حضرت کاظمی صاحب کے وصال کے بعد ان کی چھوٹی صاحبزادی کا نکاح حضرت پیرزادہ سید آل سیدی کے بڑے صاحبزادے پیرزادہ سید آل شاہد سے ہوا۔

شیخ الحدیث مولٰینا پیر محمد صاحب چشتی

مولٰینا کے تعارف اور تعلق کا بیشتر ذکر خود مولانا موصوف کے اُن تاثرات میں آ چکا ہے جو کتاب کے آغاز میں شامل ہیں۔ ان تاثرات میں مولانا صاحب کا حضرت دیوان صاحب' ان کے جانشین دیوان سید آل مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ سے دلی رشتہ اس طرح عیاں ہو رہا ہے' گویا اس کے اظہار میں الفاظ بھی بے بس ہیں۔

مولانا صاحب کا دونوں سابق دیوان صاحبان سے وہ دلی عقیدت و محبت کا تعلق تھا کہ آج بھی ان کا ذکر کر کے آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ اِن حضرات کے عرس کے مواقع پر شرکت اپنے فرائض میں تصور کرتے ہیں اور تمام مصروفیات ایک طرف رکھ کر "گلشنِ سلطان الہند" پہنچنا اپنے اوپر لازم تصور کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ناگزیر مجبوریاں آڑے آ جائیں تو بہت رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ مولانا صاحب کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے جو دل

میں ہے وہ زبان پر بھی بلا خوف آ جاتا ہے یعنی جو سطور بیان کرتی ہیں بین السطور بھی وہی مضمون و مفہوم ہوتا ہے۔ دونوں حضرات کی نماز جنازہ بھی آپ ہی نے پڑھائی تھی بلکہ دیوان صاحب کے خانوادوں میں بیشتر شادیوں کے مواقع پر نکاح پڑھانے والے اور میت کے موقع پر نماز جنازہ پڑھانے والے یہی مولانا پیر محمد چشتی صاحب ہوتے ہیں۔ آپ کی علمیت اور فقہ و حدیث پر دسترس کے دیوان صاحبان بہت قائل تھے۔ دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہ پشاور کی ابتداء اور ترقی کے تمام مراحل مولانا صاحب نے اپنے تاثرات میں درج کر دیئے ہیں لہٰذا تکرار کے ناگوار عمل سے بچنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بابا عبیداللہ درانی صاحب مرحوم و مغفور

جدید تعلیم سے آراستہ بابا عبیداللہ درانی صاحب مرحوم و مغفور ایک درویش صفت انسان تھے۔ درویشوں اور اللہ والوں کا ایک حلقہ ان کے گرد موجود رہتا تھا آپ خود بھی اس تلاش میں رہتے تھے کہ روحانیت کے حامل افراد سے ملاقات کی جائے۔ آپ پہلے انجینئرنگ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پروفیسر اور پھر پرنسپل انجینئرنگ کالج پشاور کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے لیکن طبیعت کی درویشی نے دنیاوی الائشوں سے دور رہنے پر مجبور کیا مخلوقِ خدا کی خدمت کے لئے آپ ہومیو ڈاکٹر کے طور پر سامنے آئے اور بہت سے بیماروں کو جسمانی اور روحانی بیماریوں سے شفایابی کا ایک سبب بنے۔

سکواڈرن لیڈر ولی الدین صاحب

حضرت دیوان صاحب سے درانی صاحب کی ملاقات اس کے اثرات اور تفصیلات کا حال بڑے موثر اور دلکش انداز میں درانی صاحب کے مرید صادق سکواڈرن لیڈر ولی الدین صاحب ایم ایس سی علیگ نے ''درعینی'' نامی بابا عبیداللہ صاحب کی سوانح حیات میں قلمبند کئے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تو حضرت دیوان سید آلِ رسول

علیخاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ایک پوتا حضرت کی عادات' مزاج' صفات کا ذکر کر رہا تھا۔ اب ایک غیر کے قلم سے' استغفر اللہ ایسے محبِّ خواجہ اور محبوبِ دیوان صاحب کو غیر کہوں، میری مراد غیر خاندان کے فرد سے ہے۔ حضرت دیوان صاحب کے کردار اور شخصیت کے بارے میں تاثرات نقل کر دوں۔ یہ دیوان سیّد آلِ رسول علیخاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وہ خاکہ ہے جو جناب ولی الدین صاحب نے درعینی میں رقم کیا ہے۔ ''مبارک ہے یہ سرزمین پشاور کہ یہاں ایسی مبارک ہستیاں آ کر مسند نشین تختِ ولایت ہوئیں' جن کو دیکھ کر ہی حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیریؒ کی زیارت ہو جاتی ہے' دیوان صاحب کا چہرہ مبارک' پیشانی' رخسار' چشم' ابرو ریش مبارک' دستار لباس وضع قطع' نشست و گفتار' غرضیکہ کیا کیا بیان کیا جائے کہ صدیاں درمیان میں بیت جانے کے باوجود حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے انوار نشر کر رہے تھے۔ المختصر' زمان و مکاں کے فریبوں سے نکل جاؤ تو جان لو گے کہ اجمیر کی تجلی کا نزول پشاور میں ہو گیا تھا۔ جب بابا درانی صاحب کی دیوان صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان کی خواہش دیرینہ کو یعنی ہر سال درگاہ اجمیر شریف کی حاضری کی بے قراری کو یہیں پشاور ہی میں قرار مل گیا تھا۔ بابا صاحب دیوان صاحب کے پاس اکثر جاتے۔ پشاور کی خلقت کے تو جیسے نصیب جاگ اٹھے تھے۔ دن رات لوگ دیدار سے مشرف ہو کر اور تسکینِ قلبی حاصل کر کے واپس جاتے۔ عرس اور دوسرے ایسے ہی خصوصی موقعوں پر لنگر نیاز قرآن خوانی' پند و وعظ اور محفلِ سماع کا ایسا خوش اسلوبی سے انتظام ہوتا کہ اجمیر شریف کی یادیں تازہ ہو جائیں اور بس۔

الٰہی تابود خورشید و ماہی   چراغِ چشتیاں را روشنائی

کے مناظر نظر آتے۔ ان ہی تجلیوں کو لئے آج تک یہ دربار موجودہ دیوان صاحب کی سرپرستی میں بڑے احسن طریقہ سے جاری ہے۔ آج بھی آستانِ پاک اجمیر

کے لئے دیوان صاحب کی ایک جماعت چادر لے کر ہر سال اجمیر شریف پہنچتی ہے۔

غریب پرور بندہ نواز کی چادر ۔۔۔۔۔ امیر یثربِ شاہِ حجاز کی چادر

دیوان صاحب سے بابا درانی کو خصوصی قرب قوالی کی محفلوں کے ذریعہ ہی ہوا تھا۔ یہی وہ محفلیں ہوا کرتی ہیں جہاں ایک شدتِ مستانہ میں آ کر کاملین پر رحمت وانوار کی بارشیں ہونے لگتی ہیں' اور ان کے صدقے میں حاضرینِ مجلس بھی عجب عجب کرم نوازیوں سے فیض یاب ہوتے جاتے ہیں۔

حضرت دیوان صاحب کا پشاور کا ابتدائی زمانہ تھا۔ بابا درانی صاحب کے مدعو کرنے پر دیوان صاحب ایک چھوٹی سی جگہ قوالی کی مجلس میں آئے۔ قوالی کے دوران چائے کے وقفہ میں دیوان صاحب نے سرگوشی میں بابا صاحب سے فرمایا کہ تقسیم ہند کے وقت ہندوستانی جھنڈے کی سلامی نہ دے کر وہ حکومت اور ہندوؤں کے قہر میں فوری طور پر آ گئے تھے' اور راتوں رات مع خاندان کے ایک کسمپرسی کی حالت میں پاکستان پہنچے تھے۔ سرگودھا میں آ کر منزل کی تھی پھر پشاور آ کر سر جھکائے پڑے تھے کہ پتہ نہیں اجمیر شریف سے آنا صحیح بات تھی یا نہیں۔ مگر آج اس قوالی میں یہ بات روشن ہوئی کہ ہم نے غلطی نہیں کی ہے' انشاء اللہ باعزت طور پر اجمیر شریف واپس جائیں گے۔ پھر دیوان صاحب نے برملا واقعہ سنایا کہ گزشتہ تاریخ ہند میں ایک بار یہ ہوا کہ ہندوؤں کی یورش اور فتنہ بڑھا۔ اس وقت کے دیوان صاحب ہمارے مورث اعلیٰ کو تین بار بشارتوں میں فرمایا گیا کہ لوگوں سے کہو اجمیر چھوڑ دیں اور تم بھی اجمیر شریف سے باہر کا رخ کرو چنانچہ ان دیوان صاحب نے مسلمانوں میں اعلان کرا دیا اور خود بھی اجمیر سے چلے گئے۔ جو مسلمان اجمیر ہی میں رہ گئے وہ تہ تیغ کر دیئے گئے اور درگاہ شریف بت خانہ بنا دی گئی۔ پھر عرصہ دراز گزرنے کے بعد ایک اور راجہ درگاہ شریف پر حاضر ہوا تھا۔ اس نے منت مانی تھی کہ اگر مجھے خواجہ کے دربار

سے یہ فتح نصیب ہوئی تو خواجہ کی درگاہ سے بت خانہ ہٹا کر پھر سے درگاہ شریف بنا دوں گا۔ اس راجہ کو فتح نصیب ہوئی اور اس نے درگاہ شریف کے تقدس کو بحال کر دیا۔ اس کے بعد اس زمانے کے دیوان صاحب معہ اپنے خاندان اور دوسرے مسلمانوں کے اجمیر شریف واپس آ گئے تھے۔ اس چھوٹی سی محفل میں یہ واقعہ سنا کر دیوان صاحب سید آلِ رسول علیخاں کا چہرہ شگفتہ ہو گیا تھا۔ کھلے پڑتے تھے جیسے خواجہ اجمیری خود ان کے روبرو تشریف فرما ہوں۔ اس قوالی کے بعد پشاور میں دیوان صاحب کا دربار آہستہ آہستہ جمنے لگا۔ پھر جب چراغِ چشتیاں کی روشنی پھیلی تو ظاہر و باطن میں چراغ ہی چراغ جلتے گئے۔ یہ فقیر کے ظاہر و باطن کی شہنشاہیت کا دور تھا۔

اس شہنشائیت کی ایک جھلک پہلی مرتبہ قوالی میں دیکھنے میں آئی جو بابا درانی صاحب نے اپنے مرشد کے عرس کے موقع پر منعقد کرائی تھی۔ شہر کے چار مستند مشائخین بھی قوالی میں موجود تھے۔ رات کے بارہ بجے ہوں گے، قوالی نہایت شدومد سے جاری تھی کہ دیوان صاحب آلِ رسول مع صاجزادگان اور متعلقین تشریف لائے تھے اور صدر مسند نشین کرائے گئے تھے۔ اس وقت قوال خواجہ صاحب کی شان میں منقبت پڑھ رہے تھے۔

خواجۂ من قبلۂ من دین من ایمان من
من بہ قربانت شوم اے یوسف کنعان من

بس دیوان صاحب کا مسند نشین ہونا تھا کہ تاج پوشی کا سا سماں بندھ گیا۔ سارے حاضرین قدم بوس ہو ہو کر قوالوں کو نذرانہ پیش کر رہے تھے۔ قوال اور بھی زور اور جذبے میں آ گئے تھے۔

من بہ دامان معین الدین حسن دستے زدم
مرشدِ من خضر کن ، مہدیٔ من مولائے من

''گویا خود خواجہ معین الدین چشتی اجمیری مسند پر جلوہ افروز تھے''

ولی الدین صاحب کی زبان اور اسلوبِ بیان پکار پکار کر کہہ رہا ہے

جس جگہ پر ہو چشمۂ شیریں
مردم و مرغ و مور آتے ہیں

ماسٹر عبدالکریم سقاف (مرحوم)

ماسٹر سید عبدالکریم سقاف مرحوم' عرس شریف منعقدہ حویلی دیوان صاحب پشاور کے بہت پرانے حاضر باش تھے۔ آپ کا مستقل اور لگا بندھا معمول یہ رہا کہ عرس کی محفل میں پہلی صف کے آخر میں قوالوں کے نزدیک بیٹھتے۔ اکثر آپ کی صاحبزادی جو اس وقت خاصی کم عمر تھیں وہ بھی آپ کے ساتھ موجود ہوتی تھیں۔ بہت مؤدب اور ذوق وشوقِ سے قوالی سننے محفل کے شروع میں آتے اور آخر تک موجود رہتے۔ آپؒ صاحبِ ذوق اور پڑھے لکھے انسان تھے۔ اکثر قوالی کے دوران وجد میں بھی آجاتے۔ آپ کی حاضری کا سلسلہ اس قدر محبت سے قائم ہے کہ گزشتہ کی طرح تادم آخر جبکہ عرس مبارک کی محافل گلشن سلطان الہند ضلع اٹک منتقل ہوچکی ہیں آپ بارش، سردی، گرمی یہاں تک کہ بیماری تک کو اپنی محبت کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔

بہت عرصہ قبل آپ نے حضرت دیوان سید آل مجتبیٰ علیخانؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ماسٹر صاحب کے مشاغل میں بزرگوں کے اعراس ذکر وفکر کی محافل اور ختم قرآن وختم خواجگان میں شرکت شامل تھے۔ گلشنِ سلطان الہند اجمیری میں اعراس اور چھٹی شریف کی محافل میں فاتحہ خوانی اور شجرہ شریف پڑھنے کی ذمہ داری اور سعادت آپ ہی کے حصہ میں آئی تھی۔

مولانا امیر شاہ صاحب

مولانا کا شمار پشاور کے معروف گیلانی خاندان سے ہے۔ اہل پشاور اور آپ کی

علمی اور خاندانی وجاہت کے سبب نہ صرف آپ کو بلکہ آپ کے کل خاندان کو بہت توقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مولوی جی صاحب کا حضرت دیوان سید آل رسول علیخانؒ اور ان کے بعد حضرت کے جانشین دیوان سید آل مجتبیٰ علیخانؒ سے انتہائی والہانہ تعلق رہا ہے۔ اکثر حویلی دیوان صاحب پشاور تشریف لاتے رہے ہیں۔ عمِ محترم پیرزادہ سید آلِ سیدی معینی کے ساتھ بھی جمعیت علمائے پاکستان کے حوالے سے بہت اخلاص کا تعلق رہا ہے۔ آج بھی آپ کی اولاد حضرت دیوان صاحب کے خاندان سے بہت اخلاص ومحبت سے تعلق رکھتی ہے۔

شعرائے کرام میں جناب ضیاء جعفری مرحوم اور حافظ انصر لدھیانوی، مشتاق احمد مولائی صاحب، علمائے کرام اور مشائخ عظام میں مولانا کوثر نیازی مرحوم، گجرات کے مفتی مختار میاں مرحوم، آغا سید ظفر علی شاہ مرحوم، ابو طاہر جعفری صاحب، ایوب ملنگ صاحب عبیداللہ درانی صاحب، مولف درعینی ولی الدین صاحب، ایڈووکیٹ کریم اللہ خان درانی صاحب، حافظ احمد دین صاحب، میر سید نثار احمد صاحب اور نا معلوم کتنے ایسے معتبر حضرات گاہے بگاہے حویلی تشریف لاتے رہتے تھے کہ یہاں ان کا ذکر نہ کرنا میری کوتاہی میں شامل ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ چاہے کچھ اور نام بھی شامل کرلوں تو یہ فہرست تو بہر صورت مکمل نہ ہو سکے گی۔

اس حقیر فقیر پر تقصیر نے حضرت دیوان صاحب کی سوانح میں کسی جگہ بھی آپ کی اُن کرامات کا ذکر نہیں کیا جو آج کل کی مادیت اور نفس پرستی کی دنیا میں ولایت کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہیں۔ یہی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایسا نقشہ سامنے آ جائے کہ وہ ہستی جس کے ملنے جلنے والوں میں علماء، مشائخ عظام، ادباء فضلاً، مریدین، معتقدین دنیاوی اعتبار سے جاہ وحشم کے مالک اور مساکین ہر طبقہ زندگی سے تعلق رکھنے والے اصحاب موجود تھے۔ سب سے ان کی حیثیت مرتبہ اور مقام کے مطابق برتاؤ

کیا۔ کسی جاہ وحشم والے سے مرعوب ہوئے نہ اُس سے کسی نوع کا لالچ اور طمع رکھا' مریدین اور متعلقین سے اخلاص کا برتاؤ کیا' صلہ رحمی کا سلوک روا رکھا۔ دوست احباب سے ایسا رشتۂ دوستی قائم کیا کہ سب آپ کے گرویدہ رہے۔ جس کسی سے ایک بار تعلق قائم ہو گیا وہ وقت گزرنے کے ساتھ مضبوط تر ہوا' اور ٹوٹنے کا تو گویا سوال ہی نہیں تھا۔

دیگر معاملاتِ زندگی میں ایک بااصول' بامروت' متحمل مزاج رہے۔ مذہبی پابندی کے اعتبار سے روزہ اوراد ووظائف' قرآن خوانی اور دیگر مذہبی کتب کا مطالعہ معمولات میں شامل رہا۔ جو واقعات اور نصیحت کی باتیں پڑھیں اُن کو اپنی زندگی پر بھی لاگو کرنا چاہا اور دوسروں کو بھی پند ونصائح کا سلسلہ جاری رکھا۔

رشتہ داروں کے ساتھ بڑھ چڑھ کر صلہ رحمی کا برتاؤ رکھا۔ کیا یہ اعمال واشغال کراماتِ ولیٔ کامل کہلانے کے مستحق نہیں؟ آپ نے تقویٰ' پرہیز گاری' خداترسی کی زندگی گزاری۔ اپنے جداعلیٰ خواجۂ بزرگ کے مشن کی ترویج وترقی کے لئے اپنی زندگی وقف رکھی۔ یقیناً آپ کی زندگی ایسی پاکیزہ تھی گویا بقول مولانا معین الدین اجمیری آپ نے منصبِ سجادگیٔ درگاہِ عالیہ کا حق ادا کر دیا۔

حضرت دیوان سید آل رسول علیخاںؒ کا کردار واخلاص ملفوظاتِ خواجہ بزرگؒ کی روشنی میں

سلطان الاولیاء والمشائخ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن سنجریؒ زہد و تقویٰ اور ولایت ومحبوبیت کے جس اعلیٰ مقام پر فائز تھے وہ اس قدر بلند تھا کہ انسانیت کی بھلائی اور فلاح کے لیے آپ کے فرمودات مینارہ نور کا درجہ رکھتے ہیں۔ انسانی زندگی کو انسانیت کے حقیقی شرف تک پہنچانے اور وعظ ونصیحت کے لیے بیان کردہ ان اقوال زریں کا عکس جب حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف کی زندگی میں حرفاً حرفاً پورا اترتے دیکھتا ہوں تو ایک بار پھر یہ یاد دلانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ حضرت موصوف فرماتے رہے ہیں گویا زبانِ حال سے اپنے مریدین، متعلقین، متوسلین بشمول اپنے اہل خانہ کو یہ سبق ازبر کرانا چاہتے تھے کہ حقیقی ولایت اور حقیقی رضائے الٰہی کا حصول چاہتے ہو تو کرامات کی تلاش کی بجائے خواجہ کے فرمودات پر عمل کر کے درویشانہ شان سے خوشنودیٔ خدا اور رسولؐ خدا کے لیے شریعت کے پابند ہو جاؤ۔

☆ ارشاد خواجۂ بزرگ ہے ''صحبت کے اثرات ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر برا شخص نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا نیک ہو جائے گا اس کے برعکس اچھا شخص بروں کی صحبت سے برائی کا خوگر ہو جائے گا۔ چنانچہ یاد رکھو نیک لوگوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے اور بدوں کی صحبت برے کام سے بدتر ہے۔

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی عادات میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کو علمائے کرام اور مشائخ عظام کی صحبت دل سے عزیز تھی۔ جب بھی آپ کے گھر علمائے کرام تشریف لاتے تو آپ کی طبیعت ان کی آمد کی خبر سُن کر ہی شگفتہ ہو جاتی۔ دیر تک یہ مجلس

برخواست ہونے میں نہیں آتی تھی۔ یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب معزز مہمان محسوس کرتا ہو کہ میزبان ان کی آمد اور دیر تک موجودگی کو بارِ خاطر نہیں سمجھ رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت دیوان صاحبؒ کا دلی یقین تھا کہ

صحبت طالع ترا طالع کند
صحبت صالح ترا صالح کند

☆ غریب نواز اجمیریؒ کے اس فرمان کی تو حضرت دل سے قدر و منزلت کرتے تھے کہ علماء اور مشائخ کے چہرہ کی طرف محبت اور عقیدت سے دیکھنا بھی عبادت ہے۔

☆ غریب نوازؒ کا فرمان ہے "انسان جس قدر دنیا کے کاموں میں مصروف رہتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ حضرت دیوان صاحبؒ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنے والے بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک گوشہ نشین درویش صفت انسان تھے۔ اگر چاہتے تو دنیاوی منصب اور سیاست کے ثمرات دنیاوی کا حصول قطعاً مشکل نہیں تھا۔ مگر آپ نے دنیا سے تو کبھی رغبت رکھی ہی نہیں۔ دنیا کو محض اتنا برتا جتنا خوشنودی خدا و رسول ﷺ کے لیے ناگزیر تھا باقی وقت بزرگوں کے سجادہ کی خدمت ہی حضرت کا پسندیدہ شغل اور معمول رہا تھا۔ دنیا اور دنیا کی رغبت تو دور کی بات ہے آپؒ تو خواجۂ بزرگ کے اس فرمان پر یقین کامل رکھتے تھے۔

☆ جو لوگ اپنی منشاء اللہ تعالیٰ کے سپرد کر چکے ہوتے ہیں ان کو جنت کی راحت سے کیا سروکار ان کو تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مطلوب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر آپ کا ایمان محض روایتی اور خاندانی نہیں تھا۔ اس مسئلہ پر آپ نے سلوک کی راہ سے گزرتے ہوئے اس قدر تدبر اور تفکر فرمایا تھا کہ اللہ کی محبت کا راستہ بھی رسول اللہ ﷺ کی محبت سے ہو کر جاتا تھا۔ ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

مانتا کیسے میں بن دیکھے کسی ہستی کو
آپ کے کہنے سے مانا ہے خدا کو میں نے

ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے راستے جو عظمت اور الفت خداوندی قلب میں سمائے گی پھر اس کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔

☆ خواجۂ بزرگ کا ارشاد ہے "سلوک کی پہلی سیڑھی شریعت ہے۔ شریعت کے احکامات پر مکمل طور پر عمل کرنا واجب ہے۔ ذرہ برابر بھی کسی حکم سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے۔ شریعت پر ہی عمل کر کے دوسرے درجہ میں طریقت تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ یہاں بھی استقلال شرط ہے۔ شریعت کے راستوں کو پابندی کے ساتھ طے کرنے کے بعد انسان کو اس سے بھی بلند مقام، مقام معرفت حاصل ہوتا ہے اور جب وہ اس مرتبہ پر کمال حاصل کر لیتا ہے اور اس کے قلب پر تجلیات کا ظہور ہونے لگتا ہے تو اس کی رسائی مرتبہ حقیقت تک ہو جاتی ہے اور یہ مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے اور جب انسان اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ جو کچھ چاہتا ہے وہ اسے حاصل ہو جاتا ہے۔

خواجۂ بزرگؒ کا یہ طویل فرمان تشنگان راہ طریقت کو استقلال اور ثابت قدمی کا پابند بنا کر منزل بہ منزل حقیقی فوز و فلاح تک پہنچاتا ہے۔ حضرت دیوان صاحب ان منازل میں کہاں تک پہنچے اگر اس کی صراحت کے لیے کچھ کہوں گا تو اول تو اپنے قلم کو عاجز محسوس کروں گا دوم پہلے وعدہ کر چکا ہوں کہ میں اپنے دادا حضور کو کرامات کے سہارے قارئین کی نظر میں کوئی مقام دلانا نہیں چاہتا۔ میرا مقصد تو محض یہ ہے کہ آپ کی حقیقی زندگی کے وہ پہلو بیان کروں جو آپ کے جائز مقام کا تعین کرنے میں معاون ہوں نیز ان بزرگوں کی حیات مبارکہ کو نمونہ سمجھ کر ان سے محبت کرنے والے بھی اس راہ پر چلنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سے محبت کرنے والے تمام افراد کو حضرت دیوان صاحب کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بہر حال آج بھی آپ کی زندگی کا مشاہدہ کرنے والے اصحاب موجود ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ آپ شریعتِ مطاہرہ کے سخت پابند تھے۔ نہ صرف عباداتِ صوم وصلوٰۃ کی حد تک بلکہ نیکی کے امور میں پیش پیش اور نواہی سے انتہائی پرہیز فرماتے تھے۔ شریعت کے احکامات کو اللہ کے خوف سے فرض سمجھ کر ادا کرنا شریعت ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے انتہائی خشوع وخضوع سے لذت محسوس کرتے ہوئے ان فرائض اور حقوق اللہ کی ادائیگی طریقت ہے۔ اس اعتبار سے آپ جس انہماک سے ان امور کی طرف متوجہ رہتے تھے وہ آپ کو طریقت کا بہترین عامل ظاہر کرتے ہیں۔ ان ہی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنے بزرگوں کے معمولات اور اوراد کو بھی آپ نے زندگی بھر نبھایا ہے۔ استقلال جس کا ذکر ملفوظ خواجۂ بزرگ میں تاکید سے کیا گیا ہے۔ اس کا اظہار حضرت دیوان صاحب کے زندگی بھر کے معمولات سے بخوبی ہوتا ہے۔ اس سے آگے مقامات معرفت اور حقیقت تک رسائی کی بات کرنا میرے بس سے باہر ہے۔

☆ ارشاد خواجۂ بزرگ ہے "والدین کے چہروں پر محبت سے نظر کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔" حضرت دیوان صاحب اپنے والدین کریمین سے کس درجہ محبت رکھتے تھے اس کی ایک جھلک حضرت کے اقوال میں بیان کی جا چکی ہے۔ حضرت کو اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت کرنے کا طویل عرصہ نصیب ہوا۔ خدمتِ ظاہری تو اپنی جگہ اپنے اعلیٰ ترین منصب سجادگی کے باوجود آپ والدہ صاحبہ کو اس محبت سے دیکھتے تھے گویا آپ ہر طرح ان کے حکم کے بعد ان کی رضا کے طالب ہیں۔ خواجۂ بزرگ اجمیری کا یہ فرمودہ بھی آپ کے پیش نظر رہتا تھا کہ جس نے جو کچھ پایا خدمت ہی سے پایا۔ یقیناً خدمت میں کل مخلوق خدا حصہ پاتی ہے لیکن اس خدمت کی بھی سب سے زیادہ مستحق حضرت کو اپنی والدہ ماجدہ ہی نظر آتی تھیں۔ اس کے بعد علماء اور مشائخ آپ کی خدمت کے حقدار ٹھہرتے تھے

پھر باقی مخلوق خدا حسب توفیق جس میں غرباء اور مساکین بھی شامل ہوتے تھے۔

☆ خواجۂ بزرگؒ فرماتے ہیں ''تمام مشائخ عظام اولیائے کرام اور اہل طریقت کا مسلک یہی رہا ہے کہ وہ دنیا سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان مصیبتوں اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس ضمن میں حضرت دیوان صاحب کی گوشہ نشین طبیعت کا ذکر پہلے بھی کر چکا ہوں۔ انسان اگر صبر و رضا کا پیکر نہ ہو تو دنیا کی حرص اسے پریشان رکھتی ہے اور جس انسان نے دنیا کے عارضی اور فانی ہونے کا یقین کر لیا اس کو دنیا کی بڑی سے بڑی رنگینی اور دلفریبی اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔ درگاہ اجمیر شریف سے مہاجرت کی صعوبتوں بھری زندگی اختیار کرنا' دنیا سے حضرت کی بے رغبتی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

☆ خواجۂ غریب نواز اجمیریؒ فرماتے ہیں ''جس نے نعمت پائی سخاوت کے عوض پائی''۔ حضرت دیوان صاحبؒ اس فرمان خواجہ پر طرح طرح عمل کرتے نظر آتے تھے۔ علمائے کرام کی خدمت مال سے فرمانا تو آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا ہی اس کے علاوہ غرباء اور مساکین کے وظیفے مقرر فرما رکھے تھے اور یہ سب کچھ اس قدر خاموشی سے ہوتا گویا ایک ہاتھ کا دیا دوسرا ہاتھ نہ دیکھ پائے۔

سخاوت کی ایک اور بے مثل قسم اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی تھی۔ وہ قرابت دار جو شرعی اصول سے کسی طرح آپ کی کفالت اور ذمہ داری میں نہیں آتے تھے۔ وہ مستقل آپ کے ساتھ رہے اور تمام یا ان کے بیشتر اخراجات آپ برداشت کیا کرتے تھے۔ ایسے افراد کی تعداد ایک یا دو نہیں تھی۔ کئی کئی خاندان آپ کی ذمہ داری بنے ہوئے تھے۔ پاکستان ہجرت کے وقت بھی آپ نے ان کو بے سہارا نہیں چھوڑا۔ ممکن ہے اس عظیم صلہ رحمی اور سخاوت کی تحریک آپ کو خواجۂ بزرگ کا یہ ملفوظ بھی دے رہا ہو۔

☆ ''جو کوئی اللہ تعالیٰ کی خاطر بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے۔ اس کے اور جہنم کے مابین سات پردے حائل ہو جاتے ہیں جبکہ ایک پردہ کی مسافت پانچ سو کوس ہے۔'' جیسا کہ عرض کیا یوں تو آپ کی سخاوت کبھی رمضان شریف میں بلا امتیاز امیر و غریب روزہ کشائی کی صورت میں۔ ماسوا رمضان بھی طرح طرح انفرادی اور اجتماعی شکل میں نظر آتی رہتی تھی لیکن آپ کے وہ اقرباء جو آپ کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ ان کے طعام کا انتظام یقیناً اللہ کی بارگاہ میں مقبولیت پاتا ہوگا نیز جہنم اور سخی کے درمیان حجابات بھی بڑھتا ہوگا۔

☆ خواجہ بُزرگؒ کے ملفوظات میں آتا ہے ''عاشق کا دل محبت کا آتش کدہ ہے جو بھی اس میں داخل ہوا، اسے جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ کیونکہ عشق کی آگ سے تیز کوئی اور آگ نہیں ہے۔'' گویا

نگاہِ قلندر میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

ایک میں ہی نہیں بیشمار اپنے اور پرائے حضرت کی اس خصوصیت پر حیران تھے اور اکثر اس کا ذکر بھی سنا ہے کہ جو شخص ایک بار آپ کی صحبت میں آ گیا وہ دل سے آپ کا ہو گیا۔ ظاہری طور پر یہ حضرت کے کردار و اخلاص کا اثر تھا لیکن محسوس یہ ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا عشق آپ کے رگ و پے میں اس طرح سمایا ہوا تھا کہ اس کے اثرات ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ خواجہ بُزرگ کا درج ذیل ارشاد بھی آپ کو اہل عشق کی صف میں لاتا ہے۔

☆ اہل عشق نماز فجر ادا کرنے کے بعد مصلے پر بیٹھے رہتے ہیں اور جب آفتاب طلوع ہو جاتا ہے تو پھر مصلے سے اٹھتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مقبول ہو جائیں۔'' حضرت دیوان صاحب اپنے جد کریمؒ کے اس ارشاد عالیہ پر زندگی

بھر عامل رہے تو کیسے ممکن ہے کہ اللہ کی رحمت اور اس کے مقبول اہل عشق کی صف میں شمار نہ کیے گئے ہوں۔

☆ خواجہ غریب نوازؒ کے ملفوظات میں سورۃ فاتحہ کی برکات کا طرح طرح ذکر آیا ہے ایک جگہ اس طرح ارشاد ہے ''سورۃ فاتحہ تمام دردوں اور امراض کے لیے شفا ہے جو مرض کسی بھی علاج سے رفع نہ ہوتا ہو وہ صبح کی نماز کے فرضوں اور سنتوں کے درمیان اکتالیس مرتبہ سورۃ فاتحہ شریف پڑھنے سے دور ہو جاتا ہے۔'' جہاں تک یاد ہے حضرت دیوان صاحبؒ تعویزات میں اپنے جد کریمؒ کے اس فرمان پر سب سے زیادہ عامل رہے۔ کبھی اسی طرح اکتالیس بار سورۃ فاتحہ پڑھنے کی تاکید فرمائی تو کبھی زعفران سے تھالیوں پر تحریر کر کے پینے کے لیے عنایت فرماتے تھے۔

☆ خواجہ صاحبؒ کے ملفوظات میں مذکور ہے ''سچا دوست وہ ہے کہ جو دوست کی بھیجی ہوئی مصیبت کو خوشی سے قبول کرے اور دم نہ مارے۔'' خواجہ صاحبؒ کا یہ ارشاد حضرت دیوان صاحبؒ کی زندگی میں جگہ جگہ پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ لیکن اس ضمن میں سب سے بڑی اذیت اور امتحان مہاجرت کی صورت میں مقابل آیا۔ اول تو دنیوی اعتبار سے اس مہاجرت کو ٹالنا کسی طرح مشکل نہیں تھا۔ ہندو حکومت کی ذرا سی خوشنودی کی کوشش تمام دنیاوی پریشانیوں سے نجات کا باعث ہو سکتی تھی لیکن اس عزم و استقلال کے پہاڑ نے وسیع کنبہ کے ساتھ مہاجرت کی تمام سختیاں، اس کے نتیجہ میں دنیاوی شان و منصب سے محرومی سب بے جھجک محض خوشنودیٔ دوست کی خاطر قبول کیا۔

آنکھیں اللہ تعالیٰ کے تمام انعامات میں بہت بڑی نعمت تصور کی جاتی ہیں۔ آپ نے عزیمت کی راہ اختیار کرتے ہوئے ایک طویل عرصہ تک ان کا آپریشن محض اس لیے ٹالا، کہ ان دنوں آنکھ کے آپریشن کا مطلب تھا کئی کئی دن بغیر حرکت ساکت پڑے رہو۔ آپ کا فرمانا تھا کہ اس صورت

میں نہ تو وضو کر سکوں گا اور نہ ہی پاکیزگی کا پورا اہتمام رہ سکے گا۔ اگر آنکھیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے پرنور رہتی ہیں تو مجھے بھی قبول ہے لیکن میں ان کی خاطر نماز وطہارت کی قربانی نہیں دینا چاہتا۔

☆ خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کا ارشاد ہے ''اگر تم اپنی قوتوں کو فضول کاموں میں ضائع کر دو گے تو بعد میں ہمیشہ افسوس کرتے رہو گے۔'' حضرت دیوان صاحبؒ اپنے جد کے اس قول زریں پر ہمیشہ عامل رہے، آپ کی صبح سے شام تک کی مصروفیات اس قول پر دل سے یقین کا مظہر تھیں۔ جن میں فرض اور نفلی نمازوں کا وقت پر اہتمام، تلاوت کلام پاک کے لیے مقرر وقت یہاں تک کہ کھانے پینے کے اوقات کا بھی انتظام تھا۔ ہم نے تو ہمیشہ یہی دیکھا کہ آپ کے پیش نظر کوئی نہ کوئی نیک مقصد رہا اور اس کے لیے سعیٔ پیہم گویا آپ کا زندگی بھر کا منشور تھا۔ حضرت تو گفتگو بھی محض وقت گزاری کے لیے نہیں فرماتے تھے۔ بچوں سے آپ کو بہت پیار تھا۔ ان سے گفتگو کرتے ہوئے بھی محض بچوں کا دل خوش کرنا کبھی پیش نظر نہیں رہا۔ بچوں سے حضرت کی گفتگو میں اخلاقیات کا کوئی نہ کوئی نکتہ پوشیدہ ہوتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اندازِ بیان ایسا دلچسپ ہوتا کہ بچے آپ کی بات توجہ سے سنا کرتے تھے۔

☆ خواجۂ بزرگ فرماتے ہیں ''مسلمان بھائی کو بلا وجہ ستانا گناہِ کبیرہ ہے اہل سلوک کے نزدیک مسلمان کو ستانا گناہِ کبیرہ ہے۔'' حضرت کی ڈھول کوٹ سے اجمیر شریف تک اور اجمیر شریف سے پاکستان میں دنیائے فانی سے کوچ تک کی تمام زندگی خیر ہی خیر تھی اور اس قدر مصروف تھی کہ بلا وجہ یا کسی وجہ سے کسی کو ستانے کا کوئی موقع پیدا ہی نہیں ہوتا تھا۔ افسوس کی بات تو یہ کہ آپ البتہ اپنے قیام اجمیر شریف کے دوران، زائرین درگاہِ خواجہ کی سہولتوں کی خاطر جو مساعی فرماتے رہے وہ درگاہ کے مجاوروں اور متولی حضرات کو ذاتی مفادات کے خلاف نظر آتی تھیں چنانچہ انہوں نے حضرت دیوان صاحبؒ کو ستانے کا کوئی موقع جانے نہ دیا۔ ایسے نفیس طبیعت حلیم مزاج انسان کے ساتھ مجاوروں کی ستم

ظریفی، شریف النفس انسانوں اور دوست احباب کے لیے جب نا قابل برداشت ہو جاتی تو یہ حضرات بھی حضرت کے مخالفین کو دنداں شکن جوابات دیتے رہتے تھے۔ بصورتِ دیگر حضرت تو گویا جانتے ہی نہیں تھے کہ دل آزاری کیسے کی جاتی ہے۔

پاکستان میں چشتیہ سلسلہ کی درگاہوں کی اکثریت آپ کا احترام کرتی تھی لیکن بعض درگاہوں کا رویہ دل شکن ہوتا تھا مگر آپ نے ہمیشہ وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چھوٹوں کو یہ تاثر بھی نہیں دیا کہ آپ نے ان کے عمل کو ناپسند فرمایا ہے۔ ایسے ہی کسی موقع پر آپ نے محض اتنا فرمایا ''پتھر بھی اپنی جگہ پر بھاری ہوتا ہے۔''

میرے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات عالیہ انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے قدم بہ قدم روشنی فراہم کرتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ انسان سچی محبت سے ان جواہر پاروں پر عمل پیرا ہونے کی کوششیں کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا معین و مددگار ہوتا ہے جو اس کے دوستوں کے فرمودات پر عامل ہونے کی سعی کرتے ہیں۔

☆ حضرت خواجہ صاحب کا یہ ارشاد ''جس میں تین خصلتیں ہوں گی وہ اس حقیقت کو جان لے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے۔ اول سخاوت دریا جیسی، دوم شفقت سورج کی مثل، سوم تواضع زمین کی طرح''۔ حضرت دیوان صاحبؒ مذکورہ تینوں خصوصیات کی روشنی میں اللہ کے دوست قرار پاتے ہیں۔ حضرت کی ساری حیاتِ ظاہری ان تینوں صفات کے حصول کی سعیٔ مسلسل دکھائی دیتی ہے۔ یقیناً یہی وہ حقیقی کرامات ہیں جو انسان کو مقام ولایت تک پہنچاتی ہیں۔

حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ
کی بیماری اور وقتِ آخر

حضرت کو ایک طویل عرصہ سے اختلاج قلب کی شکایت تھی بلڈ پریشر بھی اکثر بڑھا رہتا تھا۔ اختلاجِ قلب کی شکایت تو قیام اجمیر شریف سے ہی چلی آ رہی تھی۔ اچھی طرح یاد ہے کہ جب اختلاج کا دورہ سا پڑتا تھا تو گھر بھر آپ کے سرہانے کھڑا ہوتا تھا اور آپ کی یہ کیفیت ہوتی تھی گویا یہی آخری وقت ہو۔ ہم بچے تھے اس وقت بھی جب معلوم ہوتا تھا کہ ابا جی قبلہ کو اختلاج قلب کی تکلیف ہو رہی ہے تو ہم سب لوگ کھیل کود بند کر کے سہمے سہمے آپ کے بستر کے اردگرد کھڑے ہوتے تھے۔

میرے والد سید آلِ حامد پیرزادہ آپ کے مزاج اور طبیعت سے بہت واقف تھے چنانچہ حضرت کو بھی اپنی بیماری کے معاملات میں بالخصوص والد صاحب پر بہت اعتماد تھا۔ اکثر ہضم اور زکام وغیرہ کا مکسچر گھر میں ہی بنا کر دیا کرتے تھے چنانچہ آپ کی کسی بھی بیماری کے موقع پر والد صاحب تیمارداری میں آگے آگے ہوا کرتے تھے۔

سن ساٹھ کی دہائی میں حضرت کی آنکھوں میں موتیا اور کالا پانی اترنا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ کیفیت ہوگئی کہ بنیائی تقریباً ختم ہوگئی ڈاکٹر کرنل رضا پیرزادہ آئی سپیشلسٹ آپ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے انہوں نے بار بار آپریشن کا مشورہ دیا مگر حضرت نے عزیمت کی راہ اختیار کرتے ہوئے ہمیشہ آپریشن کروانے سے یہ کہہ کر اجتناب کیا کہ بے ہوشی کے دوران میری نمازیں قضا ہوں گی لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ کی بینائی سے محرومی نے آپ کے معمولات کو اس قدر متاثر کیا کہ بامر مجبوری آپریشن کروانے کا فیصلہ کیا لیکن اب اتنی دیر ہو چکی تھی کہ آپریشن تو ہوا مگر اس کا حاصل کچھ نہیں ہوا چنانچہ

آپ مکمل طور پر بینائی سے محروم ہو گئے۔تلاوت کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔جامع مسجد کے خطیب کو گھر بلا کر قرآن پاک سننے کا اہتمام کرتے رہے۔ یوں تو حضرت کا کمرا حویلی دیوان صاحب پشاور میں ایسے مقام پر تھا کہ اکثر گھر میں آنے جانے والوں کا گزر وہیں سے ہوتا تھا۔چاروں صاحبزادے اور صاحبزادی صاحبہ آپ سے باتیں کرنے اور ضروریات پوچھنے کے لئے آتے رہتے تھے لیکن رات کے وقت مستقل میرے بڑے بھائی سید آلِ مطہر پیرزادہ ہی آپ کی خدمت کے لئے حاضر رہتے تھے۔زندگی کے آخری ایام میں آپ کی معذوری بڑھ گئی تو آپ حویلی میں اپنے سب سے چھوٹے صاحبزادے سیّد آلِ سیّدی پیرزادہ کے حصہٗ مکان کے ایک کمرے میں منتقل ہو گئے۔صبح وشام حضرت کے چاروں صاحبزادے اور صاحبزادی دیر تک بیٹھے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہتے تھے۔ یہ محفل اس قدر پُرکشش، پُر کیف اور معلوماتی ہوتی تھی کہ ہم نوجوان بھی اکثر شریک رہتے اچانک ایک شام آپ کی طبیعت بگڑی لیکن حضرت اللہ اللہ کہہ کر اپنے مالکِ حقیقی کی طرف متوجہ تھے نبضیں ڈوبنے لگیں۔سب لوگ پریشان تھے خوش قسمتی سے سب صاحبزادے صاحبزادی اور ان کی تمام اولاد اس وقت گھر میں موجود تھی۔ جب حالت زیادہ پریشان کن ہوئی تو خاندانی معالج ڈاکٹر علی اکبر مرحوم کو بلا لیا گیا۔انہوں نے معائنہ کرنے کے بعد ایک انجیکشن بھی لگایا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے بلاوا آ جائے تو اسے کون ٹال سکتا ہے۔ حضرت نے اسی عالم میں ہمت کر کے اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادی صاحبہ کو قریب بلا کر اتفاق واتحاد کی تاکید فرمائی اور صبر کی تلقین کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ڈاکٹر علی اکبر صاحب کہا کرتے تھے کہ میں نے آخر وقت تک حضرت کی زبان پر کلمہ کا ورد سنا ہے۔

حضرت علامہ اقبال نے ایسے عالی مرتبت، اہل ہمت، روحانیت کے مرتبۂ بلند پر فائز، اہل اللہ کی رحلت کے بارے میں کیا خوب فرمایا تھا:

تخمِ گُل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بیخواب ہے
کس قدر نشو ونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی، خود فزائی کے لئے مجبور ہے
سردیٔ مرقد سے بھی افسردہ ہو تا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں!
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال پُر ملال کے موقع پر یوں تو چشتیہ سلسلہ کی درگاہوں کے سجادہ نشینان، متعلقین، مریدین اور دیگر دوست احباب نے حویلی دیوان صاحب پشاور آکر حضرت کے صاحبزدگان سے اظہار تعزیت کیا لیکن وہ افراد جن میں دور ونزدیک کے رشتہ دار، مریدین، متعلقین اور بعض درگاہوں کے سجادہ نشینان اور صاحبزادگان نے بذریعہ خط، تار اور ٹیلی فون بھی تعزیتی پیغامات بھیجے۔ انہی بے شمار خطوط میں سے چند خطوط کے پیغامات کے کچھ حصے پیش خدمت ہیں تا کہ آپ سے لوگوں کے اظہار عقیدت ومحبت کی ایک جھلک سامنے آسکے۔ دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ایک قریبی مخلص قاضی مختار صاحب نے کراچی سے ان تاثرات غم کا اظہار کیا۔

"حضرت قبلہؒ کی ہستی ایسی تھی کہ اس زمانہ میں ایسی غریب پرور شفیق نیک ہستی کا ہونا بہت مشکل ہے۔ ان کے اوصاف حمیدہ کا بیان کرنا قلم کی طاقت سے باہر ہے وہ ایک زبردست ولی کامل تھے وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے لیکن ان کی عنایات اور فضل وکرم ہم پر جاری رہے گا"۔

انجینئر احمد اللہ صدیقی صاحب مرحوم جو دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ

کے سسرالی رشتہ دار تھے سلسلہ چشتیہ سے وابستہ اور میاں علی محمد رحمتہ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں تھے، لکھتے ہیں۔

"اب ایسے لوگ عنقا ہوتے جا رہے ہیں، شاید ایسے ہی بزرگوں کی دعا کی وجہ سے ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچے ہوئے ہیں دیوان صاحب کا صرف بیٹھے رہنا بھی ہمارے لئے باعث برکت تھا۔ امید ہے اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے طفیل ہم لوگوں کی خطائیں معاف کرے گا"

جناب وصیت یاب صاحب نے لکھا۔

"وہ نہایت نیک دل، پاک طینت اور نیک خصلت انسان تھے۔ شرافت، سعادت اور شرم وحیا کے پیکر تھے۔ میرے دیرینہ کرم فرما اور واقفِ حال تھے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ مجھے آپ اور آپ کے سسرال کے گھرانے سے ذاتی طور پر عقیدت ہے۔ ادھر تو دیوان صاحب مرحوم ومغفور، ادھر آپ کے خسر کے والد ماجد سید عبدالغنی صاحب کے ساتھ گوڑگانواں میں ایک عرصہ قریب رہنے کا شرف مجھے حاصل رہا ہے۔ اللہ اللہ کیسی فرشتہ خصلت ہستیاں تھیں۔ اللہ پاک دونوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے"

پروفیسر سید آل مزمل، جو حضرت کے بھتیجے تھے اب تو ان کا بھی انتقال ہو گیا، اپنے تعزیتی پیغام میں لکھتے ہیں:

"ہمارے بزرگوں کی نسل کے اہم ترین فرد ہم سے بچھڑ گئے تاریخ کا ایک باب اختتام پذیر ہوا اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایک کریم اور

عظیم ہستی سے ہم لوگ محروم ہو گئے۔''

کراچی سے آپ کی ایک بھتیجی نے اس طرح اظہار غم کیا:

''پھوپھا جان کے انتقال پر ملال نے گہرا ذہنی دھچکا پہنچایا۔ مرحوم کی شفقت اور محبت یاد آتی ہے وہ مجموعۂ صفات اور اوصاف حمیدہ کے مالک، نرم خو اور خلوص و یگانگت کا پیکر تھے۔ زندگی بہر طور گزر جاتی ہے لیکن ایسی محبت کرنے والی ہستیاں جب داغ مفارقت دیتی ہیں اس کا خیال بھی رنجشِ خاطر کا سبب بنتا ہے''

کراچی سے آپ کے بھتیجے سید آلِ عبا معینی نے ان الفاظ میں حضرت کو خراج عقیدت و محبت پیش کر کے غم میں شرکت کی:

''حضرت دیوانجی ابا جی قبلہ کی جلیل القدر ہستی نہ صرف خاندان کے لئے بلکہ پورے ہندوستان اور پاکستان کے واسطے باعث رحمت تھی۔ ان کے انتقال کی خبر سے ہوش و حواس اڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم ترین صدمہ کو برداشت کرنے کی طاقت عطا فرمائے۔''

جناب امین الحسنات سید خلیل احمد قادری خطیب مسجد وزیر خان (لاہور) نے تحریر فرمایا:

اس نازک ترین دور میں ایسے مجاہد اور صالح عظیم ہستی کا چھوڑ جانا قوم وملت کی انتہائی بدبختی ہے۔ ان کا سایۂ عاطفت ہمارے لئے باعث رحمت تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت کے مشن کو زندہ رکھنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے''

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے گورنمنٹ کالج ٹنڈو آدم سے ان جذبات حزن وملال کا اظہار فرمایا:

''قبلہ دیوان صاحب علیہ الرحمت کے انتقال پُر ملال کی خبر ملی ۔سن کر بے حد افسوس ہوا اور قلب حزیں بحرِ غم میں ڈوب گیا۔ اللہ اللہ ایک ایک کر کے سب بزرگ اٹھتے جا رہے ہیں ۔تنہائی سی تنہائی ہے۔دل خون کے آنسو کیوں نہ روئے!

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمع دو فروزاں ہوگئیں

زندگی کا ابتدائی حصہ صبح وصال میں گزرا اب یہ آخری حصہ شام فراق میں گذر رہا ہے۔ کسے خبر تھی کہ اتنی جلد شام آ جائے گی اور مجلس اتنی جلد درہم برہم ہو جائے گی''

صاحبزادہ نور حسن مہاروی تحصیل چشتیاں ضلع بہاولنگر سے اپنے جذبات غم میں لکھتے ہیں:

''اس قحط الرجال بلکہ بقول حضرت خواجہ اللہ بخش رحمتہ اللہ علیہ عدم الرجال کے وقت آپ جیسی مبارک اور مقبول ہستی کا دنیا سے اٹھ جانا قیامتِ صغریٰ کی مانند ہے۔''

سوانح حیات کا طائرانہ جائزہ

خواجۂ دلنواز حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کی پاکیزہ حیات مبارک کی جزئیات سے عیاں ہے کہ آپ عزم واستقلال کا پیکر، حوصلہ اور ہمت کا پہاڑ، ایثار اور قربانی کا بہترین نمونہ، حُب خدا، حُب رسول کریمؐ اور حُب خواجہؒ سے سرشار تھے۔ آپ کی ان ہی صفات عالیہ نے کٹھن سے کٹھن مراحل پر بھی آپ کو مایوسی اور کم ہمتی سے بچائے رکھا۔ بلکہ دیکھا یہی گیا ہے کہ کبھی کبھی مسلسل مصائب نے آپ کو پریشان اور وقتی مایوس کرنا بھی چاہا تو آپ نے دامنِ رسالت پناہؐ اور دامن خواجہؒ میں اپنے آپ کو اس طرح چھپا لیا گویا ہر فکر اور ہر خطرہ سے مامون ہو گئے۔ جب ان مقدس پناہ گاہوں سے باہر آئے تو ایک بار پھر پُرعزم اور تازہ دم ہو کر کندھوں پر موجود عظیم بارِ منصبی اور وسیع کنبہ کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے تیار ہو گئے۔

بکھرے ہوئے واقعات اور حالات جمع کر کے آپ کی سوانح حیات کا طائرانہ جائزہ لوں تو صورت حال یوں ظاہر ہوتی ہے۔ گوڑ گاؤں موضع دھول کوٹ میں شفیق والدین کے گھر آنکھ کھولی۔ پاکیزہ بچپن اور لڑکپن تعلیم و تربیت، جوانی اور شادی تک کے مراحل اسی پُرسکون اور پیار محبت کی فضا میں گزرے۔ یہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پیارے نبی مکرم ﷺ کے صدقہ میں بڑے صاحبزادے دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں سے بھی نوازا۔ یہاں دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کچہری میں ملازمت کر رہے تھے کہ والدِ بزرگوار کا سایۂ شفقت اچانک اس طرح سر سے اٹھا کہ گھر کی ساری ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آن پڑی۔ جواں کاندھوں اور مضبوط جسم وارادہ کے مالک دیوان صاحب نے اللہ کی طرف سے آئے ہوئے اس امتحان میں اس اعتبار سے نمایاں کامیابی حاصل کی کہ نہ

تو گھر کے مالی اور معاشرتی تقاضوں کو پورا کرنے میں کوتاہی کی اور نہ ہی شفیق والدہ محترمہ سے گھر کے مسائل بیان کر کے کبھی انہیں دکھی کیا۔ بلکہ آپ کا یہ معمول رہا کُل آمدنی کے سارے ذرائع جمع کر کے والدہ ماجدہ کے ہاتھ میں دے دیتے پھر وہ اپنی مرضی اور مصلحت کے مطابق جس طرح چاہتیں گھر کے اخراجات پورے فرماتیں۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے معاملہ میں پیسے کو کبھی بھی اہمیت نہیں دی۔

ڈھول کوٹ کی زندگی میں مخلص دوست اور متعلقین و متوسلین آپ کا قیمتی اثاثہ تھے۔ آپ کو ان کی رفاقت اس قدر عزیز تھی کہ اجمیر شریف کا قیام تو اپنی جگہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی آپ نے اُن مخلصین سے تعلق برابر قائم رکھا وہ لوگ بھی اخلاص اور محبت میں پیچھے رہنے والے نہیں ہیں۔ ظاہری فاصلے بظاہر دوریاں پیدا کر دیتے ہیں۔ لیکن آپ کو خصوصی مواقع پر اِن حضرات سے مل کر دلی مسرت اور اپنائیت کا احساس ہوتا تھا۔

منصب سجادگی حضرت خواجہ بُزرگ عطا ہو جانے کے بعد دیوان صاحب قبلہ مع خاندان حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف میں آباد ہو گئے۔ آپ کو یہ منصب براہِ راست والد محترم سے منتقل نہیں ہوا تھا بلکہ قدیم قاعدہ اور رواج کے مطابق سجادہ نشین آخر کے لاولد ہونے کی صورت میں اُن کے قریب ترین ہم جد نجیب الطرفین رشتہ دار کو یہ سجادگی منتقل ہوتی رہی ہے چنانچہ حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ سابق سجادہ نشین کے لاولد فوت ہونے کے بعد اُن کے قریب ترین ہم جد رشتہ دار ہونے کے باعث اس منصب کے اہل قرار دیئے گئے تھے۔ اِن حالات میں آپ کو اپنا یہ جائز اور پیدائشی حق وصول کرنے اور اس حق کو ثابت کرنے کے لئے بہت صبر آزما اور تکلیف دہ حالات سے واسطہ پڑا۔ ناجائز اور باطل دعوی داروں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر آپ کو اس حق سے محروم رکھنا چاہا لیکن آپ کے دلائل، ثبوت، دستاویزات، فرامین، شجرے اس قدر مربوط اور حقیقی تھے کہ کوئی بھی

رکاوٹ اللہ تعالیٰ کے اِس فضل عظیم کے آپ تک پہنچنے کی راہ میں حائل نہ ہوسکی۔

منصبِ سجادگی پر متمکن ہونے کے بعد تو گویا آپ کی زندگی کا ایک واضح نصب العین سامنے آ چکا تھا۔ درگاہ خواجہ صاحب کا تقدس جو بعض گزشتہ سجادہ نشینان کی نرمی، چشم پوشی اور تساہل کے سبب خدام کے ہاتھوں مجروح ہو رہا تھا اس کا بحال کرانا اور درگاہ عالیہ سے رشد و ہدایت کا وہ سلسلہ قائم کرنا تھا جو سلسلہ چشتیہ کا عظیم مشن رہا ہے اس راہ میں خدام، جھوٹے دعوی دارانِ سجادگی اور دیگر منفعتیں پانے والے مخالفین نے آپ کو جس طرح پریشان کر کے راہِ مستقیم سے ہٹانا چاہا اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آ چکی ہے لیکن نیت صاف ہو ارادے نیک ہوں مقصد واضح اور پاکیزہ ہو تو اللہ تعالیٰ اور بزرگوں کی تائید تو حاصل ہوتی ہی ہے، ساتھ ہی وہ لوگ بھی ہمنوا اور مددگار بن جاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حق اور صداقت کا تعاون اور مددگار ہونے کی سعادت دی ہوتی ہے۔ خواجہ حسن نظامی اپنے ایک خط میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو دوٹوک انداز میں لکھتے ہیں۔

درگاہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہیؒ　　　　　　　　　　دہلی ۱۳ رجب ۱۳۴۱ھ

صوت الایمان حضرت مولٰینا عبدالباری صاحب

السلام علیکم!　کل آپ کے تشریف لے جانے کے بعد میں نے تمام واقعات دیوانی اجمیر شریف اور اقرار نامہ کے الفاظ وغیرہ پر غور کیا اور میرے دل نے یہ فیصلہ کیا۔

منصب دیوانی کی دو حالتیں ہیں ایک ارثی اور ایک انتخابی۔ وراثت کے حصہ میں اہلیت و نا اہلیت ضروری نہیں ہے تو جبکہ سید آلِ رسول اہل ہی ہیں تو ہر لحاظ سے ان کا حق فائق ہے اور کسی کو ان کے حقِ وراثت کے خلاف کچھ کہنے یا کرنے کا حق نہیں ہے۔

انتخابی صورت اجمیر شریف کی روایات قدیم کے خلاف ہے وہاں کبھی اقرار نامہ

نہیں لکھوایا گیا اور نہ یہ انتخاب کرنے کا جلسہ ہوا۔ آپ کا بنفسِ نفیس دخل دینا بلحاظ بزرگی جائز ہے مگر کل کے کاغذات میں اور جن لوگوں کے نام تھے میرے خیال میں ان میں سے ایک کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اجمیر شریف کے مسئلہ دیوانی میں دخل دے سکے۔

یہ خلافت کمیٹی یا انگوزہ کی مجلس ملی نہیں ہے جہاں ممبران ہوتے ہیں یہ ایک روحانی اور شخصی عہدہ ہے جس کو خود مختار دیکھتے اور سنتے آئے ہیں لہٰذا میں ادب کے ساتھ آپ کی مجلس سے اختلاف کرتا ہوں اور سید آلِ رسول علیخاں صاحب کو اس عہدہ کا اہل اور حقدار خیال کر کے عام تائید شائع کرنے کو بھیج رہا ہوں۔

عہدہ کا تصفیہ ہو جانے دیجیے پھر یہ میرا کام ہے کہ سید آلِ رسول علیخاں آپ کی تمام ان تجاویز پر حرف بحرف عمل کریں گے جن کا ذکر کل زبانی آیا تھا۔

امیدوار جواب

(خواجہ) حسن نظامی

جناب حسین امام مرحوم، مولانا معین الدین اجمیری، مولوی غازی محی الدین اجمیری، مرزا عبدالقادر بیگ ایڈووکیٹ اجمیر، سیٹھ عبداللطیف عبداللہ، حاجی اللہ رکھا آنریری مجسٹریٹ میونسپل کمشنر، خان صاحب سید غفار حسین ایم اے ایل ایل بی پروفیسر میو کالج اجمیر سیٹھ عبدالقادر رئیس اجمیر اور ان جیسے کئی درد دل رکھنے والے انصاف پسند حضرات نے درگاہ کے معاملات کی اصلاح اور درگاہ ایکٹ پاس کروانے میں حضرت دیوان صاحب اجمیر شریف کی بے انتہا مدد کی۔ یہ درگاہ ایکٹ ہو بہو کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ جسے پڑھ کر با آسانی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ کہ دیوان صاحب کو کسی بھی طرح ذاتی منفعت کا خیال نہیں تھا۔ خیال تھا تو صرف یہ کہ کسی طرح درگاہ عالیہ کا وقار اور عظمت بحال ہو جائے۔

ادبی ذوق (کلام کا جائزہ)

حضرت دیوان صاحب سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین اجمیر شریف کا ادبی ذوق ابتداء میں شعر فہمی کی حد تک تھا۔ اس وقت کے نامور شعراء حضرات آل انڈیا مشاعروں میں شرکت کے لئے اجمیر شریف آتے تھے تو ان کی خصوصی محفل کا اہتمام حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف میں کیا جاتا تھا۔ سیماب اکبر آبادی ایک بار حویلی تشریف لائے تو انہیں یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ ان کا نعتیہ شعر

کہیں نہ فرد عمل ہو خراب اے سیماب
اسے جناب رسالت مآبؐ دیکھیں گے

ایک خوبصورت پیتل کی تختی پر کندہ کر کے دیوار پر آویزاں کروایا گیا تھا۔ سیماب صاحب نے فرمایا میری خوش قسمتی ہے کہ میرا یہ شعر مجھ سے پہلے یہاں پہنچ گیا۔ جوش۔ اختر شیرانی، جگر مراد آبادی، شکیل بدایونی، زاغ ٹونکوی اور ماہر القادری بھی مشاعرے کی خصوصی محفل میں شرکت کے لئے حویلی تشریف لایا کرتے تھے۔ قبلہ دیوان سید آل مجتبےٰ علیخاں اور والد صاحب کی زبانی سنا ہے۔

ایک بار جوش ملیح آبادی تشریف فرما تھے کہ مبلغِ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی رحمتہ اللہ علیہ والد بزرگوار حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی صاحب بھی تشریف لے آئے۔ دوران گفتگو دونوں حضرات میں تقدیر کے مسئلہ پر بحث چھڑ گئی۔ دونوں جانب سے دلائل دیئے جاتے رہے۔ یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا بالآخر ایک موقع ایسا آیا کہ جوش صاحب یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ مولانا آپ نے مجھے ساکت تو کر دیا لیکن میری تشفی نہیں ہوئی۔ اس پر دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ساکت کرنا مولانا کا کام تھا تشفی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے''

انہی مشاعروں سے تحریک پا کر حویلی کے نوجوانوں میں بھی شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے برادر خورد سید آل نبی پیرزادہ مرحوم اور دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ اچھے شعر کہہ لیا کرتے تھے جبکہ بعض لوگوں کے نام سے دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے شعر کہے۔ اس طرح آپ کی شاعری کا آغاز ہوا۔ آپ کے قلمی مجموعہ کلام میں وہ نظمیں موجود ہیں جو آپ نے خود کہہ کر کسی دوسرے کے نام سے منسوب فرما دی تھیں۔

حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف میں مشاعروں کی خانگی محافل بھی جاری رہتی تھیں جن میں طرحی مشاعروں کا اہتمام ہوتا تھا۔ دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ از راہ شفقت ایک ہی موضوع پر کئی کئی غزلیں، نظمیں لکھ کر حویلی کے مختلف نوجوانوں کو عنایت کر دیتے تھے تاکہ ان میں بھی ادبی ذوق پیدا ہو اور ان کی ادبی صلاحیتیں ابھریں۔

عشق رسولﷺ حب اہل بیت کرامؓ اور حب غریب نوازؒ آپ کی شاعری کے خاص موضوعات تھے۔ ہجرت کے بعد روضہ خواجہ بزرگؒ کا فراق آپ کو بے قرار رکھتا تھا چنانچہ منقبت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ آپ کی شاعری کا خاص موضوع رہی ہے۔ آپ کی فکر میں گہرائی اور جذبہ میں صداقت پائی جاتی تھی اس کے علاوہ اردگرد کے حالات پر بھی گہری نظر تھی۔ چنانچہ آپ نے ملکی، سیاسی، سماجی حالات کو بھی اصلاحی انداز میں نظم کا روپ دیا ہے۔ مجموعہ کلام میں چند ایک خوبصورت غزلیں بھی آپ کے کمال کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ نعت شریف ہو یا منقبت، غزل یا رباعی زبان کی روانی اور سلاست قابل دید ہے۔ ملاحظہ ہو:

یا تو ہر انسان انساں بن کے رہتا دہر میں
یا نہ میں ہوتا کہ ہر احساس کا ماتم کروں

اِس شعر میں آپ کے جذبہ کی صداقت اور کرب دونوں کی شدت واضح ہو رہی ہے۔

روزمرہ کے مطابق ایک خوبصورت مضمون اس قدر سلاست و روانی سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر نثر میں کہا جاتا تو بھی بات کم و بیش انہی الفاظ میں ادا کی جاتی۔ اس نوع کے بے شمار اشعار آپ کے مجموعہ میں موجود ہیں۔

غزلیات سے چند اشعار بھی نذر قارئین کرتا ہوں تا کہ معلوم ہو سکے موصوف اگر ذرا توجہ دیتے تو ادبی گمنامی کے بجائے مشاہیر شعرائے غزل میں بھی نمایاں مقام پاتے۔ مشتے نمونہ از خروارے جو چند اشعار پیش کئے جا رہے ہیں وہ ندرت خیال، روانی اور غزلیت کا شاہکار نظر آتے ہیں۔

کچھ کرتا جبیں سائی کچھ خشک زباں ہوتی
کچھ آتش سوزاں بھی سینے میں نہاں ہوتی
کچھ پاؤں کے چھالے بھی رِس رِس کے بہے ہوتے
کچھ حالتِ دل میری بے تاب و تواں ہوتی
کچھ عرضِ تمنا بھی اس طرز سے میں کرتا
اشکوں کی لڑی میری آنکھوں سے رواں ہوتی
آوازِ شکستِ دل تقدیر بدل دیتی
پھر وہ بھی کرم کرتے پھر دیر کہاں ہوتی

صدائے قلقلِ مینا سنائی دیتی ہے
یہیں سے منزلِ جاناں دکھائی دیتی ہے
مرے سوال پہ ان کا جواب کیا ہوگا
یہ بیم و یاس یہ حسرت گواہی دیتی ہے

سحر سے شام سے تاروں کی چھاؤں سے پوچھو
جو اک مریضِ محبت کا حال ہوتا ہے
میں اُن کو یاد دلاؤں وہ بھولا وقت مگر
خیال آنے سے اس کے ملال ہوتا ہے

آپ جو فرمائیں گے اس کی نہ ہو گی کچھ گرفت
بات میرے منہ سے نکلے گی رقم ہو جائے گی
تم نہ بدلو گے تو کیا بدلیں گے یہ لیل و نہار
میری ہستی کیا یونہی تصویرِ غم ہو جائے گی

جگر کو چیر کے جو دل کے پار ہوتی ہے
یہ میری آہ نہیں ہے صدا ہے مستانہ

وہ میرا حال مجھ سے پوچھتے ہیں
جفائیں ہیں جفائیں ہیں جفائیں
یوں دیکھا مجھ کو جیسے کچھ نہ دیکھا
ادائیں ہیں ادائیں ہیں ادائیں
جو دل کو چیر کر پہنچیں جگر تک
نگاہیں ہیں نگاہیں ہیں نگاہیں

کلاسیکل غزل کے کل موضوعات عشق کی شدت، معشوق کی بے اعتنائی، عاشق کی بے قراری آتشِ سوزاں، پاؤں کے چھالے، صدائے قلقل مینا، آوازِ شکستِ دل، بیم و یاس غرض ایسے بے شمار روائیتی الفاظ آپ کی غزلوں میں نظر آتے ہیں لیکن اسلوبِ بیان ایسا ہے کہ شعر کی تاثیر اور نیا پن قاری کا دامنِ دل اپنی جانب کھینچتا ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ حضرت کا پسندیدہ موضوعِ سخن تو نعت شریف اور منقبت بزرگانِ دین رہا ہے لیکن آپ کی طبیعت کسی خاص موضوع کی پابند بھی نہیں تھی یہاں تک کہ خانگی تقریبات کے موقع پر بھی موقع محل کے اعتبار سے بہت پر اثر اور پر لطف نظمیں کہی ہیں۔ خاندان میں ایک بچی کی شادی پر ماں کی جانب سے جذبات رقم کرتے ہوئے ایک طویل رخصتی میں لکھتے ہیں چند بند پیش خدمت ہیں۔

کون ہو تم ، تمھیں جتاتی ہوں ۔۔۔ کچھ حقیقت تمھیں بتاتی ہوں
تاکہ اس کا سدا دھیان رہے ۔۔۔ اس لئے میں تمھیں سناتی ہوں
تم میرے دل کا چین ہو بیٹی

-

ہر قدم پر یہی رہے ملحوظ ۔۔۔ لغزشوں سے قدم رہے محفوظ
سیرت پاک سیدہ زہراؓ ۔۔۔ ہو نظر میں تو دل رہے محفوظ
تم میرے دل کا چین ہو بیٹی

بیٹیاں غم گسار ہوتی ہیں ۔۔۔ مونس و دلفگار ہوتی ہیں
ماؤں کی راز دار ہوتی ہیں ۔۔۔ باپ کی جاںنثار ہوتی ہیں
تم میرے دل کا چین ہو بیٹی

اب نصیحت تمام کرتی ہوں　　اب نیا اہتمام کرتی ہوں
رخصتی کا بھی وقت آ پہنچا　　وقت کا احترام کرتی ہوں
تم میرے دل کا چین ہو بیٹی

ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے موقع پر پاک فوج کے ہوابازوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اڑتے پھرتے ہیں ہوا میں نوجوانانِ وطن
ملک کی دھن سر میں لیے اور دل میں ملت کی لگن
ان کی نظروں میں ہے رفعت ان کی ہمت ہے بلند
نشہ حب وطن میں کیسے رہتے ہیں مگن
برق رفتاری سے ان کی بادِ صرصر ہے خفیف
تنگ ہے وسعت زمیں کی ہیچ ہیں کوہ و دمن
مایۂ عظمت بھی ہیں یہ فخر ملت ' فخر قوم
پاک بیڑے کے سپاہی کے ذرا دیکھو جتن
دشمنوں کو کرتی ہے پامال ان کی رست و خیز
موت بن کر ان کے سر پر جاتے ہیں یہ خندہ زن
تاب لا سکتا نہیں ان کے مقابل دوسرا
گویا سبقت لے گیا ان کا ہنر اور ان کا فن
فتح و نصرت ان کی چاکر اور شجاعت ہے کنیز
ہو گئے سب محوِ حیرت دیکھ کر ان کا چلن

درج بالا دونوں نظموں میں جذبہ کی سچائی، اور زبان پر عبور ہر شعر سے نمایاں ہو رہا ہے آپ کو افواج پاکستان کی صلاحیت و ہمت ہمیشہ متاثر کرتی رہی ہے۔ قدرتِ زبان کے حقیقی مظاہرہ کے لئے ایک اور نظم پیش کرنا چاہوں گا۔ شہرِ زندہ دلان لاہور شدید سیلاب میں گھرا ہوا تھا۔ دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا حساس دل اس کربناک واقعہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ آپ نے سیلاب کا جو منظر چشمِ تصور سے باندھا ہے اس کو دیکھ کر اکبر آلہ آبادی کی نظم ''پانی کی روانی'' کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ محاورات کا برموقع اور خوبصورت استعمال ہی نہیں، تشبیہات اور استعارات کا دلکش استعمال قابلِ دید ہے۔

یہاں افواج پاکستان کی جوانمردی اور سیلاب کی تباہ کاری اور مصائب کے بیان کے ساتھ اہل کشمیر کے مصائب کو یاد کرنا اور افواج پاکستان کو ان کی جانب متوجہ کرنے کے لئے گریز کا کس قدر فطری انداز پیش کرتا ہے۔ نظم ملاحظہ ہو:

چار دن سے تھی کیا پریشانی — جس کو سنتے ہی دل ہوا پانی
راوی نے کیا دکھائی طغیانی — یعنی طوفان بن گیا پانی
شہر لاہور میں ہوا غوغا — اس کی ہر سمت بھر گیا پانی
فکر لاحق ہوئی عزیزوں کی — رہتے تھے وہ جہاں بھرا پانی
خبریں آئی نہیں کئی دن تک — تار اور فون پر پڑا پانی
ایک گرداب فکر تھا درپیش — ڈوبا جاتا تھا دل بنا پانی
بارے اللہ نے کیا احساں — خیریت آئی کم ہوا پانی
نذرِ طوفاں ہوئے ہیں کتنے گھر — کتنی جانوں کو لے گیا پانی
کھیتیاں کتنی ہو گئیں برباد — اور امیدوں پہ پھر گیا پانی

کوٹھوں پر بیکسی کی تصویریں   دیکھ کر آنکھ سے بہا پانی
ہو کے سینہ سپر بڑھے غازی   دہن شیر بن گیا پانی
ڈال کے ہاتھ منہ سے لے آئے   جس کسی کو بھی لے چلا پانی
دے کے مردانگی کا پورا ثبوت   تم ہٹے جب کہ جب ہٹا پانی
اہل کشمیر اپنے بھائی ہیں   ان کو گھیرے ہے ظلم کا پانی
ہر طرف ظلم کی ہے طغیانی   اہل ایماں کے سر چڑھا پانی
ڈوگرہ اور ہندی فوجوں کو   جا کے دکھلاؤ تیغ کا پانی
ہے عروج ہلال سے ظاہر   اونچا ہے اس نشان کا پانی
صف اعداء کو لے کے ڈوبے گا   تیری ہر اوج موج کا پانی

مختلف مواقع پر لکھے ہوئے آپ کے قطعات بھی آپ کی بصیرت، مشاہدہ کی گہرائی اور تاثر میں لاجواب ہیں:

خود بخود موجود کائنات ہے   عقل میں آنے کی کوئی بات ہے
خود بخود ہے گر نظام زندگی   کاہش اعمال کیوں ہیہات ہے
تو بھی گوشہ گیر ہو کر بیٹھ جا   کیوں پریشانی تجھے دن رات ہے

معاشرہ میں پائی جانے والی بے مروتی پر جس کے سبب ہماری مشرقی اور مذہبی اقدار بدل کر رہ گئی ہیں اظہار خیال فرماتے ہیں:

طور بدلے ہیں سب زمانے کے
کام بگڑے ہیں سب ٹھکانے کے
دل میں اخلاص نام کو بھی نہیں
دانت ہاتھی کے ہیں دکھانے

اللہ تعالیٰ سے یہ راز و نیاز بھی بہت خوب ہے

جاننے والے سے ہر روز کا کہنا کیسا
مانگ لیتا ہوں دعا حکم ہے تیرا ایسا
مرے خالق مرے ہر حال کا خالق ہے تو
کیا ضرورت ہے کہوں حال ہے ایسا ویسا

ہر لمحہ پہ ہر سانس پہ ہر ایک قدم پر
اب میری نظر ٹکتی ہے بس تیرے کرم پر
تو چاہے تو اک ذرہ کو خورشید بنا دے
جب ہستی کی بنیاد رکھی تو نے عدم پر

کر تو سکتا ہوں میں فریاد زباں رکھتا ہوں
حال دل کہنے کو اک طرز بیاں رکھتا ہوں
سننے والا تو مگر جانتا ہے دل کی بات
پھر اگر بولوں تو شکوے کا گماں رکھتا ہوں

حضرت نے درج ذیل نظم قیام پاکستان سے قبل ریفرنڈم کے موقع پر کہی تھی۔ اس نظم کے ذریعہ ایک جانب قائداعظم کی فہم وفراست اور تدبر پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا گیا تو دوسری جانب غیور پٹھانوں پر مسلم اتحاد کے ناطے یہ یقین ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ بہرصورت یکجہتی کا ثبوت دے کر حصول پاکستان اور تکمیل پاکستان میں اپنا ووٹ دیں گے۔ یہ نظم اس وقت کے بہت سے اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔

ترے خلوص کی برکت سے قائداعظم
یہ تیری قوم بھی دنیا میں سرخرو ہے آج
ترے تدبر و حکمت سے منفعل ہو کر
یہ تیرا مدِمقابل بھی زرد رو ہے آج
تیری فراست و فرزانگی کو مان گئے
یہ گوشہ گوشہ میں دنیا کے گفتگو ہے آج
جسے سمجھتے تھے درماندہ اور دست نگر
وہ قوم ہند کی قوموں کے رو برو ہے آج
یہ تیرا فکر رسا تھا کہ حق کی تھی تائید
کہ ہم میں مردمجاہد کا رنگ و بو ہے آج
پلا کے جام محبت بھلا دیا من و تو
کہ تیرے ہاتھ میں وحدت کا وہ سبو ہے آج
بنا کے چھوڑا ہے ہندوستاں میں پاکستان
کہ تیرے دم سے مسلماں کی آبرو ہے آج
خدا بھلا کرے اے پیرِسن جوان ہمت
کہ تیرا ذکر زبانوں پہ کو بکو ہے آج
یہ کہہ دو ان سے جو مذہب جناح کا پوچھتے ہیں
وہ کلمہ گو ہے مسلماں ہے قبلہ رو ہے آج
نظام عالم اسلام میں ہے تازہ حیات
جو اس سے ٹوٹا یقیناً وہ زشت رو ہے آج

پٹھان پہلے مسلماں ہے پھر پٹھان ہے وہ
سواد اعظم مسلم رگ گلو ہے آج
ملو تم اس طرح دیوار سیسہ بن جاؤ
اسی میں فتح و ظفر اور آبرو ہے آج
حضور خواجۂ اجمیر کا یہ فرماں ہے
تمہارے سامنے حکم تعاونو ہے آج
انہی نے ہند میں اسلام کی بنا رکھی
انہی سے دین کی عزت ہے آبرو ہے آج
یہ گوش دل سے سنو بانیان پاکستان
کہ دس کروڑ کی یہ جائے آروز ہے آج
یہ آستانہ خواجہ بغیر پاکستان
غضب ہے گر نہ کرو فکر جاں لہو ہے آج

قارئین کرام! آخر میں حضرت دیوان سید آل رسول علیخان رحمۃ اللہ علیہ کی نعتوں، منقبتوں اور قطعات کے کچھ نمونے بطور تبرک پیش کر رہا ہوں۔ حضرت کی درویش صفتی کے باعث آپ کا کلام گمنامی میں رہا ہے۔ دعا کریں جلد وہ مرحلہ آئے کہ آپ کا کلام ترتیب دے کر منظر عام پر لایا جا سکے۔

نعت بحضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم

نہ کوئی اصلِ حقیقت سے بہرہ ور دیکھا نہ کوئی ایسا زمانے میں دیدہ ور دیکھا
بقدر وسعتِ قلب و نظر بہت دیکھا یہ بھید کھل نہ سکا اس کو جس قدر دیکھا
تھی ایک فرطِ تحیّر میں دانش و بینش حجابِ نور میں یہ کس کو جلوہ گر دیکھا
وہ جس سے حضرتِ موسیٰ گرے تھے غش کھا کر وہ کسِ نے عین تجلّی کو سر بسر دیکھا
وہ جس نے بھوک میں باندھے تھے پیٹ پر پتھر اسی کے دستِ تصرف میں خشک و تر دیکھا
نفس نفس سے ہیں سچائیاں ہوئیں بیدار نظر نظر میں یہ اکسیر کا اثر دیکھا
وہ جس نے موت کو بخشی حیات کی صورت کبھی کسی نے کہیں ایسا چارہ گر دیکھا
نہیں دلیل کوئی اور میرے ایماں کی کہ ماورائے بشر میں نے اک بشر دیکھا
فلک پہ لوح پہ کرسی پہ عرشِ اعظم پہ جمال پاک رخ سید البشر دیکھا
نہ دیکھا غیر عنایت کبھی اس عاصی کو سزا سے پہلے گناہوں سے درگذر دیکھا
سنبھالا آ کے بالآخر مجھے بہ لطف و کرم جب اپنی خاکِ کفِ پا پہ میرا سر دیکھا
نہ کوئی راہِ طلب تھی نہ کوئی سعی عمل بس ان کی چشم عنایت کو عمر بھر دیکھا
نہ تابِ دید رہی اور نہ دل کو صبر آیا کبھی حضور نے رحمت سے جب ادھر دیکھا
ہوئی تھی کفر پرستوں کی قلب ماہیت بس ایک جنبش ابرو میں یہ اثر دیکھا
مٹا دی ظلمتِ کفر و نفاق ہر دل سے نگاہ لطف سے جس کو بھی اک نظر دیکھا

یہ ان کی بندہ نوازی کی شان ہے ورنہ
زمانہ بھر میں کوئی مجھ سا بے ہنر دیکھا

نعت بحضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم

پوشیدہ رکھا گرچہ دلِ زار کا عالم
وہ جان گئے ہیں میرے آزار کا عالم

پتھرائیں نگاہیں نہ رہی تن کی کوئی سدھ
کیا شوق تھا کیا ہو گیا دیدار کا عالم

گو رنج کا عالم ہے مگر در پہ نظر ہے
اب آکے ذرا دیکھیے بیمار کا عالم

کُل بزم جہاں صرف ہو تزئیں پہ سراسر
پیدا ہو کہاں آپ کے دربار کا عالم

جس دن سے میسر ہے مجھے کیفِ غلامی
اونچا ہے فلک سے مرے دستار کا عالم

نے شمس و قمر میں نہ ستاروں میں ضیاء ہے
ہے نور محمد کے یہ انوار کا عالم

نعت شریف

کونین میں یہ کس کی ضیاء دیکھ رہا ہوں
اک جلوہ نیا صبح و مسا دیکھ رہا ہوں

گہ آنکھ میں گہ سینے میں گہ خانۂ دل میں
ہر گھر میں اُنہیں جلوہ نما دیکھ رہا ہوں

ہر چند وہ کہنے کو فقط ایک بشر ہیں
بندے میں مگر شانِ خدا دیکھ رہا ہوں

منشائے الٰہی رخِ انور سے ہے روشن
اس ہستی پہ عالم کی بقاء دیکھ رہا ہوں

کچھ رہتا ہے سر میں مرے اجمیر کا سودا
کچھ دل میں مدینے کی ضیاء دیکھ رہا ہوں

سلام بحضور شہید کربلا رضی اللہ عنہ

السلام اے منبع جود و سخا
السلام اے مہر و الطاف و عطا

السلام اے راکبِ دوشِ نبیؐ
السلام اے نازشِ ربِ العلا

السلام اے قوتِ خیبر شکن
فوجِ اعداء میں تلاطم کر دیا

السلام اے فاطمہؓ کے نازنیں
آہ اس امت نے تم سے کیا کیا

آپ نے اللہ کے فرمان کا
کر دیا کرب وبلا میں حق ادا
السلام اے عینِ تسلیم و رضا
چاہتا تھا جو خدا وہ ہی کیا
کس ادا سے پیشِ حق قرباں کیے
جملہ فرزندان و خویش و اقربا
السلام اے قافلہ سالارِ دیں
منزلِ مقصود کو پہنچا دیا
السلام اے صابروں کے پیشوا
کشتگانِ حق کے تم ہو مقتدا

منقبتِ خواجۂ بزرگ

حضور خواجہ اجمیر جا کے کہہ دینا
صبا جو تیرا گزر ہو جتا کے کہہ دینا
گزارے میں نے یہ دو جگ تمہاری چوکھٹ پر
پڑا ہوں دُور وطن سے سنا کے کہہ دینا
بہر نفس میں تمہاری رضا پہ راضی ہوں
قدم قدم پہ یہ آنسو بہا کے کہہ دینا
سر نیاز کو رکھ دینا پائے اقدس پر
سر مزار سے دامن ہٹا کے کہہ دینا
تمہی نے ہند میں اسلام کی بنا رکھی
تمہی کو شرم ہے نظریں جھکا کے کہہ دینا
میں ہوں غریب، ہو تم چارہ گر غریبوں کے
یہ میرا حال یہ صورت دکھا کے کہہ دینا
ہجوم رنج و غم و یاس عرض کر دینا
کہیں نہ حرف شکایت بنا کے کہہ دینا
میرے پیام پہ گر میرا نام بھی پوچھیں
تو میرا داغِ غلامی دکھا کے کہہ دینا
کرم پہ آپ کے ہے سب معاملہ موقوف
جو حکم ہو وہ مجھے بھی پھر آ کے کہہ دینا

منقبت شاہ سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ

آئینہ حق بارگاہ تونسوی
کن نظر بر عز و جاہ تونسوی

دامنش وابستہ دامانِ نبیؐ
حَبَّذَا ایں دستگاہِ تونسوی

شمسِ دیں شُد شمسِ معرفت
ایں بود حقِ نگاہِ تونسوی

نیست حاصل جز ازیں بہتر کمال
دستِ تو دردستِ شاہِ تونسوی

خواہی گر پُرسی رموزِ عاشقی
شو غلامِ کج کلاہِ تونسوی

گر خدا خواہی کہ یابی زود تر
جادہ پیما شو زِراہِ تونسوی

از غمِ کونین او بیباک شد
ہر کہ او گیر و پناہِ تونسوی

لطف فرما جانم بہر خدا
قطبِ عالم بادشاہ تونسوی

نعت شریف

جی میں آتا ہے خدا کی کوئی صورت ہوتی
اور میں دیکھتا وہ کون سی صورت ہوتی

صورتیں یوں تو ہیں لاکھوں ہی نظر کے آگے
بہر تشبیہ میسر کوئی صورت ہوتی

اس کی صورت نہیں ممکن کہ جو ممکن ہی نہیں
واعظا کیا کہوں وہ کون سی صورت ہوتی

جب زباں کے لئے یارائے سخن ہی نہ رہے
تو قلم کے لئے پھر کیا کوئی صورت ہوتی

اور اگر کہیے تو ہاں کہنے کی ہے بات بھی اک
ہم میں گر ذوق فہم کی کوئی صورت ہوتی

مظہر ذات خدائے دو جہاں ہے اک ذات
اس سے انکار میں بس کفر کی صورت ہوتی

گر خدا کے لئے زیبا کوئی صورت ہوتی
بخدا وہ بھی محمدؐ ہی کی صورت ہوتی

جذباتِ عقیدت

نہ جنت نہ باغ ارم ڈھونڈتا ہوں
نہ میں راحتِ جاوداں ڈھونڈتا ہوں
مگر چاہتا ہوں کہ پہچانا جاؤں
غلامی کا بس اک نشاں ڈھونڈتا ہوں
مجھے خود بخود بڑھ کے رحمت ندا دے
میں دل میں وہ جذب نہاں ڈھونڈتا ہوں
مرا کیف ایماں ہے اس جستجو میں
میں پھر سے بلالی اذاں ڈھونڈتا ہوں
ملائک کے سجدے تھے حکماً مگر میں
ارادت کی پیشانیاں ڈھونڈتا ہوں
وہ عذرِ گناہ کو بھی خوش ہو کے سن لیں
کوئی ایسا طرز بیاں ڈھونڈتا ہوں
محبت کی راہیں کھلیں راز بن کے
میں وہ جادۂ بے نشاں ڈھونڈتا ہوں
کروں آہ توصیف کس منہ سے ان کی
دہاں ڈھونڈتا ہوں زباں ڈھونڈتا ہوں
یہ عالم ہے الفت میں وارفتگی کا
گریباں کی میں دھجیاں ڈھونڈتا ہوں
مقاماتِ عالی کو کیا کوئی جانے
مکاں ڈھونڈ کر لا مکاں ڈھونڈتا ہوں

ہے اتنی بلندی نظر میں ابھی سے
سر عرش میں آشیاں ڈھونڈتا ہوں

نعتِ رسول مقبول ﷺ

وعدۂ فردائے خوش انجام لینا چاہیے
ساقیٔ کوثر کے ہاتھوں جام لینا چاہیے
سر جھکا کر دست بستہ عجز سے آداب سے
روتے روتے ان کا دامن تھام لینا چاہیے
انفعالِ جرم ہے واللہ عینِ بندگی
یوں پذیرائی سے ان کی کام لینا چاہیے
ہے یہ کیفِ بادۂ عرفان کا جام وسبو
بے تامل اور بے ہنگام لینا چاہیے
گوشۂ چشم عنایت میں جگہ مل جائے گی
اے دلِ مضطر تجھے آرام لینا چاہیے

بخشش وجود وکرم ان کا ہے جتنا بے حساب اتنا ہی سعیِ عمل سے کام لینا چاہیے
جذبۂ الفت اگر ہو جائے ہم رنگِ جنوں عقل سے دیوانگی کا کام لینا چاہیے
کون ہے آقا میں کس کا بندۂ بے دام ہوں یا معین الدین کہہ کر نام لینا چاہیے

نام حق نام محمدؐ نام خواجہ نام شیخ
ہو سکے تو صبح سے تا شام لینا چاہیے

تائیدِ حق

ہر خورد اور بزرگ پر رکھ چشم التفات
جب تک بنے تو لطف و محبت سے کام لے
ہوں مرحلے حیات کے ہمت شکن اگر !
خون جگر سے دل کی حرارت سے کام لے
جب ہر طرف سے بند ہوں راہیں صواب کی
تب اہل دل کے نور فراست سے کام لے
اللہ کے حضور میں سجدے ہوں عجز کے
حسنِ نیت کے ساتھ عبادت سے کام لے
رکھ اپنے بازوؤں پہ گمان ید الٰہی
تائید حق سے دل کی جمعیت سے کام لے
پھر دیکھ فتح آ کے قدم چومے گی ترے
اللہ کی حمایت و نصرت سے کام لے

نعت شریف

رہ کے تعینات میں پردۂ ممکنات میں
کُن کے مظاہرات میں ساری تھا کائنات میں
حد بشر کا منتہٰی اوج نظر سے ماوریٰ
ذاتِ احد کے ماسوا دائرہ صفات میں

نورِ محمدیؐ ہے کیا کون سمجھ سکے بھلا
ڈھونڈیئے اب اُسے کہاں ذات میں یا صفات میں
کس کو سوائے ذاتِ حق کنہہ کا اُن کی ہے سراغ
اولِ نقطۂ ازل راز تھا بات بات میں
آتے ہی جس کے دم بدم جوش پہ تھا وہاں کرم
رحمت حق کے زیر و بم گونج اٹھے جہات میں
مانا کہ ہیں وہ اک بشر کرتے تھے سجدے کیوں شجر
موم تھے زیرپا حجر ڈال دیا شبہات میں
وہ تو ہوئے ابو البشر تم تو ہو اول البشر
اہل فہم کا کیا قصور پڑ گئے مشکلات میں
فیض نظر کی انتہا پہنچی کجا سے تا کُجا
آنے لگیں نظر جہاں زندگیاں ممات میں
ماہیتیں بدل گئیں طینتیں کلّ پلٹ گئیں

دیکھا نہیں سُنا نہیں دنیا کی واردات میں
شیر وشکر وہ ہو گئے کینے سے سینے سے ڈھل گئے
آ گئے افضل الامم دھوم تھی کائنات میں
دل سے نکال یہ خیال پاس نہیں کوئی کمال
چھوڑ دے ان کی راہ پر لطف ہے پھر حیات میں
راز تو راز ہے سدا کہہ نہ سکے جو برملا
کہہ دیا کچھ جو ہو سکا تھوڑا سا بس نکات میں

نعت شریف

اس سے پہلے تو نہ جانا تھا سزا کو میں نے
اور کچھ سمجھا نہ تھا حرف جزا کو میں نے
مانتا کیسے میں بے دیکھے کسی ہستی کو
آپ کے کہنے سے مانا ہے خدا کو میں نے
اور تو کچھ نہیں طاعات گزاری کا شعور
ہاں مگر چھوڑا نہیں خوئے وفا کو میں نے
اب تمنا نہ رہی باد صبا کی دل میں
جب سے پہچانا مدینہ کی ہوا کو میں نے
رہ گئی اوروں کے حصہ میں فنا اور بقاء
سامنے رکھ لیا بس اس کی رضا کو میں نے

بے زباں آیا ہے بے دیدہ و گوش آیا ہے
ہوش جاتے ہی مجھے آج یہ ہوش آیا ہے
کون اب پُوچھے اسے کون کرے دلداری
آپ کے در پہ یہ اک خانہ بدوش آیا ہے
سر پہ اب اس کے ذرا دست کرم رکھ دیجیے
غیرت اشکِ ندامت میں بھی جوش آیا ہے

چُھٹکے اس در سے یہ اک دربدری آیا ہے
خانہ زادِ ازلی حلقہ بگوش آیا ہے
اشک خونابہ مئے خونِ جگر لایا ہے
جام غربت لیے اکِ بادہ فروش آیا ہے

نعت شریف

بگردابِ تحیر گشتہ ام من
کُجا بودم کجا خواہد روم من
منم من یا نیم من ہر دو ہستم
نمی دانم کدامم کیستم من
وجودی ام شہودی ام چہ ہستم
نہ اینم من نہ آنم من کیم من
عجب پیش آمدہ ایں ورطۂ غم

کہ تو نیکی کنی بد کردہ ام من
رہائی دہ مرا زیں بحث و تمحیص
توکلت علی اللہ ماندہ ام من'
ہمی دانم کہ می آید سرو دے
بایں ذوقے مال زیستم من
سوئے طیبہ روم از پائے چشم
اگر آں خضر دوراں یافتم من

نعت شریف

رگ و پے میں سمائی جا رہی ہے
عجب صورت دکھائی جا رہی ہے
بپا ہیں دل میں طوفاں حسرتوں کے
تمنا دل میں پائی جا رہی ہے
یہاں قاصر ہیں سارے فہم و ادراک
خرد گردش میں آئی جا رہی ہے
شبِ اسریٰ کے دولہا کی سواری
ورائے عرش لائی جا رہی ہے
فکان قاب قوسین او ادنیٰ
دوئی بالکل مٹائی جا رہی ہے
کوئی رمز حقیقت ہے فاوحیٰ

جو سرگوشی سی پائی جا رہی ہے
مٹا کر سر نوشت لوح تقدیر
میری قسمت بنائی جا رہی ہے
کھلا یہ طالحون لی کا مقصد
میری ڈھارس بندھائی جا رہی ہے
مداوا اپنا ہے لا تقنطو پر
گھڑی رحمت کی آئی جا رہی ہے

نعت شریف

یہ درو بست ہے تمام اُن کا
عرش تا فرش اہتمام اُن کا
سدرۃ المنتہیٰ مقام اُن کا
وحی منزل ہے ہر کلام اُن کا
قاب قوسین بلکہ او ادنیٰ
اس سے بھی آگے تھا مقام اُن کا
نامِ نامی سے جان و دل مسرور
ذکر لب پر ہے صبح و شام اُن کا
روح پرور ہے فیض عام اُن کا
نشۂ نو ہے ہر پیام اُن کا
یوں تو کونین میں ہے اُن کا ظہور

مضطرب دل میں ہے قیام ان کا
بخشش و درگزر ہے کام ان کا
یہ خطا کار ہے غلام اُن کا
تنِ رنجور کو ملی صحت
کتنا کام آیا آج نام اُن کا

رباعیات وقطعات

ہمیں یہ چاک گریبانیاں نہیں بھاتیں
ہزار بخیہ گر آئیں پئے رفو بنکر
پکارا ان کو جونہی آج دِ ل گرفتوں نے
حسینؓ آ گئے مشکل کشا کی خو بن کر

مجھ پر نظرِ لطف مسلسل ہو گی
گر دیر ہوئی آج تو بس کل ہو گی
ہے شاہِ شہیداں کی مروت سے بعید
ورنہ یہ طبعیت میری بے کل ہو گی

رخ کو جب سوئے یار کرتے ہیں
موت کو اختیار کرتے ہیں

جز رضا و قضائے رب جلیل
کب کسی پر مدار کرتے ہیں

ہے مشیت کا راز پیچیدہ
دیدہ ہے اور نہ فہمیدہ
دیکھے یوں خاک و خون میں غلطاں
یہ ہے اللہ کو پسندیدہ
قطرۂ اشک غم نہیں ہیں یہ
رحمتِ حق ہے ان میں پوشیدہ
آنکھ دیدارِ حق سے ہے مخمور
دل بہ پروردگار چسپیدہ
غازۂ عاشقی ز خون رُستہ
حالتِ ذوق روز بالیدہ
لے چلا ہوں شفاعت شبیرؓ
روزِ محشر نہ ہوں گا ترسیدہ

منقبت

جب سرشک غم ذرا آنکھوں میں بھر لایا کئے
مرحمت سے خواجۂ عثمانؒ کی پھل پایا کئے
کیوں سناتے ہم کسی کو داستان درد و غم
بیکسی میں ہم تمھیں آواز دلوایا کیے
دیدہ گریاں ہم رہے چشمِ عنایت کے لیے
میرے جذب شوق کی وہ قدر فرمایا کیے
میرے حالِ زار کی شاید انہیں ہو گی خبر
دل گرفتہ ہم وہاں جایا کئے آیا کیے
لذتِ غم نے کیا کچھ ایسا ہم کو محوِ غم
یاس کے عالم میں بھی ہم ان کو بلوایا کیے
خواجہ ہند الولی خواجہ معین الدین حسنؒ
آپ کی مدحت کے ساری عمر گن گایا کیے
سایۂ دامانِ عثمانؒ میں ملی مجھ کو اماں
لاکھ اعمالِ زبوں محشر میں گنوایا کیے

منقبت حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ

متاع قدسیاں عثمانِ ہاروں
مرادِ عاشقان عثمانِ ہاروں
نشانہا یافتند از ازہمت تو !
دلیلِ عارفاں عثمانِ ہاروں
توئی ماوئی و ملجا درد و عالم
پناہِ دو جہاں عثمانِ ہاروں
کرم فرما بحال بندۂ خویش
نہاں وہم عیاں عثمانِ ہاروں
غلامم چاکرم من خانہ زادم
ترحم جاوداں عثمانِ ہاروں
فراموشم مکن اے جان پاکاں
دعائے مُقبلاں عثمانِ ہاروں
مرابا حاسداں ایذا رساناں
بدہ امن و اماں عثمانِ ہاروں

منقبتِ خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ

مکین منزل وحدت فضا غریب نوازؒ
کہ حق نگر بھی ہیں اور حق نما غریب نوازؒ
مریضِ غم کے مسیحا ہو یا غریب نوازؒ
دوائے دردِ دل مبتلا غریب نوازؒ
چراغ انجمنِ مصطفےٰؐ ، غریب نوازؒ
سرور جان و دِل مرتضیٰؓ غریب نوازؒ
سکونِ خاطر زہراؓ ہو یا غریب نوازؒ
مراد پنجتن پاکؓ یا غریب نوازؒ
ہو زیب و زینت کل اولیاء غریب نوازؒ
خدا کی عین مشیت ہو یا غریب نوازؒ
اگر یہ دور نبوت نہ ختم ہو جاتا
تو انبیاء کی حقیقت تھے یا غریب نوازؒ
سراغِ منزلِ عرفانِ حق ملے اُس کو
جو مٹ کے عشق میں ہو خاک پا غریب نوازؒ
اے بادِ صبا آہستہ رو حد ادب محلوظ رکھ
اور پیغام فراق غم کو بھی ملحوظ رکھ
کوئے پاکِ خواجہ اجمیر میں چل سر کے بل
حرفِ مطلب پیش کر خاطر کو بھی ملحوظ رکھ

خواجۂ کل خواجگان ہند الولیؒ
وارث علم نبیؐ ، علم علیؓ
شد حبیب اللہ ، بحب اللہ فنا
برجبینش بود از خطِ جلی

بحضور خواجہ غریب نوازؒ

کیوں ہوتے جا رہے ہیں محیط بصر سے دور
منزل ہے اُن کی غایت حد بشر سے دور
طے ہو چکیں نیاز کی تھیں جتنی منزلیں
ہے جلوہ گاہِ ناز مقام سحر سے دور
کیا میری تابِ دید کہاں ان کی رفعتیں
مسکن ہے ان کا قدس میں شمس و قمر سے دور
کیوں ہوتا جا رہا ہے زمانے میں انقلاب
کیوں ہوتی جا رہی ہیں دعائیں اثر سے دور
مد نظر تھی میرے لئے چشم الطاف
کیوں ہو گیا ہوں آج کرم کی نظر سے دور
خو گیر رہ چکا ہو جو قربِ نیاز کا
کیوں کر بسر ہو آپ کے دیوارو در سے دور

آنکھوں میں اب تو نام کو آنسو نہیں رہے
اشکوں کی راہ ہوتا ہے اب خوں جگر سے دور
رکھا ہے کس قصور پہ ہم کو وطن سے دور
کب تک رہیں گے آپ کے ہم سنگ در سے دور

منقبت بحضور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی

نشانِ انبیائی ہو کہ جان اولیائی ہو
لقائے کبریائی ہو کہ خود نور الٰہی ہو
جو سر مرتضائی ہو تو راز مصطفائی ہو
بنائے دین و ایمان ہو کہ تم عالم پناہی ہو
درمکنون ہو تم چشت کے اے شان محبوبی
جہان دلربائی جس کی ادنی رونمائی ہو
مجھے بچپن سے فخر بندگی حاصل ہے اس در سے
تمیز آدمیت آپ کے ہی در سے پائی ہو
ہو مقصود خدا تم اور مطلوب خدائی ہو
ہوئے محبوب تم ایسے کہ محبوبِ الٰہی ہو

ہر آرزو کا خون اگر کر سکے تو کر
ہر اک قدم پہ چاک جگر کر سکے تو کر
پائے جنوں کو روک لے اس خارزار سے
اور عاشقوں کے غم پہ نظر کر سکے تو کر
فرزانگی نہیں ہے بہائے غرور حسن
دیوانگی میں عمر بسر کر سکے تو کر
سر ہو وبالِ دوش تو دل ہو وبال جان
ہیہات اس طرح سے گزر کر سکے تو کر
عقل و خرد تو کھوکے رہے راہ عشق میں
حسن جانِ حزیں نثار اگر کر سکے تو کر
ہے اس کو بیر عاشق ناشاد سے فقط
اس آسمان کو زیرو زبر کر سکے تو کر

انساں کو چاہیے کہ صداقت سے کام لے
اور اس کے ساتھ ہمت و جرات سے کام لے
یہ بھی بجا کہ چشم مروت سے کام لے
اور وقت آ پڑے تو شجاعت سے کام لے
دل سے نکال ڈال مخالف کے خوف کو
اور رکھ حساب صاف دیانت سے کام لے
حق کو ہمیشہ فتح ہوا کرتی ہے نصیب

پر شرط یہ ہے صبر و قناعت سے کام لے
رکھ اپنی عقل پر ہی نہ ہر شے کا انحصار
اور مخلصوں کے فہم و ذکاوت سے کام لے
ہر خورد اور بزرگ پر رکھ چشم التفات
جب تک بنے تو لطف و محبت سے کام لے
ہوں مرحلے حیات کے ہمت شکن اگر
خون جگر سے د ل کی حرارت سے کام لے
جب ہر طرف سے بند ہوں راہیں صواب کی
تب اہل دل کے نور فراست سے کام لے
اللہ کے حضور میں سجدے ہوں عجز کے
حسن نیت کے ساتھ عبادت سے کام لے
رکھ اپنے بازوؤں پر گمان یداللہی
تائید حق سے دل کی جمعیت سے کام لے
پھر دیکھ فتح آ کے قدم چومنے لگے
اللہ کی حمایت و نصرت سے کام لے

منقبت

غم حسین کا زمانہ ہے درد دل کا عجب فسانہ ہے

جوئے خوں آنکھ سے روانہ ہے مغفرت کا یہ اک بہانہ ہے

جو قدم اٹھا کربلا کی طرف رہبرانہ ہے مصلحانہ ہے

کون ہے ابنِ ساقیِ کوثر تین دن سے نہ آب و دانہ ہے

مختصر حالات حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمۃ اللہ علیہ

مناسب ہے کہ اب حضرت دیوان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے صاحبزادے سجادہ نشین اجمیر شریف حضرت دیوان سید آل مجتبےٰ علیخاں رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اولاد کا حال رقم کرلیا جائے۔

حضرت دیوان سید آل مجتبےٰ علیخاں اللہ کے فضل و کرم، نبی کریم علیہ التحیت والثناء اور اولیائے عظام، بالخصوص خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری کی برکت سے صاحبِ سجادہ آستانہ عالیہ اجمیر شریف ہوئے۔ آپ اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمۃ اللہ علیہ کے اس دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد خواجۂ بزرگ غریب نواز اجمیری کی سجادگی کے منصب پر فائز ہوئے۔

حضرت دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں قدس سرہٗ کی ولادت، تعلیم و تربیت

حضرت دیوان صاحب آستانہ عالیہ اجمیر شریف جناب سید آل مجتبےٰ علیخاں ۳ نومبر ۱۹۲۰ء کو گڑگانواں میں پیدا ہوئے۔ آپ ابھی صغیر سن ہی تھے کہ والد بزرگوار جناب دیوان صاحب رحمۃ اللہ علیہ منصب سجادگی آستانہ عالیہ اجمیر شریف پر سرفراز ہوئے چنانچہ حضرت کا پورا خاندان ایک بار پھر اجمیر شریف آ کر آباد ہوگیا۔ اس وقت سے قیام پاکستان ۱۹۴۷ء تک آپ حویلی دیوان صاحب اجمیر شریف میں رہے۔ والدہ ماجدہ کا سایہ اس وقت سر سے اٹھ گیا جب آپ صرف سات سال کے تھے۔ آپ کی اعلیٰ پرورش میں اہم کردار آپ کے شفیق والد اور دادی صاحبہ کا ہے۔ دونوں بزرگوں نے نہ صرف آپ کی مذہبی اور دنیاوی تعلیم کی طرف توجہ دی بلکہ اپنے کردار و عمل اور اسلاف کے اخلاق کریمانہ کے ایسے ایسے پہلو آپ کے سامنے پیش کئے کہ تازیست آپ الحمدللہ ہر اعتبار سے اپنے

بزرگوں کے نقش قدم پر ثابت قدم رہے۔

آپ کی دینی اور دنیاوی تعلیم میں مولانا عبدالمجید جیسے عظیم انسانوں کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ مولانا اس قدر محترم شخصیت تھے کہ دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ بھی آپ کے شاگرد رہے تھے۔

مولانا صاحب موصوف جناب دیوان صاحب سید آلِ مجتبیٰ علیخاںؒ کو باتوں باتوں میں یہ احساس دلایا کرتے تھے کہ آپ خوش قسمت ہیں' آپ کے لئے ایک مجسم شفیق استاد ہر وقت آپ کے والد مہربان کی صورت میں موجود ہے۔ ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے نقش قدم پر چلیں۔ ان کی طرح نشست و برخواست اور ان ہی کی طرح پُر اعتماد گفتگو کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ان کی صحبت آپ کو حاصل ہے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ ایک کامیاب انسان اور ایک کامیاب جانشین حضرت خواجہ بزرگؒ ثابت ہوں گے۔

الحمدللہ ہونہار شاگرد نے استادِ مہربان کی نصیحت پر حرفاً حرفاً عمل کیا۔ آج حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھنے کی سعادت رکھنے والے تمام اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نہ صرف شکل وصورت' ظاہری انداز' نشست و برخواست بلکہ گفتگو اور علمیت' شفقت اور مروت میں اپنے والد محترم سے بہت قریب تھے۔ میں نے اپنے والدِ بزرگوار اور ان کے دیگر بھائیوں اور رشتہ داروں سے بارہا سنا ہے کہ وہ برملا اس امر کا بیان کرتے تھے' ہم نے بھائی جان (دیوان سید آلِ مجتبیٰ علی خاں رحمتہ اللہ علیہ) کو ان کے بچپن اور جوانی میں ہمیشہ اپنے ہم عمروں سے ممتاز' متین اور بُردبار دیکھا ہے۔

آپ کو ابتدائی تعلیم دینے والوں میں مولانا سید غلام جیلانی صدر المدرسین مدرسہ اسلامی عربی اندرکوٹ میرٹھ بھی شامل تھے۔ ایف اے کے ساتھ آنرز ان پرشین کیا

تھا نیز درس نظامی کی تکمیل بھی کر رکھی تھی۔۱۹۴۲ء میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد ایک مجمع عام میں اکابر ممتحنین صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ صدر الا فاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی' مولانا مفتی امتیاز احمد صاحب اور مفتی و مدرس دار العلوم عثمانیہ درگاہ معلیٰ اجمیر شریف شامل تھے۔آپ نے اس موقع پر جس موثر انداز میں جامع جوابات دیئے اس کی داد و تحسین حاضرین و اکابرین کی جانب سے دیر تک ملتی رہی۔

حضرت کی دستار بندی

آپ کی دستار بندی کی باقاعدہ تقریب دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے چہلم شریف کے موقع پر ۲۶ جولائی ۱۹۷۳ء کو پشاور میں' آپ کی رہائش گاہ حویلی دیوان صاحب کریم پورہ میں' انجام پائی۔

اس محفل میں سلسلہ چشتیہ کے ہزاروں معتقدین اور حضرت کے مریدین کے علاوہ جن مشائخ اور علمائے کرام نے شرکت کی ان میں حضرت دیوان قطب الدین صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ پاکپتن شریف کے صاحبزادے سید مسعود صاحب' حضرت خواجہ خان محمد صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ سلیمانیہ تونسہ شریف' حضرت خواجہ میاں علی محمد صاحب سجادہ نشین بسی شریف کے نواسے مسعود احمد صاحب' حضرت مولانا خواجہ محمد قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف' جناب خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب سجادہ نشین گڑھی شریف' میرہ شریف کے سجادہ نشین کے ولی عہد صاحبزادہ منظور احمد صاحب' جناب نور محمد بسالوی' حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خلفیہ بہرام خان صاحب کے صاحبزادے ظفر احمد خان صاحب' برادر خلیفہ دیوان صاحب جناب پروفیسر ڈاکٹر سعد اللہ کلیم صاحب' جناب حافظ محمد قاسم صاحب سجادہ نشین حامد آباد' پیرزادہ اصغر شاہ اور فیصل

آباد کی مذہبی روحانی شخصیت سید سرور شاہ صاحب وغیرہ شامل تھے۔

محفل کا آغاز چار بجے شام تلاوت کلام پاک سے ہوا' بڑی تعداد میں اکابر حفاظ نے حصہ لیا۔ قرآن خوانی کا سلسلہ شام پانچ بجے تک جاری رہا۔ اس کے بعد ریڈیوٹی وی کے معروف قاری جناب فدا محمد صاحب کی تلاوت کے بعد حلقہ ذکر ہوا۔ ذکر کے بعد مولانا محمد قاسم مہتمم دارالعلوم خاران صوبہ بلوچستان نے حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام پڑھا۔

بنوں سے پشتو زبان کے شاعر مولانا سید خان صاحب نے دیوان صاحب کا مرثیہ پڑھا اور دیوان صاحب کی منقبت پیش کرنے کی سعادت پروفیسر سعد اللہ کلیم نے حاصل کی۔

تحریک پاکستان کے معروف کارکن جناب مولانا اسماعیل ذبیح نے اپنی تقریر میں حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو ان کی مذہبی' روحانی' سماجی اور سیاسی خدمات پر زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں حضرت کی ان خدمات کا خصوصی ذکر کیا جن کی وجہ سے درگاہ اجمیر شریف کا تقدس بحال ہوا اور قیام پاکستان میں اس کے بعد آپ کی مذہبی' سیاسی خدمات کا بھی خصوصیت سے ذکر کیا۔ آخر میں انہوں نے بڑے خوبصورت انداز میں دستار بندی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آج اس ہستی کے جانشین کی دستار بندی ہو رہی ہے جس کے گرد درگاہ عالیہ اجمیر شریف کا نظام گھومتا ہے۔

بعد نماز مغرب حضرت دیوان سید آل مجتبٰے علیخاں کی تقریب دستار بندی ہوئی سب سے پہلے حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادوں' سیّد آل حامد پیرزادہ' سید آل طٰہٰ پیرزادہ سید آل سیدی پیرزادہ' ان کے بعد حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ کے بھتیجے' پیرزادہ سید آل نبی مرحوم کے صاحبزادے اور دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے داماد پروفیسر سید آل محبوب پیرزادہ نے۔ پھر دیوان صاحب کے رشتہ کے بھائی صاحبان جناب سیّد عبدالمغنی صاحب مرحوم اور سیّد عبدالحی جعفری صاحب مرحوم نے اور ان کے بعد دیگر

رشتہ داروں نے دستار بندی کی۔

اہل خاندان کے بعد حضرت قطب الدین سجادہ نشین آستانہ عالیہ پاکپتن شریف کے صاحبزادے سید مسعود احمد اور پھر حضرت خواجہ خان محمد سجادہ نشین آستانہ عالیہ سلیمانیہ' تونسہ شریف حضرت خواجہ محمد قمرالدین سجادہ نشین سیال شریف جناب محمد اعظم شاہ صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ گڑھی شریف' حضرت میاں علی محمد صاحب سجادہ نشین کے نمائندہ صاحبزادہ مسعود احمد صاحب نے اور دیگر مشائخ وعلماء کرام نے دستار بندی کی۔

صاحب سجادہ آستانہ عالیہ اجمیر شریف دیوان سید آل مجتبےٰ علیخاں کی دستار بندی کے بعد ان کے ولی عہد جناب سید آل حبیب پیرزادہ کی دستار بندی ہوئی تمام مشائخ عظام اور رشتہ داروں نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا کہ ہم حضرت کی دستار بندی میں شریک ہو کر یہ اعتراف کرنا چاہتے ہیں کہ ہم حضرت دیوان سید آل مجتبےٰ علیخاں کو سابق سجادہ نشین سے رشتہ میں قریب ترین' نجیب الطرفین اولاد خواجہ بزرگ ہونے کردار و اخلاق میں اعلیٰ ہونے کے سبب عہدہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف پر فائز سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہیں گے کیونکہ نقل مکانی سے سجادہ نشینی کا منصب متاثر نہیں ہوتا۔

دستار بندی کی تقریب کے بعد جناب سجادہ نشین سیال شریف حضرت خواجہ محمد قمرالدین نے خطاب فرمایا جس میں انہوں نے ابتدا میں سیرت نبی کریم ﷺ پر روح پرور روشنی ڈالی آخر میں حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مذہبی' روحانی' سیاسی' سماجی خدمات اور آپ کے سلسلہ چشتیہ میں ممتاز مقام پر اظہار خیال کرتے ہوئے آپ کا فیضان جاری رہنے کی دعا کی۔

آخر میں حضرت دیوان سید آل مجتبےٰ علیخاں سجادہ نشین اجمیر شریف نے خطاب کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آج کی یہ تقریب والد بزرگوار شیخ المشائخ حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف کے چہلم شریف اور فاتحہ خوانی

اور میری دستار بندی سے وابستہ ہے۔ یوں یہ ایک یادگار تقریب ہے جس میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کی عظیم درگاہوں کے سجادہ نشین حضرات ان کے نمائندے' معتقدین متوسلین دور دراز سے جمع ہوئے ہیں۔ میں آپ کے سامنے خواجہ خواجگان سلطان الہند اجمیری کے عظیم مذہبی' روحانی اور اخلاقی مشن کو جاری رکھنے کا عزم کرتا ہوں اور آپ صاحبان سے اس ضمن میں تعاون اور خصوصی دعا کا خواستگار ہوں۔

انہوں نے اپنے خطاب میں مزید فرمایا کہ سیاسی اور جغرافیائی حالات بدلتے رہتے ہیں لیکن روحانی قدروں کی ضیاء پاشی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی تمکین کیلئے عظیم صوفیائے کرام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی ضرورت اور اس کے فوائد ہر دور میں محسوس کیے جاتے ہیں۔ بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراط مستقیم پر چلانا بطور جانشین سلسلہ رُوحانی کے ہم سب کا مشترکہ فرض ہے۔

آج جو اعزاز مجھے ملا ہے یقین کیجیے میں اسے اپنے لئے دنیاوی یا نمائشی اعزاز تصور نہیں کرتا۔ میں سمجھتا ہوں میری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ مادیت اور الحاد کے بڑھتے ہوئے اس دور میں اسلامی اور اخلاقی قدریں کمزور پڑ رہی ہیں۔ عدم اعتماد' روحانی کرب واذیت میں مبتلا انسانوں کو دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اخلاقی وروحانی سلسلہ صوفیاء سے وابستہ کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہم بخوبی جانتے ہیں یہ کام زبانی تبلیغ سے ممکن نہیں ہے اس کے لئے ہمیں اپنے اسلاف کرام کی طرح اپنے عمل اور کردار سے روشنی کے مینار قائم کرنے ہوں گے۔ پاکستان میں اس وقت زبردست اخلاقی بحران ہے اصلاح نفس' اصلاح کردار' عقائد کی اصلاح اور معاشرے کو مکمل اسلامی اور مصطفوی بنانا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

آخر میں سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف نے اپنے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ میں دست بدعا ہوں کہ پروردگار عالم بطفیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم و بطفیل خلفاء راشدین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بطفیل ذات خواجہ بزرگ اجمیری ؒ ہم سب مسلمانوں کو مکمل ہدایت

سے نوازے' دنیا اور آخرت میں سرخرو رکھے' پاکستان کو مسلمانوں کا ایسا عظیم الشان قلعہ بنا دے جہاں روحانی' مادی' اخلاقی ہر قسم کی طاقتیں فراواں ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حافظ و ناصر ہو۔ آمین!

حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں کے معمولات

مذہبی سیاسی خدمات

آپ کے والد بزرگوار نہایت فقیرانہ طبیعت کے مالک گوشہ نشین انسان تھے۔ صرف اس صورت میں متحرک ہوتے تھے جب آپ محسوس کرتے تھے کہ امت مسلمہ کی اجتماعی فلاح اور اصلاح کے لئے ان کی خدمات ضروری ہو گئی ہوں بصورت دیگر آپ یاد الٰہی میں مصروف رہا کرتے اور اپنی ناگزیر مذہبی خدمات تک محدود رہنا پسند فرماتے تھے لیکن سجادہ نشین جناب دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاںؒ یہ محسوس کرتے کہ اپنے مریدین و معتقدین کی رہنمائی اور تسکین کے لئے ان سے مسلسل رابطہ رکھنا وقت کی اہم ضرورت ہے چنانچہ آپ اپنی ضعیف العمری اور علالت کے باوجود پورے پاکستان میں جہاں کہیں سے بھی آپ کو اشاعت دین اور مسلک اولیائے عظام کی ترویج کیلئے دعوت آتی' اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے تشریف لے جاتے۔ اشتہارات میں لمبے چوڑے القابات و خطابات لکھوانا ان کے لئے ناپسندیدہ تھا۔

پاکستان اور بیرون ملک دورے کر کے آپ نے اپنے اسلاف کے مشن کو جاری رکھا۔ آپ کے ان دوروں میں نمود و نمائش کا کوئی پہلو نہیں ہوتا تھا۔ ان دوروں میں بالعموم آپ کے ساتھ آپ کے ولی عہد و جانشین پیرزادہ سید آل حبیب یا دوسرے صاحبزادے سید آل حسیب پیرزادہ اور ایک دو مریدین و معتقدین سے زیادہ کوئی نہیں ہوتا تھا۔ خادموں میں آپ کے خادمِ خاص خادم حسین جن کا تعلق ملتان کی تحصیل شجاع آباد کے گاؤں نون والا سے ہے

جو گزشتہ ۲۶ سال سے حضرت سے اس طرح منسلک ہیں کہ اپنا اوڑھنا بچھونا سب کچھ ملتان سے تج کر گلشنِ سلطان الہند میں حضرت کی مشفقانہ سرپرستی میں گزار رہے ہیں۔ بلکہ حضرت کے وصال کے بعد ان کے موجودہ جانشین دیوان سید آلِ حبیب علی خاں دام اقبالہٗ کے سفر و حضر میں بھی ساتھ ہوتے ہیں۔ حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ جس جگہ جاتے رہائش کا انتظام سادہ اور بے تکلف رکھنا پسند فرماتے۔ زیادہ وقت بلا تفریق مرتبہ اور مقام کے تمام مخلصین، مریدین اور معتقدین سے ملاقاتوں اور پند و نصائح میں گزارتے۔

آپ کے خلفاء پورے ملک کے گوشے گوشے میں موجود ہیں اور بڑے اطمینان اور خاموشی کے ساتھ مسلکِ صوفیاءِ چشت کے مطابق اشاعت دین کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اپنے تمام خلفاء کو آپ کی یہ انتہائی تاکید رہی کہ یہ بزرگوں اور اولیاء اللہ کا مشن ہے لہٰذا اُن کے قول و عمل سے نمائش کی بو آنی چاہئے نہ ہی کسی شخص کا دل دکھنا چاہئے۔

آپ فرمایا کرتے: اولیائے کرام نے ایک مرکز پر بیٹھ کر اپنے کردار و عمل، اپنے اخلاص اور ریاضت سے مخلوق خدا کو اپنی طرف بالفاظ دیگر دین مبین کی جانب راغب کیا تھا چنانچہ ہمیں بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ ذات کی فکر کرنی چاہئے۔ شریعت مطاہرہ کی پیروی، طریقت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں سرگرم رہنے کی جتنی کوشش کی جائے گی ہمارا مشن بھی کامیاب ہوگا اور ہمارا پروردگار بھی ہم سے راضی رہے گا۔

آپ اپنے ولی عہد سید آل حبیب پیرزادہ دیگر صاحبزادوں اور رشتہ داروں کو بھی یہی تاکید کرتے کہ اپنے کردار و عمل سے اپنے اجداد کے اَخلاف ہونے کا ثبوت دو۔ تم دیکھو گے کہ تمہیں دنیا کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ دنیا تمہاری نظروں میں ہیچ معلوم

ہوگی جو جس شے کی سعی کرتا ہے جس شے کی طلب کرتا ہے اور جس سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف بڑھنے کی مہلت اور صلاحیت دے دیتا ہے چنانچہ بزرگان دین کے تمام اخلاف کو بالخصوص اپنے بزرگوں کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ اس طرح ان کی برکتیں بھی انہیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ یہ اگر اخلاص سے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے ان کی دین و دنیا میں سرخروئی کے اسباب فراہم کر دیتا ہے لیکن شرط اخلاص اور سعی ہے۔

جو چلا راہِ پیغمبرؐ سے جدا
وہ کبھی منزل کو پا سکتا نہیں

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ خود بھی اپنے مشن اور پیمان کے ساتھ ہمیشہ مخلص رہے۔ دور ونزدیک سے حضرت خواجہ بزرگؒ کے عقیدتمند وقت بے وقت ملاقات کے لئے آجاتے تھے۔ آپ جب تک کوئی انتہائی عذر نہ ہوان سے ملنے میں گریز نہ فرماتے۔ اپنے آرام کے مقابلے میں ان کے جذبوں کو مقدم رکھتے ہوئے باہر تشریف لے آتے۔

ملاقاتیوں میں بعض لوگ اپنے دکھڑے اس طرح اور اتنی دیر تک سناتے رہتے کہ شاید عام انسان کے لئے یہ سب کچھ برداشت کرنا ناممکن ہو لیکن حضرت اپنے والد بزرگوار کی غریبوں اور مساکین کے ساتھ شفقت دیکھے ہوئے تھے لہٰذا خندہ پیشانی سے ان کی کہانی سنتے رہتے۔ پھر ان کے درد میں جس طرح ممکن ہوتا اور ضرورت ہوتی شریک ہوتے۔ آپ فرمایا کرتے: میں کسی پر احسان نہیں کرتا جو منصب اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے۔ اس کا بنیادی تقاضا ہی یہ ہے کہ خلق خدا کی روحانی' جسمانی' دنیاوی اور دینی جس طرح ممکن ہو آسودگی کا سبب بنا جائے۔ آپ چاہے دم کرتے یا تعویذ دیتے کبھی یہ ظاہر نہ ہونے دیتے کہ اس عمل سے طالب کو فائدہ پہنچے گا۔ دم کر کے یا تعویذ دے کر جس حقیقی اور

فطری انداز میں آپ اس شخص سے یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بطفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضل کرے گا۔ یہ کیفیت الفاظ میں بیان کرنی مشکل ہے آپ کے اس قول میں اپنی ذات کی جس طرح نفی معلوم ہوتی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس موقع پر اللہ فضل کرے گا' اللہ فضل کرے گا کی تکرار ایک جانب حاجت مند کو حقیقی دلاسا دیتی تو دوسری جانب اس محفل میں موجود حاضرین کی روح تک تسکین کا احساس پاتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بصارت و بصیرت سے سرفراز فرمایا تھا۔ ملکی حالات و واقعات کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ بھرپور سیاسی بصیرت کے مالک تھے لیکن اپنے بزرگوں کی طرح عملی سیاست سے دور رہتے تھے۔

علماء ومشائخ کانفرنس ۱۹۸۵ء میں شرکت

سابق جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان نے ۱۹۸۵ء میں علماء ومشائخ کی کانفرنس اسلام آباد میں طلب کی۔ اسلامی نظام حکومت واحد ایجنڈا تھا۔ جذبِ صادق کے ساتھ آپ نے بھی دیگر علماء ومشائخ کی طرح اس میں شرکت فرمائی لیکن وہاں پہنچ کر جب یہ محسوس کیا کہ تمام کارروائی نشستند و گفتند و برخواستند کے لئے یا اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے کی جارہی ہے تو آپ نے کانفرنس میں موجود ہوتے ہوئے بھی صدر ضیاء الحق سے ملنا پسند نہ فرمایا۔ آپ کا فرمانا تھا کہ جس شخص کو امیر المومنین بنانے کی تیاری کی جارہی تھی میرے نزدیک وہ اس کا قطعی اہل نہیں تھا چنانچہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے لئے میں نے اس سے مصافحہ کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ اس کے بعد دوبارہ ایک کانفرنس اسی نوع کی بلائی گئی لیکن آپ نے نہ اس میں شرکت مناسب سمجھی نہ ہی اس دعوت نامہ کا جواب دینا ضروری جانا۔

حجاز کانفرنس لندن میں شرکت

مئی ۱۹۸۵ء میں ورلڈ اسلامک مشن کے تحت حجاز کانفرنس کا انعقاد لندن میں کیا گیا تھا یہ ایک ایسا مسئلہ تھا کہ مسلک کے اعتبار سے انتہائی اہم تھا چنانچہ سعودی حکومت میں اپنے مقامات مقدسہ کے تحفظ کی خواہش اور پروگرام لے کر آپ اس کانفرنس میں شریک ہوئے اور اپنی جانب سے تجاویز بھی پیش فرمائیں۔

۵ مئی ۱۹۸۵ء کو ویمبلے کانفرنس سینٹر لندن میں ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ کے زیر اہتمام منعقدہ عظیم الشان بین الاقوامی حجاز کانفرنس میں عالمِ اسلام کے لگ بھگ پانچ ہزار علماء کرام اور مشائخ عظام نے شرکت فرمائی۔ کانفرنس کا مقصد موجودہ سعودی حکومت کو باور کرانا تھا کہ وہ قرآن وسنت کے خلاف حجازِ مقدس میں مساجد' مزارات اور دیگر مقدس مقامات منہدم کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں کے سنی علماء اور عوام پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کا سلسلہ بند کرے۔

مسلمانانِ اسلام کے اِس مشترکہ جائز مطالبہ کے لئے منعقدہ کانفرنس میں دیوان صاحب سید آلِ مجتبیٰ علیخاں آپ کے چھوٹے بھائی پیرزادہ سید آلِ سیدی اور حضرت دیوان صاحب کے ولیعہد پیرزادہ سید آلِ حبیب بھی کانفرنس کے منتظمین کی خصوصی دعوت پر لندن تشریف لے گئے تھے۔

حضرت دیوان صاحب قبلہ نے کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت فرمائی نیز لندن پہنچنے پر اپنے بیان میں مطالبہ کیا کہ حجاز کانفرنس کو مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لئے عالمگیر تحریک کی بنیاد بنا دیا جائے۔ آپ نے فرمایا سعودی حکومت سے ہماری کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ سعودی حکومت اپنی حدودِ مملکت میں ہمارے

جذبۂ ایمانی کو مجروح نہ کرے نہ ہی جبراً ہم پر اپنے مسلک کے قاضیوں کا مذہب مسلط کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی محبت اور آپ کی تعظیم سوادِ اعظم کا عقیدہ اگر ہمارے دلوں سے نکال دیا گیا تو پھر ہمیں زوال سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

حجاز کانفرنس میں حضرت دیوان صاحبؒ کا پیغام

ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ نے وقت کی اہم ترین ضرورت پوری کرنے کے لئے جو مثبت کردار ادا کیا ہے اور جس اہتمام سے دینی ذمہ داری کے تحت حجاز کانفرنس کا انعقاد کیا ہے فقیر ورلڈ اسلامک مشن کے معزز عہدہ داران' انتھک پر خلوص اراکین اور معاونین کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔

حضرات! اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں' برصغیر کے لاکھوں مسلمانوں کو ان سے گہری محبت ہے۔ ان کی بے شمار تصانیف صاحبانِ علم کے لئے مشعل راہ ہیں۔ اس مرد خدا اور عبدِ مصطفیٰؐ نے ہندوستان میں ایمان کی سینکڑوں شمعیں روشن کیں اور عشق محمد عربی ﷺ سے قلب و نگاہ کو منور کیا۔ اس مرد مومن کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے گستاخانِ رسولؐ کے انبوہ و ہجوم میں عزت واحترام رسول کی پاک تحریک کو جرأت و پامردی سے زندہ کیا جس کے لئے شیدایان رسولؐ ہمیشہ دادِ تحسین وآفرین پیش کرتے رہیں گے۔

حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ کا تجرِ علمی تمام علوم دینی میں بے بدل تھا اور وہ کمال فقاہت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کا سینہ عشق رسولؐ سے فروزاں تھا۔ عزت واحترام اور حفاظت ناموس مصطفیٰؐ ان کا مطمحِ زندگی تھا۔ بقول علامہ اقبال ان کے فتاویٰ ان کی ذہانت' فقاہت' جودتِ طبع' کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں۔ فاضل بریلوی نے

پہلی مرتبہ اپنے والد ماجد کے ساتھ ۱۸۷۸ء میں حج اور زیارات حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی یہاں جو بات بیان کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ سعید کی سعادت اہل بصیرت کو نظر آ جاتی ہے چنانچہ اسی سفر میں حرم شریف میں نماز مغرب کے بعد امام شافعیہ حسین ابن صالح علیہ الرحمہ نے بغیر کسی سابقہ تعارف کے فاضل بریلوی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے دولت خانہ پر لے گئے اور دیر تک بڑے غور سے حضرت بریلویؒ کی نورانی پیشانی دیکھتے رہے اور پھر فرمایا **انی لا جُد نور الله من هذا لجبين** بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور دیکھ رہا ہوں۔

حجاز مقدس کے علماء کرام نے فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی بے حد قدر و منزلت فرمائی بہت سے ایمان افروز واقعات کتابوں میں ہیں وہاں رجوع کیا جا سکتا ہے۔ فقیر سرِ دست حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی صرف دو شاہکار تالیفات وتصانیف کا ذکر کرنا چاہتا ہے۔ اول فتاویٰ رضویہ جس کا مکمل نام العطایا النبویہ فی فتاویٰ الرضویہ ہے جس کی بارہ مجلدات ہیں اور ہر مجلد ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اور دوسرے قرآن پاک کا ترجمہ ہے۔ اعلیٰ حضرت نے انتہائی خلوص ومحبت کے ساتھ عظمت مقام مصطفےٰ ﷺ کو ملحوظ رکھتے ہوئے تقاضائے شریعت کے مطابق ترجمہ فرمایا ہے جو مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ یہ ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے ۱۳۳۰ھ میں طبع ہوا صدر الا فاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادیؒ نے اس پر خزائن العرفان کے نام سے تفسیری حواشی تحریر فرمائے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ترجمہ کرتے وقت عزت و احترام مصطفےٰ ﷺ کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے اس کی لغت اور مزاج کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ دیگر اردو تراجم سے اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کا محققانہ تقابلی جائزہ ملاحظہ فرمائیے۔

سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۴۳: **وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ**

مولانا محمود الحسن ۔ اور انہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں

مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ ہے اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس شریف) وہ تو محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول ﷺ کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹا جاتا ہے

ان تراجم سے یہ تاثر ملتا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ معلوم نہ تھا چنانچہ اس نے معلوم کرنے کے لئے یہ طریقہ اپنایا۔

اب آپ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے کہ آپ نے کس طرح اعلیٰ درجہ کی ترجمانی کا حق ادا کیا ہے فرماتے ہیں:

''اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے''۔

آیت نمبر ۵ رکوع نمبر ۱۳ پارہ نمبر ۳ (سورہ آلِ عمران: ۵۴)

مشہور آیت: ''**وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ**''

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ''اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے''

اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مکر کا لفظ ترجمہ کرتے وقت اردو کے مزاج کو دیکھتے ہوئے تصور کیجئے کس قدر ادب کا حامل ہے آپ اب اعلیٰ حضرت کا ایمان افروز ترجمہ دیکھیں۔

''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کی ہلاکت کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے''

آیت نمبر ۲۴ رکوع ۳ پارہ نمبر ۱۲ (سورہ یوسف: ۲۴)

''وَهَمَّ بِهَا لَوۡلَآ اَنۡ رَّاٰبُرۡهَانَ رَبِّه ''

مولانا اشرف علی تھانوی ''اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ خیال ہو چلا تھا''

مولانا محمود الحسن کا ترجمہ ہے'' اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا''

یہ دونوں تراجم امتِ مسلمہ کے اجتماعی عقیدہ عصمت انبیاء کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور غیر مسلموں کو دعوت اعتراض فراہم کرتے ہیں کیونکہ یہاں ھم بھا کے بعد آنے والے ''لو'' کے صرف کو منقطع کر دیا ہے اعلیٰ حضرت نے اس کو متصل کر کے ایک طرف لغت سے مطابقت کی دوسری جانب اجتماعی عقیدہ عصمت انبیاء کی تائید بھی کی ہے اس طرح ترجمہ لفظی بھی ہو گیا۔ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:۔

''اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا''

قرآن پاک کا ترجمہ اور عبارت کا مفہوم اخذ کرتے وقت عزت و عظمتِ مصطفےٰ کو ملحوظ رکھنا خود اللہ تعالیٰ بھی چاہتا ہے۔ چنانچہ جب کفار مکہ نے لفظ ''راعنا'' (سورہ البقرہ: ۱۰۴) کے گستاخانہ معنی لیے اگرچہ اس لفظ کے معنی یعنی ''ہم سے رعایت فرمائیں'' لیکن جب کفار نے اس لفظ کو غلط رنگ دینا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ایسے الفاظ کا استعمال ہی ترک

کرنے کا حکم دے دیا جس کے ذو معنی ہونے کے سبب توہین کا پہلو بھی نکلتا تھا۔(فرمایا: ''انظرنا'' کہا کرو یعنی حضور ہماری طرف متوجہ ہوں)

ملت مسلمہ کی وحدت واتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی سازشیں اس دور میں کامیابی سے جاری ہیں جو عالم اسلام کے لئے ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ اسلام جس عالم گیر اتحاد و اتفاق کا داعی ہے اس کو عظیم قربانیوں کے بعد ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ رنگ و نسل کی قربانی 'تہذیب وتمدن کی قربانی' جاں و مال و متاع کی قربانی' جذبات وخواہشات کی قربانی۔

دامن مصطفےٰ ﷺ کو تھام کر قدم بڑھانے والوں کو کامیابی و کامرانی نصیب ہوتی ہے۔ مسلمانان عالم سے عزت واحترام کی متمنی حکومتوں کو اور بالخصوص مملکت سعودیہ عربیہ کے سربراہ جنہیں نگاہبان و پاسبانِ حرم ہونے کا ایک خصوصی مقامِ عزت واحترام حاصل ہے ان کو مسلمانان عالم کے گہرے مذہبی احساسات ونازک جذبات کی جانب توجہ فرمانی چاہیے اور مسلمانانِ عالم کو مخصوص عقائد اپنانے پر مجبور کرنے کے بجائے ان کے عقائد کے مطابق ان کو حرمین شریفین میں حاضری کی بلا روک وٹوک اجازت دیں۔ کیونکہ یہ مقاماتِ مقدسہ بلا امتیاز تمام مسلمانوں کے لئے وجہ افتخار اور ذریعہ تسکین قلبی ہیں۔

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ سعودی حکومت یہ قربانیاں دیتے ہوئے ان مقاماتِ مقدسہ کو ہر مسلمان کے اپنے عقیدہ کے مطابق اظہار عقیدت پر بندشیں ختم کرے یا پھر تمام عالمِ اسلام کے شیدایان مصطفےٰ یہ قربانیاں دیتے ہوئے سعودی حکومت پر زور دیں کہ عالمِ اسلام کے مسلمانوں کو ان مقامات پر اپنے عقیدہ کے مطابق اظہارِ عقیدت کے حقوق کو تسلیم کرے۔ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ مسلمانانِ عالم کا مرکز عقیدت و محبت ہے عالم اسلام کو دونوں مقامات اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ومحبوب ہیں۔ آج جو عزت و وقار ہمارے عرب بھائیوں کو حاصل ہے وہ نبی پاک ﷺ کا صدقہ اور اللہ تعالیٰ کا

فضل وکرم ہے بقول علامہ اقبال:

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمدِ عربی سے ہے عالم عربی

۱۹۴۶ء کا دورۂ بنوں

سیاست آپ کے نزدیک شجر ممنوعہ نہیں ہے مگر ذاتی مفادات کے تحت کبھی سیاست میں نہیں الجھے۔ البتہ قومی اور ملکی خدمت سمجھ کر ۱۹۴۶ء میں حضور دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ولی عہد اور جانشین کے طور پر اجمیر شریف سے بنوں تشریف لائے۔ اس زمانے میں ضلع بنوں خاص طور پر کانگریس تحریک کا مرکز تھا۔ اس صورت حال سے صوبہ سرحد اور بنوں کے ممتاز ترین مسلم لیگی لیڈر روز یرزادہ گل محمد اور جناب ملک دمساز خان صاحب بہت پریشان تھے۔ ان صاحبان نے مسلم لیگ کی زیادہ سے زیادہ عوامی مقبولیت بڑھانے کے لئے حضور دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ولی عہد جناب دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں سے درخواست کی کہ یہ علاقہ عاشقان درگاہ عالیہ اجمیر سے وابستہ ہے چنانچہ آپ ایک جلسہ عام کی صدارت فرمائیں۔

جناب دیوان صاحب نے یہ دعوت اس موقع کی مناسبت اور ضرورت کے تحت قبول فرمائی کیونکہ آپ ملک خداداد پاکستان کا حصول مسلمانوں کے لئے ناگزیر سمجھتے تھے لہٰذا آپ ایک طویل سفر کر کے بنوں تشریف لائے اور اس جلسہ کی صدارت فرمائی۔ مسلم لیگ کو بھرپور حمایت ملی۔ آپ کی شرکت کا نتیجہ یہ ہوا کہ علاقہ میں مسلم لیگ کا اثر بڑھ گیا اور مسلم لیگ کو اپنے مقصد میں نمایاں کامیابی ہوئی۔

حضرت کے والد بزرگوار نے اپنے قیام پشاور کے دوران جو مدرسہ جامعہ غوثیہ معینیہ

جاری کیا تھا آپ اس کے تاحیات سرپرست رہے۔ دور بیٹھ کر بھی اس کی ضروریات کی طرف متوجہ رہتے۔ گلشن سلطان الہند اجمیری' آباد کرنے کے ساتھ ہی آپ نے وہاں خانقاہ' مسجد' مدرسہ' لنگر خانہ اور مہمان خانہ تعمیر کرنے کا آغاز کیا۔ ''جنگل میں منگل'' کی کیفیت سی تھی۔ الحمد للہ آنکھوں سے دیکھ بھی لی۔ یہ سب اولیاء اللہ کی کرامت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت اور بزرگوں کے صدقے میں دیکھتے ہی دیکھتے مسجد شریف' لنگر خانہ' مہمان خانہ اور محفل سماع کا ہال تعمیر ہو گیا۔ جبکہ دوسرے منصوبوں میں گنبد شریف کی تعمیر خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ حضرت قبلہ دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ اپنے والدِ بزرگوار کے مزار مقدسہ پر ان کی شایان شان گنبد شریف کی تعمیر کا آغاز فرما چکے تھے کہ اس درویش خدا مست نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

آپ کی پنڈی فتح جنگ روڈ نزد موہڑی پھاٹک تحصیل و ضلع فتح جنگ (ضلع اٹک) میں تشریف آوری' علاقے کے لوگوں کے لئے نیک شگون اور روحانی سکون کا باعث ہوئی۔ مقامی آبادی اپنی روزمرہ زندگی میں آنے والی جسمانی' مادی اور روحانی بیماریوں کے سلسلہ میں آپ سے رہنمائی اور دعا کی طلب گار رہتی اور آپ بھی ایک انتہائی شفیق بزرگ کے طور پر ہر مسئلہ میں اپنے متعلقین' معتقدین اور مریدین کی تقویت و تربیت کے لئے تادم آخر مستعد رہے اور اُن کی رہنمائی فرماتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ

مردِ دانا کو یوں سمجھو' ہے وہ سونے کی ڈلی
بیش قیمت ہی رہے گا' جس جگہ وہ جائے گا

حضرت دیوان صاحب قبلہ کو نہ فرشتہ کہوں گا اور نہ ہی وہ اپنے آپ کو فرشتہ ظاہر کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

ابتدأ بعض معاملات میں بہت سخت گیر تھے' لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ طبیعت میں نرمی اور گداز بڑھتا گیا تاہم اصولوں کی پاسداری اور وضعداری ابتداء سے آپ کی پہچان رہی۔

موئے مبارک نبی کریم ﷺ کی گلشنِ سلطان الہند آمد

۷ اگست ۱۹۹۹ء کو اللہ تعالیٰ نے ایک کرم مزید فرماتے ہوئے ''گلشن سلطان الہند اجمیری'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موئے مبارک بھیج دیا ہے۔

مختصر حال اس کا یہ ہے کہ آپ کے معتقدین میں سے ایک صاحب جناب حافظ مولانا مظہر اللہ صاحب جن کا تعلق آستانہ سیال شریف سے ہے۔ بہترین عالم اور زبردست مقرر ہیں۔ ایک محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شرکت کے لئے جنوبی افریقہ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں محفل کا انعقاد کرنے والے صاحب نے ان سے خوش ہوکر وہ تحفہ پیش کیا جو دونوں جہان کی نعمتوں میں ممتاز ہے۔ آپ نے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے یہ موئے مبارک قبول کیا اور بعد میں اس کا ایک جزو گلشن سلطان الہند میں بطور تبرک پیش کر دیا۔ ساتھ ہی اس موئے مبارک کا پورا شجرہ بھی پیش کیا جو انہیں افریقہ میں بطور سند دیا گیا تھا۔ حضرت دیوان صاحب نے اس نعمت غیر مترقبہ کو سر آنکھوں پر سجایا۔ مولانا موصوف کی رہائش سرگودھا میں ہے۔ وہاں سے اس عظیم نعمت' موئے مبارک کو لانے کیلئے اپنے صاحبزادوں کو بھیجتے ہوئے جو ادب آداب آپ نے تعلیم فرمائے وہ بجائے خود آپ کی طرف سے اولاد کے لئے عظیم سرمایہ ہے۔ بہرحال جب یہ موئے مبارک گلشن سلطان

الہند اجمیری پہنچا' اس وقت آپ کی وارفتگی اور گداز دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ آپ نے انتہائی عقیدت سے اس کو اپنے سر پر رکھا اور پھر زیارت کرواتے ہوئے اپنے ولی عہد کو تاکید فرمائی کہ سر پر رکھ کر سب لوگوں کو اس کی زیارت کروائیں۔

اب آپ نے اس کی عام زیارت کیلئے دو مواقع کا اعلان فرمایا ہے ایک جشن میلاد النبی ﷺ کے مبارک موقع پر' کہ اس کی نسبت ہی آپ کی ذات مبارک سے ہے' دوسرے حضرت خواجہ بزرگ "حضرت غریب نواز معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے عرس مبارک کے موقع پر قل شریف کی محفل کے اختتام پر حاضرین وزائرین کو آپ کی طرف سے تاکید ہوتی ہے۔ ادب آداب کا اس طرح خیال رکھیں کہ

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

کے مصداق مکمل آداب ملحوظ رکھے جائیں۔ ہدیہ کے طور پر کم از کم گیارہ بار اور زیادہ سے زیادہ جتنی بھی توفیق ہو درود شریف پڑھا جائے۔ گلشن سلطان الہند کی جامع مسجد میں ایک تجوری سے بھی زیادہ محفوظ مقام بنا کر یہ موئے مبارک محفوظ کیا گیا ہے۔

آپ کی اپنے صاحبزادگان کو بھی ہدایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو خاص الخاص عنایت اس عظیم انعام کے عطا کرنے کی صورت میں ہم پر کی ہے اب ہمارا فرض ہے کہ اس کی حفاظت ہر قیمتی چیز سے بڑھ کر کریں اور اس کا پورا ادب ملحوظ رکھا جائے۔

عرس مبارک ۲۰۰۰ء کے موقع پر موئے مبارک کی زیارت کی محفل میں جس طرح آپ آنسو جاری تھے اس نے پوری محفل کو آبدیدہ کر دیا۔ شاید ہی کوئی نفس ہو جو اس روح پرور محفل سے متاثر نہ ہوا ہوا۔ ادھر نعتیں پڑھی جا رہی تھیں درود و سلام کے نذرانے نچھاور

کئے جا رہے تھے ادھر آنسوؤں کی جھڑی موتیوں کی صورت میں پروئی جا رہی تھی۔ ہر شخص اپنی دین و دنیا کی خوش بختی کے اس وقت میں دل کی گہرائیوں سے اپنی اور اپنے متعلقین اور اپنے ملک کی فلاح اور خوشحالی کے لئے دعائیں مانگ رہا تھا۔

حاضرین کا دل گواہی دے رہا تھا یہ لمحات بخشش کے لمحات ہیں۔ یہ قبولیت کے لمحات ہیں یہ بارانِ رحمت کے نزول کے لمحات ہیں۔ زائرین دیر تک زیارت کرتے رہے آپ اپنی ضعیفی اور پیرانہ سالی کے باوجود محراب مسجد میں ادب کی تصویر بنے سر جھکائے کھڑے کھڑے زیر لب معتقدین اور متعلقین کیلئے دعا فرماتے رہے۔ اس موقع پر علماء تھے کہ مشائخ' منصب دنیاوی کے اعتبار سے کوئی بڑا تھا یا چھوٹا ہر ایک کا دل یہی گواہی دے رہا تھا۔

شکر خدا ہے بخت ' مددگار و کار ساز
مرضی پہ چل رہا ہے سبھی کاروبار دوست

ممکن ہے آپ کو احساس ہو گیا ہو بظاہر کون جانتا تھا کہ یہ حضرت کی حیات مبارکہ کا آخری عرس تھا۔

تذکرہ اولاد

الحمدللہ دیوان صاحب کواللہ تعالیٰ نے چھ صاحبزادوں اور چھ صاحبزادیوں سے نوازا۔ سب ماشاء اللہ پڑھے لکھے، پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔ بڑے صاحبزادے سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف ہیں چنانچہ ان کا تعارف قدرے تفصیل سے آخر میں بیان کیا جائے گا۔

حضرت دیوان صاحب کے دوسرے صاحبزادے سید آل حسیب پیرزادہ ہیں۔ ایک تعلیم یافتہ انسان ہیں گلشن سلطان الہند میں حضرت دیوان صاحب کے ولی عہد صاحب کے ساتھ ہمہ قسم کے معاملات روزگار اور معاملات اعراس مبارک میں ان کے دست وبازو رہتے ہیں۔

ان کی شادی حضرت دیوان صاحب کے چھوٹے بھائی سید آل حامد پیرزادہ صاحب مرحوم کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوئی ہے اور ماشاء اللہ ان کے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔ صاحبزادوں کے نام سید آلِ عائز پیرزادہ، سید آل ناہز پیرزادہ اور سید آل باسط پیرزادہ ہیں۔ جبکہ صاحبزادی ان چاروں بچوں میں دوسرے نمبر پر ہیں۔

حضرت کے تیسرے صاحبزادے سید آل منیب پیرزادہ ہیں۔ انہوں نے پشاور یونیورسٹی سے بی اے کیا ہے آج کل پی ایس او میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں اور سہالہ ڈپو میں تقرر ہے۔ ان کی رہائش راولپنڈی میں ہے حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے چشتیہ سلسلہ میں بیعت کر رکھی ہے۔ نورانی میاںؒ سے اظہار عقیدت میں اس قدر پکے ہیں کہ اپنے نسبی سلسلہ کے سبب کسی بڑائی کے تصور کو جگہ نہیں دیتے۔

ان کا نکاح خاندان سادات کے چشم و چراغ جناب سید محمود حسین صاحب کی

صاحبزادی سے کوہاٹ میں ہوا۔ جن سے پیرزادہ صاحب کے دو صاحبزادے سید آل عافی پیرزادہ اور سید آل ھی پیرزادہ ہیں۔ دونوں ابھی زیرِ تعلیم ہیں۔

دیوان صاحب محترم کے چوتھے صاحبزادے پروفیسر سید آل نجیب پیرزادہ ہیں۔ انہوں نے ایم اے اسلامیات پشاور یونیورسٹی سے کیا ہے۔ آجکل ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت میں گورنمنٹ پولی ٹیکنیک انسٹیٹیوٹ ایبٹ آباد میں تقرر ہے۔ ماشاءاللہ اپنے مضمون میں اچھی دسترس ہے نیز اچھی اور موثر تقریر بالخصوص سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر کرتے ہیں۔

ان کا نکاح اسلام آباد کے ایک سادات خاندان میں سید اشفاق صاحب کی صاحبزادی سے ہوا ہے۔ ماشاءاللہ چھ بچے ہیں جن میں دو صاحبزادے سید آل محمد اجود علی اور سید آل محمد اشجاع علی ہیں جبکہ چار صاحبزادیاں ہیں۔ سب بچے ابھی چھوٹے ہیں دونوں بچے اور دو بچیاں اسکول کی سطح پر تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دو چھوٹے صاحبزادے سید آل جواد پیرزادہ اور سید آل مجیب پیرزادہ ہیں۔ دونوں مل کر ایبٹ آباد میں ایک کالج اور ایک اسکول چلا رہے ہیں۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے سید آل مجیب پیرزادہ نے ایم ایس سی کیمسٹری گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد ہی سے کیا ہے۔ جواد پیرزادہ کا نکاح ایبٹ آباد کے ایک معزز سادات گھرانے میں ہوا ہے۔ جواد پیرزادہ کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہے نومولود بیٹے کا نام سید آلِ محمد عمار ہے۔ جواد پیرزادہ کے سسر جناب سید صابر شاہ صاحب نے نسبت اور تعلق کا خیال رکھتے ہوئے اپنی چھوٹی صاحبزادی سے آلِ مجیب پیرزادہ کا رشتہ بھی منظور فرمالیا چنانچہ حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی کل اولاد اپنے اپنے گھروں میں شاد آباد ہے۔ آلِ مجیب کا ایک بیٹا ہے۔ اس کا نام سید آلِ محمد مصطفےٰ علی ہے۔

دیوان صاحب کی صاحبزادیوں میں بڑی صاحبزادی کی پیدائش اجمیر شریف میں ہوئی تھی۔ قیام پاکستان کے وقت ان کی عمر تقریباً دو سال تھی۔ آپ کی شادی سردھنہ کے ایک سادات خاندان میں ہوئی۔ ان کے خسر میجر انور علی شاہ صاحب مرحوم ریٹائر ہونے کے بعد راولپنڈی میں رہائش پذیر رہے جبکہ شوہر سید عادل انور شاہ صاحب نے منیجر حبیب بنک لمیٹڈ کی حیثیت سے ریٹائرمنٹ لی ہے۔ ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔

بڑے بیٹے سید معین عادل نے سی اے کر رکھا ہے۔ ماشاءاللہ برسرروزگار ہیں ان کی شادی دیوان سید آلِ حبیب علی خاں صاحب کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی ہے جبکہ صاحبزادی کی شادی دیوان صاحب کے ماموں زاد بھائی سید کبیر الدین کے صاحبزادے سید اسد کبیر سے ہوئی ہے' وہ لاہور میں مقیم ہیں۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے سید فہیم عادل ایم۔ آئی۔ ٹی کر چکے ہیں۔ اب ایم۔ بی۔ اے کر کے برسرِ روزگار ہیں۔

دیوان صاحب کی دوسری صاحبزادی کی شادی راقم الحروف سے ۱۹۷۷ء میں ہوئی۔ راقم نے پشاور یونیورسٹی سے ۱۹۷۵ء میں ایم اے اردو کیا اس کے بعد ۱۹۹۱ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم فل کیا پھر پشاور یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے پی ایچ ڈی کیا فی الوقت ایف جی سرسید کالج راولپنڈی میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر اردو تقرر ہے۔ حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ ناچیز کے خسر' تایا اور بہت بڑے محسن تھے۔ ان ہی کی رہنمائی اور تعاون سے میں آج اس قابل ہوں کہ حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کی یہ سوانح مرتب کر سکا آپ کی صحبت اس قدر معلومات سے پُر اور سکون سے مملو ہوتی تھی کہ میں جب بھی اپنی تعطیلات میں گلشن سلطان الہند جاتا' کوشش یہی ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ آپ کا قرب حاصل رہے۔ یقین کیجیے آپ سے گفتگو کر کے جو فائدہ ہوتا تھا وہ تو سب محسوس کر سکتے ہیں لیکن آپ خاموش بیٹھے اپنے

اورادووظائف میں مصروف ہوں اور میں انکے قریب خاموش بیٹھا ہوں تب بھی ایک طمانیت اور سکون کا احساس ہوتا تھا اور وہ لذت ملتی تھی جس کو الفاظ میں بیان کرنا دشوار ہے۔

ہمارا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ بیٹا بڑا ہے۔ ماشاء اللہ انہوں نے ڈی کام کے امتحان میں پورے صوبہ سرحد میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔ برخوردار کا نام سید آل صفی پیرزادہ ہے۔آج کل ایم۔بی۔اے کے بعد ایک پرائیویٹ ادارہ میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بڑی بیٹی نے ایم ایس سی سائیکالوجی پشاور یونیورسٹی سے کیا ہے، ان کا نکاح ۱۴ اگست ۲۰۰۸ءکو دیوان سید آلِ حبیب علی خاں کے ولیعہد سید آلِ وجیہہ پیرزادہ سے ہوا ہے۔ ولیمہ کی پروقار تقریب ۱۶ اگست ۲۰۰۸ءکو گلشنِ سلطان الہند اجمیری میں ہوئی جس میں معززین شہر دور و نزدیک سے آئے ہوئے مہمانان گرامی، مریدین، معتقدین نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ مریدین کی جانب سے گلشن کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ جبکہ چھوٹی بیٹی نے فاطمہ جناح یونیورسٹی راولپنڈی سے ایم۔بی۔اے کیا ہے۔ دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تیسری صاحبزادی کا نکاح آپ کے بھائی کے بیٹے یعنی راقم کے حقیقی بھائی سید آل منیر پیرزادہ سے ہوا ہے۔ پشاور یونیورسٹی سے بی اے کرکے آج کل اپنا کاروبار کررہے ہیں۔ ان کے بچوں میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں بیٹی بڑی ہے اس کے بعد بیٹا سید آل نجی پیرزادہ اور پھر ایک بیٹی ہے۔ تینوں بچے کالج اور اسکول کی سطح پر تعلیم حاصل کررہے ہیں۔

دیوان صاحب کی چوتھی بیٹی کا نکاح بھی آپ کے بھائی سید آل حامد پیرزادہ کے صاحبزادے سید آل ہاشم پیرزادہ سے ہوا ہے۔ یہ تعلیم سے فارغ ہوکر آج کل کمپیوٹر ورکشاپ چلارہے ہیں۔ ان کے چار بچے ہیں جن میں دو بیٹے سید آل شہیر پیرزادہ اور سید آل کاشف پیرزادہ ہیں جبکہ ایک بیٹی دونوں کے درمیان میں ہے اور دوسری سب سے چھوٹی ہے تین بچے ابھی کالج کی سطح پر تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ جبکہ چھوٹی بیٹی اسکول میں

زیر تعلیم ہے۔حضرت کی پانچویں صاحبزادی کا نکاح ۱۹۹۶ء میں دیوان صاحب کے پھوپھی زاد بھائی مرحوم سید فضل النبی کے صاحبزادے سید فضل حسن سے ہوا ہے سید فضل حسن ذاتی کاروبار کررہے ہیں ان کا ایک بیٹا سید فضل تہامی ہے اور دوسرا سید فضل معز ہے سب سے چھوٹی بچی ہے جبکہ دیوان صاحب کی سب سے چھوٹی صاحبزادی بھی ماشاءاللہ شادی خانہ آبادی کے بعد خوش وخرم زندگی گزار رہی ہیں۔ان کی شادی فیصل آباد کے ایک معزز بخاری خاندان میں ہوئی ہے، شوہر سید حمایت کریم ایم اے انگلش ہیں راولپنڈی میں گورنمنٹ کامرس کالج میں بطور لیکچرار خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بہت اچھا مذہبی، ادبی اور علمی ذوق عطا فرمایا ہے۔آپ کا محافل مذہبی میں خطاب بھی بہت علمی اور پراثر ہوتا ہے۔دعا ہے زورِ بیاں ترقی کرتا رہے۔

بیماری کے آخری ایام' دل کا عارضہ اور وقت آخر

حضرت دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ ایک طویل عرصہ سے ذیابیطس اور بلڈ پریشر کے مرض میں مبتلا تھے۔ذیابیطس سن ساٹھ کی دہائی کے آخر سے ہی ظاہر ہو چکی تھی لیکن آپ کی طبیعت کا اعتدال اور پرہیز شاید آپ کے معمولات اور اللہ تعالیٰ کا خصوصی احسان تھا کہ آپ کے جسم پر شوگر کے سبب کوئی غیر معمولی اثر نہیں معلوم ہوتا تھا یہاں تک کہ عمر کے آخری ایام میں بھی تیز روشنی میں بغیر عینک کے مطالعہ کرلیا کرتے تھے یہ بھی کہا جا سکتا ہے صحت ظاہری طور پر عمر کے حساب سے قابل رشک تھی۔کل نفس ذائقة الموت کا مرحلہ تو ہر ذی روح کے ساتھ یقینی ہے بلکہ ایسا یقینی کہ اس مرحلہ کو طے کرنے کے لئے کسی بیرونی اور ظاہری بیماری کی بھی ضرورت نہیں بہر حال کچھ عرصہ سے بھوک بند ہونے کے باعث کمزوری بڑھتی جارہی تھی۔ اتفاق سے آپ کے آخری ایام حیات میں گلشنِ سلطان الہند جانے کا اتفاق ہوا۔آپ کی

کمزوری دیکھ کر تشویش اور دکھ ہوا۔ حضرت کے جانشین اور دیگر صاحبزادگان اصرار کر رہے تھے کہ ہسپتال جا کر ڈاکٹر سے مشورہ کر لیں مگر آپ شاید اپنی کیفیت کو سمجھ چکے تھے چنانچہ ہسپتال جانے سے گریزاں تھے۔ میں نے اور اہلیہ نے جب صاحبزادگان کے ساتھ یک زبان ہو کر اصرار کیا تو آپ نے مہربانی فرماتے ہوئے ہسپتال جانے کے لئے ہامی بھر لی چنانچہ فوراً ہم لوگ آپ کو شفا انٹرنیشنل ہسپتال اسلام آباد لے گئے۔ آپ کے معالج ڈاکٹر منظور قاضی نے بڑی توجہ سے معائنہ کیا' کچھ ٹیسٹ کروائے اور باقی ٹیسٹوں کی غرض سے آپ کو ہسپتال میں داخل ہونے کا مشورہ دیا' ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ ہم کچھ ٹیسٹ وغیرہ کر کے آپ کی اس کمزوری کا سبب معلوم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ظاہری طور پر آپ کا دل بہت ٹھیک کام کر رہا ہے بلڈ پریشر بھی پریشان کن نہیں ہے اور شوگر بھی پہلے کی نسبت کنٹرول میں ہے۔

آپ ہسپتال تو آ ہی چکے تھے کچھ ڈاکٹر کی تاکید' کچھ ہم لوگوں کا اصرار' بہر حال دو تین روز کے لئے یہاں داخل ہو گئے۔ مختلف ٹیسٹ ہوتے رہے۔ سب کے رزلٹ درست پائے گئے چنانچہ ڈاکٹر قاضی نے تین دن بعد آپ کو مطمئن کر کے گھر بھیج دیا ابھی گھر آئے دو تین دن ہی گزر رہے تھے کہ رات عشاء کی نماز اور اپنے وظائف سے فارغ ہو کر آپ آرام کے لئے لیٹ گئے۔ کچھ دیر کے بعد دل گھبرانے لگا۔ سید آلِ حسیب پیرزادہ کا کمرہ آپ کے کمرے سے قریب ہی تھا اُن کو بلا لیا اور سینہ سہلانے کے لئے کہا۔ گھبراہٹ بڑھی تو اپنے جانشین سید آلِ حبیب پیرزادہ کو جو موجودہ دیوان صاحب اجمیر شریف ہیں' اُن کو بھی بلایا اور اب یہ کیفیت تھی کہ خود بھی سورۃ فتح کی آیت مبارکہ نمبر ۴ "**هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَاناً مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ط وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْماً حَکِیْماًo**"

(''وہی ہے جس نے مومنین کے دلوں میں سکون واطمینان ڈال دیا تاکہ ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں اور آسمانوں اور زمین کے تمام لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ دانا وحکمت والا ہے'') کا ورد کر کے اپنے سینہ پر ہاتھ پھرتے جاتے تھے اور ولی عہد صاحب سے بھی اسی آیت کے پڑھنے اور سینے پر ہاتھ پھیرنے کی تاکید کرتے جاتے۔ اس دوران گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں ایک آدھ بار ولیعہد صاحب سے آیت کے پڑھنے میں غلطی ہوئی تو آپ نے فوراً ان کی اصلاح فرمائی۔ یہ سلسلہ تھوڑی دیر قائم رہا۔ اسی کیفیت میں آپ کی آواز بند ہوگئی لیکن زبان سے نرم روئی سے یہی آیت پڑھنے کی آواز آتی رہی اور پھر چند ہی سیکنڈ بعد وہ وقت آ پہنچا جس نے گلشنِ سلطان الہند اجمیری کی ساری فضاء کو مغموم اور اشک بار کر دیا۔

حضرت گرامی کا انتقال پُر ملال

حضرت قبلہ جب عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر معمول کے مطابق سونے کے لئے لیٹے تھے تو کسے معلوم تھا کہ یہ آپ کی زندگی کے آخری لمحات ہیں۔ کسے معلوم تھا کہ آپ اس طرح تھوڑی سی دیر میں سفرِ آخرت کے تمام مراحل طے کر جائیں گے کہ راولپنڈی میں موجود آپ کے صاحبزادہ سید آل منیب پیرزادہ اور آپ کی بڑی صاحبزادی بیگم عادل انور شاہ صاحب کو بھی حضرت کے آخری لمحات میں سرہانے موجود ہونے کی مہلت نہیں مل سکے گی۔ ۱۳ اپریل جمعہ کی رات دو بجے اچانک میرے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی' دوسری طرف گلشنِ سلطان الہند سے سید آلِ حسیب پیرزادہ بول رہے تھے۔ بے وقت اُن کا یہ ٹیلیفون بظاہر پریشانی کی گھنٹی ہونا چاہیے تھے لیکن ابھی کچھ ہی دن پہلے تو ہم دونوں میاں بیوی نے حضرت کو کمزور مگر خوش وخرم رخصت کیا تھا لہٰذا میں ذہنی طور پر آپ کے اس دارفانی سے رخصت ہونے کی خبر سننے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا۔ آلِ حسیب کے یہ الفاظ" آن جی ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے"۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کی صاحبزادی جو ٹیلیفون کی گھنٹی سن کر بیدار ہو چکی تھیں۔ اُن کو کیا کہوں؟ کس طرح تسلی دوں؟ اور آپ کی باقی دونوں صاحبزادیوں اور دیگر رشتہ داروں کو کس زبان سے بتاؤں کہ ہمارا سائبان اچانک اُڑ گیا۔ بڑی مشکل سے دل کو قابو کیا۔ آہستہ آہستہ سب کو اُس حقیقت سے آگاہ کیا جس کے اظہار کا مجھ میں یارا نہ تھا۔ صبح ہونے سے قبل ہم لوگ ایک ویگن میں سوار ہو کر گلشنِ سلطان الہند اجمیری پہنچے۔ فضاء سوگوار اور بوجھل تھی ہم بھی بوجھل قدموں کے ساتھ حضرت کے اس کمرے میں پہنچے جہاں آپ اپنے بچھونے پر اس قدر پُرسکون آرام فرما تھے گویا ابھی اُٹھ کر نمازِ فجر کی تیاری کریں گے۔

بروز جمعہ ۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۲ ابمطابق ۱۳ اپریل ۲۰۰۱ء عصر کا وقت گلشنِ سلطان الہند اجمیری واقع ضلع اٹک میں سوگواروں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا' آنکھیں اشکبار' دل اداس اور چہرے حسرت کی تصویر بنے ہوئے تھے کہ حضرت دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے گھر سے حضرت کا جنازہ عقبی دروازہ سے نمودار ہوا لوگوں کا اضطراب اور حضرت کے جنازے کو کندھا دینے والوں کا ایک ہجوم آگے بڑھا۔ فضائیں گویا اقبال کا'' فلسفۂ غم'' گنگناتی ہوئی محسوس ہوئیں:

آرزو کے خون سے رنگیں ہے دل کی داستاں
نغمۂ انسانیت کامل نہیں غیر از فغاں
حادثاتِ غم سے ہے انسان کی فطرت کو کمال
غازہ ہے آئینہ دل کے لئے گردِ ملال

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس جنازہ کے تمام شرکاء کے دین و دنیا کو سنوارے۔ جنہوں نے وقت کی نزاکت اور حدِ ادب ملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی نظم وضبط اور سلیقہ سے حضرت کا جسدِ مبارک جامع مسجد گلشنِ سلطان الہند کے پہلو میں لاکر رکھا جہاں قبلہ دیوان سید آلِ مجتبےٰ علیخاں سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ حضرت کی رہائش گاہ سے نمازِ جنازہ کا مقام ساڑھے تین سو چار سو قدم سے زیادہ نہیں ہوگا لیکن جنازہ کے شرکاء کی کثیر تعداد کے سبب یہ فاصلہ بھی تقریباً آدھے گھنٹے میں طے ہوا۔ شرکاءِ جنازہ اپنی اشکبار آنکھوں کے ساتھ کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کے ورد کے ساتھ نعت خوانی کرتے رہے۔

شیخ الحدیث مولانا پیر محمد چشتی مہتمم دار العلوم جامعہ غوثیہ معینیہ پشاور نے حضرت کے جانشین موجودہ سجادہ نشین آستانۂ عالیہ اجمیر شریف جناب دیوان سید آلِ حبیب علیخاں

اور حضرت کے اہل خانہ کی خواہش کے مطابق نماز جنازہ پڑھائی۔ مولانا موصوف کا اس خاندان اور حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ کے والدِ گرامی دیوان سید آل رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ سے عقیدت ومحبت اور اخلاص کے تعلق کا تقاضا تھا کہ نمازِ جنازہ پڑھانے کی سعادت آپ ہی کے حصہ میں آئے ورنہ اس موقع پر حضرت کے جانشین موجودہ دیوان صاحب سمیت چشتیہ سلسلہ کی درگاہوں کے سجادہ نشین صاحبان کثرت سے موجود تھے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جنازہ کا کھلے آسمان کے نیچے آنا تھا کہ آسمان سے ہلکی ہلکی گلاب پاشی شروع ہو گئی۔ موسم اس قدر خوشگوار ہو گیا کہ ہر زبان اس تبدیلی کو حضرت والا کی اللہ کی بارگاہ میں مقبولیت کی بشارت اور دلیل سمجھ رہی تھی۔ جنازہ کے شرکاء نے کیا کیا پایا اور کیا کیا محسوس کیا۔ یہاں اِن تفصیلات میں اس لئے نہیں جاؤں گا کہ میں کوئی ایسا تاثر قائم نہیں کرنا چاہتا کہ حضرت سے تعلق اور رشتہ داری کا حق ادا کر رہا ہوں۔ آپ کی یہ نسبت کیا کم ہے کہ آپ خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے صاحب سجادہ تھے۔ آپ اپنے والدِ بزرگوار حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں سجادہ نشین اجمیر شریف کے پہلو میں آسودۂ خواب ہیں۔ الحمدللہ ان حضرات کے مزار مبارک پر گنبد شریف کی تعمیر کا کام شروع ہو چکا ہے۔

حضرت نے ایک پاکیزہ اور مثالی زندگی گزاری۔ آپ کا کھانا' پینا' سونا' جاگنا' سفر' حضر' لباس پہننا' چھینکنا' غرض یہ کہ ہر کام ممکن حد تک اتباعِ رسول مقبول ﷺ کے مطابق تھا۔ آہ یہ چلتی پھرتی ولایت وکرامت آج اس عالم ظاہر میں نہ رہی لیکن آج بھی آپ کی آخری آرام گاہ تمام متعلقین اور مریدین کے لئے باعثِ تسکین قلبی ہے اور آپ کی

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو' یہ وہ گوہر نہیں
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظامِ کائنات
ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

حضرت دیوان سید آلِ حبیب علیخاں صاحب دام اقبالہ، ولادت، تعلیم

ماشاءاللہ شرع اور نماز روزے کے بہت پابند ایک تعلیم یافتہ انسان ہیں۔ آپ کی ولادت اکتوبر ۱۹۵۰ء کو سرگودھا میں ہوئی۔ ولیعہد ہونے کے سبب ابتداء ہی سے دادا (اباجی قبلہ) اور والدین کی توجہ کا مرکز رہے۔ ان کی سالگرہ کے دن باقاعدگی سے دودھ پر فاتحہ کر کے غریبوں میں تقسیم کرنے کا معمول والدین کی محبت کا بہترین اظہار تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم بزرگوں کے زیر نگرانی گھر پر ہی حاصل کی، جب آٹھ برس کے ہوئے تو براہِ راست پانچویں جماعت میں گورنمنٹ ہائی اسکول نمبر۲ پشاور شہر میں داخل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس اسکول کے بالمقابل گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ا پشاور شہر سے ۱۹۶۸ء میں فرسٹ ڈویژن میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ والدِ بزرگوار نے ابتداء ہی سے عربی کی تعلیم کے مواقع پیشِ نظر رکھ کر اس مضمون کو آپ کی تعلیم کا لازمی حصہ بنائے رکھا۔ ۱۹۷۴ء میں آپ نے پشاور یونیورسٹی سے فرسٹ ڈویژن میں ایم۔ اے عربی کر لیا۔ راقم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ پانچویں جماعت سے آٹھویں جماعت تک دونوں ہم جماعت رہے۔ ہم دونوں کی دوستی مثالی ہے الحمدللہ یہ دوستی اب تک قائم ہے البتہ حضرت کے منصب سجادگی پر فائز ہونے کے بعد راقم کی طرف سے دوستی کی یہ بے تکلفی، دلی احترام میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اس اخلاص کے تعلق کو قائم رکھتے ہوئے طرفین سے اس رشتہ کو گہرائی اور گیرائی اس طرح ملی کہ حضرت کے ولی عہد سید آلِ وجیہہ کی شادی میری بڑی صاحبزادی سے ہوئی جبکہ حضرت کی درمیانی صاحبزادی کی شادی میرے بیٹے سید آلِ صفی سے ہوئی ہے۔ دیوان صاحب ابھی ایم۔ اے کے طالب علم ہی تھے کہ ۱۹۷۳ء میں حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے وصال نے آپ کو ولی عہدی کے منصب پر باضابطہ متمکن کر دیا۔

۱۹۷۵ء میں والد گرامی حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ رحمتہ اللہ علیہ کی معیت میں

پہلا حج کیا' ۱۹۷۷ء میں گروپ قافلہ سالار کی حیثیت میں دوسرے حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ حرمین شریفین کی زیارات کے ضمن میں آپ بارگاہ رب العزت سے وہ خصوصی عنایت لے کر دنیا میں تشریف لائے ہیں کہ ۱۹۸۵ء میں لندن حجاز کانفرنس سے واپسی پر عمرے کی سعادت حاصل کی اس کے بعد ۲۰۰۵ء میں دو' دو ہفتہ کے لئے دوبارہ گلشن سلطان الہند اجمیری سے مرتب کئے گئے عمرہ قافلوں کی قیادت فرمائی۔ عمرہ کی سعادت حاصل کرنا اور قافلہ کی روانگی کا یہ سلسلہ ہر سال کے لئے باقاعدہ شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس قافلہ کی ترتیب وانتظام کے روح رواں حضرت کے مرید صادق ملک مسعود اجمیری ہوتے ہیں قافلہ کی روانگی کی تاریخ اور مہینہ حضرت غریب نواز اجمیری کے عرس مبارک کے موقع پر کر دیا جاتا ہے۔ حضرت کی معیت اور قیادت میں عمرہ کی سعادت کے شائقین مریدین و معتقدین اور متوسلین اپنے پاسپورٹ' تصاویر اور ضروری کوائف ملک مسعود کو فراہم کر دیتے ہیں دیوان صاحب محترم نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ ۲۰۰۶ء میں تیسرے حج کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ کرے ذوق سفر اور زیادہ نیز مبارک و مسعود ریاضتوں اور سفر کو اپنے حبیب کریم ﷺ کے طفیل دیوان صاحب اور ان کے جملہ متعلقین و مریدین کے حق میں دین و دنیا کی خوش بختیوں کا باعث بنائے۔

منصب ولی عہدی باضابطہ ۱۹۷۳ء میں حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چہلم شریف کے موقع پر عطا ہوا۔ اس وقت سے حضرت دیوان صاحب کے ساتھ اعراس مبارک کی تقریبات میں آپ کے بائیں جانب مسند پر بیٹھتے رہے اور حضرت کی عدم موجودگی میں محافل اعراس وغیرہ کی صدارت ولی عہد صاحب ہی کرتے رہے۔ آپ کو اپنے بزرگوں کے مشن کو آگے بڑھانے اور عامۃ المسلمین کو بزرگان سلف کے ساتھ وابستہ رکھنے کی خواہش ورثہ میں ملی ہے۔ الحمدللہ انہیں احساس ذمہ داری سے ہمیشہ سرشار پایا۔

گلشنِ سلطان الہند کے قرب و جوار میں لوگوں کے غم اور خوشی میں اہتمام سے شریک ہوتے چلے آئے ہیں۔ نیز دور ونزدیک کے رشتہ داروں اور متعلقین کی ہر خوشی اور غم کے موقعہ پر اپنے والد گرامی کے ساتھ شریک ہوتے یا ان کی عدم موجودگی میں حضرت کی نمائندگی کرتے رہے الغرض اپنے منصب روحانی کی ضروریات اور تقاضوں کو بخوبی انجام دیتے رہے ہیں۔ اپنے عظیم المرتبت والد مکرم کے وصال کے بعد دیوان صاحب اجمیر شریف کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے آمین! آپ کی شادی ۱۹۷۸ء میں آگرہ کے ایک معزز و نفیس سادات گھرانے کے فرد سید محمد نفیس مرحوم کی صاحبزادی سے حسن ابدال میں ہوئی نکاح سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی رحمتہ اللہ نے پڑھایا۔

دستار بندی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف دیوان سید آلِ حبیب علی خاں دام اقبالہٗ کی دستار بندی، اتوار ۲۵/ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰/ مئی ۲۰۰۱ء گلشن سلطان الہند اجمیری کے وسیع ہال میں ہوئی۔ یہ وہ تاریخی دن تھا جو حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں کے چہلم شریف کے لئے مختص کیا گیا تھا۔ چہلم شریف اور حضرت کی دستار بندی کی اس روح پرور اور پرسوز محفل میں ملک کے طول وعرض سے چشتیہ سلسلۂ عالیہ کی معروف بزرگ ہستیاں اپنی عقیدتیں اور وابستگیاں ظاہر کرنے کے لئے موجود تھیں۔ حضرت شیخ المشائخ دیوان سید آلِ مجتبیٰ علی خاں رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز صاحبزادہ سید تنویرالحسن نظامی نے خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے اس عظیم الشان موقع کی مناسبت سے دیوان سید آلِ حبیب علی خاں کے خصوصی و تاریخی خطاب کو چھپوا کر حاضرین میں تقسیم کروایا۔

اس محفل میں نیز حضرت کی قل شریف کی محفل میں شریک چیدہ چیدہ شخصیات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت علامہ مولانا شاہ احمد نورانی صاحب صدیقی مرحوم' صاجزادہ عظمت سید محمد چشتی (پاکپتن شریف)' صاجزادہ قطب فرید چشتی (پومی میاں) (پاکپتن شریف)' میاں محمود خان صاحب سجادہ نشین (بسّی شریف)' صاجزادہ میاں محمد ممتاز صاحب مرحوم (چشتیاں شریف)' صاجزادہ میاں محمد ہاشم صاحب (چشتیاں شریف)' صاجزادہ خواجہ حامد صاحب (تونسہ شریف)' خواجہ محمد حمید الدین سیالوی صاحب (سجادہ نشین سیال شریف)' صاجزادہ عنایت اللہ شاہ (گنجیال شریف)' صاجزادہ فخر احمد میروی' صاجزادہ محمود بخش' (بسال شریف)' صاجزادہ قیصر محمود (بسال شریف)' صاجزادہ سید محمد اعظم شاہ صاحب مرحوم (سجادہ نشین گڑھی شریف)' صاجزادہ محمد اکرم شاہ صاحب (سجادہ نشین گڑھی شریف)' مولانا محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی (پشاور)' صاجزادہ حافظ محمد قاسم صاحب (حامد آباد شریف)' صاجزادہ امین الحسنات شاہ صاحب (سجادہ نشین بھیرہ شریف)' صاجزادہ محمد انیس حیدر شاہ (سجادہ نشین جلالپور شریف)' صاجزادہ سید مظہر سعید کاظمی شاہ صاحب (خلف الرشید احمد سعید کاظمی شاہ صاحبؒ)' صاجزادہ حامد سعید کاظمی شاہ صاحب (وفاقی وزیر مذہبی امور پاکستان)' صاجزادہ معین الحق شاہ صاحب (گولڑہ شریف)' پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب' محمد احمد صدیقی صاحب' صاجزادہ محمد شبیر علی شاہ (چورہ شریف)' علامہ مولانا پیر محمد چشتی صاحب (شیخ القرآن وحدیث)' گل آغا گیلانی (ملاحی ٹولہ ضلع اٹک)

حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علی خاں رحمتہ اللہ علیہ کے قل شریف کی محفل میں حضرت دیوان سید آلِ حبیب علی خاں کو سابق سجادہ نشین کا حقیقی جانشین تسلیم کرتے ہوئے

خاندان کی جانب سے دستار بندی کی گئی محترمی سید آلِ طٰہٰ پیرزادہ محترمی سید آلِ سیدی پیرزادہ، سید سراج شاہ صاحب (داماد حکیم سید آلِ احمد صاحب مرحوم)، سید آلِ ابطحی پیرزادہ کے برخوردار نیز سید آلِ حامد پیرزادہ صاحب مرحوم اور سید آلِ محبوب مرحوم (داماد دیوان سید آلِ رسول علی خاںؒ) کے نمائندوں نے بھی دیوان صاحب کی دستار بندی کی۔
اس موقع پر خطاب فرمانے والے چند حضرات کا حضرت دیوان صاحب کو خراج عقیدت دستیاب ہوسکا ہے۔

ریاض حسین شاہ صاحب صدر جماعت اہلسنت نے اپنے خطاب میں حضرت دیوان صاحب کے وقت آخر زبان پر موجود سورۃ فتح کی آیات کے حوالے سے آیات مبارکہ سکینہ کو موضوع بنا کر سکینہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی نیز فرمایا کہ حضرت کی زبان پر دمِ آخر ان آیات کا جاری ہونا آپ کے مرتبہ و مقام کا اظہار ہے۔

صاحبزادہ عتیق الرحمٰن سجادہ نشین فیض پور شریف آزاد کشمیر نے فرمایا پورے ہندوستان میں بلکہ پوری دنیائے اسلام میں حضرت خواجۂ ہند کا فیض پھیلا ہوا ہے۔ نبی کریم ﷺ جاتے وقت قرآن پاک اور اپنی اہل بیت چھوڑ کر گئے تھے۔ شاہ نقشبند سید، پیران پیر سیدؒ چشتیہ سلسلہ کے غریب نواز سید ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نسبت بھی پاک اور نام بھی پاک ہیں یعنی سید آلِ رسول علی خاں رحمتہ اللہ علیہ، سید آلِ مجتبیٰ علی خاں رحمتہ اللہ علیہ، سید آلِ حبیب علی خاں دام اقبالہٗ۔

مولانا پیر محمد چشتی صاحب نے بڑی رقت بھری آواز میں کہا حضرت کو مرحوم کہتے ہوئے زبان ساتھ نہیں دے رہی لیکن آخری راستہ سب کا یہی مقرر ہے۔ دل کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی حضرت عطا اللہ بندیالوی جو میرے محسن اور میرے استاد تھے ان کے جنازہ پر اپنی بیماری کے سبب نہیں پہنچ سکا تھا جس کا ازحد افسوس رہا شکر ہے اس محسن کے

جنازہ میں نہ صرف پہنچ سکا نماز جنازہ پڑھانے کا اعزاز بھی میرے نصیب میں تھا نیز شکر ہے اس محفل میں افراط وتفریط نہیں ہو رہی۔ حضرت کے والدِ بزرگوار سے ملاقات کے لئے اکثر حویلی دیوان صاحب کا پشاور جاتا رہا ہوں۔ انہوں نے اپنے چاروں صاحبزادوں کو بھی خودداری کی تعلیم دی تھی۔

مفتی مظہر اللہ صاحب نے فرمایا اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑا احسان نزول سکینہ ہے۔ حضرت دیوان صاحب رحمتہ اللہ علیہ وقت آخر آیاتِ سکینہ پڑھتے ہوئے حالتِ سکینہ میں رخصت ہوئے اللہ تعالیٰ ان کا فیض جاری رکھے اور گلشنِ سلطان الہند کو ہمیشہ آباد رکھے۔

مولانا حسین شاہ صاحب نے فرمایا محفل میں اکابر مشائخ اور جلیل القدر علمائے کرام تشریف فرما ہیں ہر دل افسردہ اور ہر آنکھ اشک بار ہے۔ آج ہم جن قدسی صفات لوگوں کو یاد کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں ان کے احسانات میرے نزدیک عالم اسلام پر ہیں۔ آج حضرت دیوان صاحب کو یاد کر کے میرا دل بھی گھائل ہے آپ نے فرمایا آلِ رسول ﷺ پر ہمیشہ سے ظلم ہوتا رہا ہے لیکن اہل بیت نے ہمیشہ آثارِ اسلام کو زندہ رکھا۔ دنیا کے تاجداروں نے دنیا کو کچھ نہیں دیا۔ لیکن اس خاندان نے لاکھوں کو زندگی اور کردار کی روشنی دی ہے۔ جو آلِ رسول کے سفینے میں اتر جاتا ہے۔ گوہر مراد پالیتا ہے۔ پروفیسر آرنلڈ نے یوں ہی نہیں کہا کہ سلطان الہند قبر میں لیٹ کر کروڑوں پر حکومت کرتے ہیں۔ میری حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علی خاں رحمتہ اللہ علیہ سے تین ملاقاتیں ہوئیں جو ریشمی اور دھیما دھیما انداز ان میں دیکھا کم کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ آپ کا کمال یہ تھا کہ کسی کا دل ٹوٹا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ یہ وہ قدسی صفت تھے جو سکینہ تھال میں رکھ کر لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔

حضرت کا خطاب بموقع دستار بندی

جناب دیوان سید آلِ حبیب علیخاں سجادہ نشین آستانۂ عالیہ اجمیر شریف نے اپنے خطاب میں فرمایا۔"

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
اعوذ باللہ من الشیطن الرحیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتہائی قابل قدر اور قابل احترام مشائخ عظام علمائے کرام معززین اور میرے سلسلے سے وابستہ حضرات السلام علیکم!

ہندوستان کے مصلحِ اعظم حضرت خواجگان معین الدین چشتیؒ کا شمار ان کامل برگزیدہ ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے رشد وہدایت کے اعتبار سے دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کیا اس قسم کے جامع حیثیات انسان صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں آپ بیک وقت مجاہد و مبلغ تھے اور پھر یہ کہ آپ نے مجاہدۂ نفس کی ایسی مثالیں قائم فرمائیں کہ رہتی دنیا تک حق پرست بندگانِ خدا کے لئے مشعلِ راہ رہیں گی۔

اشاعتِ اسلام اور مدافعتِ تسلط کفار کے لئے جہاد فرض کفایہ ہے اور بعض اوقات یہی فرض عین ہو جاتا ہے اے حضرت خواجۂ بزرگ کے عاشقان صادق! ذرا غور کیجئے میرے جدِ کریم خواجہ غریب نوازؒ سیستان جس کو سجستان بھی کہا جاتا ہے وہاں پیدا ہوئے، طلبِ مولیٰ میں سمرقند اور بخارا سے ہوتے ہوئے حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں ہارون تشریف لے گئے، بالآخر مدینہ منورہ سے حکم ملنے پر داتا نگری سے ہوتے ہوئے اجمیر شریف تشریف لائے، غور کا مقام ہے اے چشتیو! جیسے جیسے آپ کا سفر اور نقل مکانی کا سلسلہ بڑھتا گیا، حضرت خواجہ کی بزرگی، شرف اور تجلیات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور مخلوق خدا میں آپ کا مقام اور آپ کی شان بڑھتی گئی' لہٰذا معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت کی اسی روایت اور طریقۂ عمل میں خوشنودی رب العزت پنہاں ہے۔

☆ میرے دادا حضور حضرت شیخ المشائخ دیوان سید آلِ رسول علیخاںؒ اور میرے والد گرامی حضرت شیخ المشائخ دیوان سید آل مجتبےٰ علیخاںؒ کی جائے ولادت ضلع گوڑگاؤں ہے (یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے اجداد میں حضرت خواجہ میر مسیح اللہؒ دہلی جاتے ہوئے ایک تبلیغی سفر کے دوران دھول کوٹ ضلع گوڑگاؤں میں اہل علاقہ کی محبتوں کے سبب مستقل سکونت پذیر ہو گئے تھے' آپ کی محبتوں کے وہ امین ہجرت کر کے سکندر آباد تحصیل شجاع آباد کے علاقہ میں آج بھی آباد ہیں اور ان میں سے کچھ احباب اس وقت یہاں موجود ہیں) دونوں صاحبان نقلِ مکانی فرما کر اجمیر شریف میں ایک طویل عرصہ تک اپنے منصب روحانی کے مطابق رشد وہدایت کے فرائض ادا کرتے رہے' ساتھ ساتھ مسلمانانِ ہند کی فلاح کی خاطر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام کی جدوجہد بھی فرماتے رہے' اجمیر شریف میں ۱۹۴۶ء کی حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاںؒ کی زیر صدارت منعقدہ سنی کانفرنس آپ کی مساعی کی صرف ایک جھلک ہے۔

☆ حضراتِ گرامی ! آپ کی یہ صرف سیاسی مساعی نہیں تھیں۔ اہلِ بصیرت جان سکتے اور محسوس کر سکتے ہیں کہ یہ ان حضرات کا بہت بڑا مجاہدۂ نفس بھی تھا' کیونکہ یہ حقیقت آپ پر روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ پاکستان کی اس تحریک کا انشاء اللہ کامیاب ہو جانا ان حضرات سے بہت بڑی قربانی چاہتا ہے۔

- ان حضرات کو فوری طور پر ہندوستان گورنمنٹ اور متعصب ہندوؤں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا' جان مال اور عزت محفوظ نہیں رہے گی۔
- ان حضرات کو اپنے جد محترم خواجہ بزرگؒ کے آستانۂ عالیہ سے مفارقت اور

مہاجرت پر مجبور کر دیا جائے گا۔

- ان کے لیے اسلاف کے مزارات پر حاضری دینی مشکل ہو جائے گی۔
- آپ کی وہ روحانی بادشاہت جو سجادہ نشین آستانہ عالیہ ہونے کے ناطے اجمیر شریف میں قائم تھی دنیاوی اعتبار سے وہ ظاہری شکل میں قائم نہ رہ سکے گی۔
- پاکستان میں ایام مہاجرت کی تکالیف اور ابتلاء بھی آپ کے پیشِ نظر تھیں۔
- آپ کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ وہ خدام درگاہ معلیٰ جو اپنے ذاتی اور نفسانی مفادات کے تحت آپ کے قیام اجمیر شریف میں آپ کے روحانی مشن میں روڑے اٹکاتے تھے' درگاہِ خواجہ بزرگؒ سے آپ کی مہاجرت کے بعد ان کی ریشہ دوانیاں بڑھ جائیں گی۔
- یہ بھی پیشِ نظر تھا کہ محض گاندھی کیپ پہن کر اپنی اس بادشاہت کو اجمیر شریف میں باآسانی جاری رکھا جا سکتا تھا۔

☆ لیکن ان حضراتِ گرامی نے مجاہدۂ نفس کیا' ہر تکلیف' ہر امتحان اور ہر مشکل سے بے نیاز ہو کر حق و صداقت کی خاطر راہِ صدق پر ثابت قدم ہو گئے۔ چنانچہ مہاجرت کے ابتدائی ایام ملتان میں گزار کر شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدینؒ سجادہ نشین سیال شریف کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے سرگودھا تشریف لے آئے تقریباً بارہ سال سرگودھا میں گزار کر آپ ۱۹۶۰ء میں پشاور تشریف لے گئے اور بالآخر ۱۹۹۲ء میں اپنے خلیفہ بہرام خان کے سجادہ نشین طارق مسعود صاحب مرحوم اور ان متوسلین کی محبتیں یہاں گلشن سلطان الہند اجمیری آباد کرنے کا سبب بنیں۔

☆ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ علیہ التحیۃ والثناء' حضرت خواجہ بزرگ خواجہ اجمیریؒ کے وسیلہ جلیلہ سے اس گلشن سلطان الہند کو تا قیامت آباد رکھے' اللہ تعالیٰ اس فقیر کو

توفیق مرحمت فرمائے کہ وہ عظیم مشن جو حضراتِ چشتیہ سے ہوتا ہوا مجھ ناتواں کے حوالے ہوا ہے' احسن طریقہ سے جاری و ساری رہے' مجھے امید ہے کہ چشتیہ سلسلہ کی تمام درگاہوں کے سجادہ نشینان' صاحبزادگان اور دیگر سلاسل کے حضرات ہمیشہ سے بڑھ کر میرے ساتھ تعاون کریں گے تاکہ اس مادیت کے دور میں روحانیت اور طریقت کی شمع روشن رکھی جا سکے۔

☆ میں آپ تمام مشائخ عظام' علمائے کرام اور معززین کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے آج کی محفل میں شرکت فرمائی اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو (آمین)

☆ آخر میں ہم سب مل کر دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ اور تمام بزرگانِ چشتیہ' قادریہ' سہروردیہ' نقشبندیہ کے صدقہ میں اس مملکتِ خداداد پاکستان میں نظام مصطفیٰ ﷺ نافذ فرمائے' اس ملکِ خداداد کو نیک اور صالح قیادت نصیب فرمائے' اس ملکِ خداداد کو ملکوں اور قوموں کی برادری میں ممتاز مقام عطا فرمائے' اس ملکِ خداداد میں اپنے فضل و کرم سے ایسی بارشیں فرمائے کہ ہر طرف ہریالی اور شادمانی ہو جائے' ہر چہرہ دمک اٹھے' ہر بیمار شفا پائے' ہر مجبور و مظلوم اور مقہور اطمینانِ قلبی اور آسودگی پائے۔

آمین یارب العالمین بحرمتِ سید المرسلین ﷺ

جناب دیوان صاحب نے اپنے خطاب میں جس جذبہ اور حسنِ عمل کے لئے دعا کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قبولیت کا وقت تھا اور دعا صمیم قلب سے کی گئی تھی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے منصب سنبھالتے ہی اپنی روحانی اور ریاضتی زندگی میں اس طرح نمایاں نکھار پیدا کیا کہ والدِ بزرگوار کے وہ اوراد و ظائف جو ان کی حیاتِ مبارکہ کا لازمی حصہ رہے تھے دیوان صاحب موصوف نے ان کو اپنے روز و شب کے معمولات کا حصہ بنا لیا۔ دوسری جانب مریدین کی تربیت اور تالیف قلوب کے لئے ملک کے طول و عرض میں دورے کرنے شروع کر دیئے۔ ان دوروں میں ظاہری نمود و نمائش اور شان سے بے نیاز ہو

کرا اپنے پیش رو سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف کی طرح للہ فی اللہ ہر امیر و غریب کی دعوت قبول فرماتے ہیں۔ دعوت قبول کرتے ہوئے مریدین اور متعلقین کے گھر بار اور اپنی آسائشوں پر نظر کرنے کے بجائے یہ امور پیش نظر ہوتے ہیں کہ بلانے والے کا اخلاص کس قدر ہے نیز یہ کہ اس دعوت کے قبول کرنے سے سلسلہ کی خدمت، مریدین و متعلقین کی تربیت کس حد تک ہو سکے گی؟ آپ نے منصبِ سجادگی سنبھالنے کے بعد مختصر عرصہ میں بیرون شہر اور بیرون ملک اتنے مسلسل سفر فرمائے کہ اچھے بھلے صحت مند شخص کو سفر کی تھکاوٹ، بے آرامی نے دل کا مریض بنا دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سرکارِ دو جہاں ﷺ اور سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے طفیل صحت کلی عطا فرمائے تاکہ تبلیغ دین اور رشد و ہدایت کا یہ تسلسل قائم رہے۔ شکر ہے کہ عزم و اخلاص نے اس بیماری کو سدِ راہ نہیں بننے دیا۔

حضرت نے اس منصبِ روحانی پر فائز ہوتے ہی آستانہ عالیہ کے گنبد شریف کی تعمیر کا کام شروع کروا دیا۔ گنبد کی تعمیر میں یوں تو حضرت کے تمام مریدین و معتقدین نے حسبِ توفیق شرکت کرنی چاہی لیکن اس تعمیر میں امتیازی حیثیت یقیناً حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علی خاں رحمتہ اللہ علیہ کے مرید اور سیاسی، سماجی کارکن طاہر محمود خان آف چکڑہ کو حاصل رہی جنہوں نے زرِ خطیر سے گنبد کا ظاہری قالب انجام تک پہنچا دیا ہے۔ انشاء اللہ عنقریب تعمیر کا یہ کام مکمل ہو جائے گا۔ جس کے بعد اس کی تزئین و آرائش کا صبر آزما مرحلہ شروع ہوگا۔

گنبد کی تعمیر کا یہ عظیم الشان منصوبہ لاکھوں روپے کی لاگت کے بعد ابھی تکمیل کے مراحل تک نہیں پہنچا تھا کہ آپ کی نظر جامع مسجد گلشنِ سلطان الہند کی جانب گئی جس کا ہال اعراس کی محافل پر حاضرین کے لئے نہ کافی ہو جاتا تھا چنانچہ آپ نے مسجد کے صحن کو وسعت دے کر نمازیوں کے لئے گنجائش دوگنی سے بھی زیادہ کروا دی۔ اس کے ساتھ وضو

خانے جو ابتدائی تعمیرات میں مسجد سے خاصے فاصلے پر تھے اور تعداد میں بھی کم تھے۔ ان کی تعمیر مسجد سے ملحق کروائی نیز ان کی تعداد بھی پہلے سے تین گنا کر دی گئی۔ مسجد کے ساتھ دو کمرے بھی تعمیر کیے گئے ہیں جن میں مسجد اور مدرسہ کے امام اور اساتذۂ کرام رہتے ہیں۔

زائرین اور علاقہ کے لوگوں کی تشنگی کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے دارالعلوم معینیہ چشتیہ کا بھی اجراء فرما دیا۔ اس سلسلے میں مہمان خانہ ابتدائی طور پر مدرسے کے لئے استعمال کیا گیا بعد میں مہمان خانے کے اوپر سات کمرے بشمول ایک وسیع ہال تعمیر کروائے گئے ہیں۔ اس مدرسہ میں دور و نزدیک سے بڑی تعداد میں حفظ و قرأت کے ساتھ ساتھ درسِ نظامی کی تعلیم کے شائقین کی تعداد اس طرح اُمڈ آئی گویا آپ کو روحانی طور پر اس کی ضرورت اور فوری اجراء کا حکم ملا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی ان تمام مساعی کو قبول فرمائے نیز ان کی احسن طریقہ پر ادائیگی کے لئے خزانۂ غیب سے مدد فرماتا رہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشاداتِ عالیہ اپنے اندر صداقتوں اور حقائق کے وسیع پہلو اور امکانات رکھتی ہیں۔ آپ کا فرمان ہے میرا زمانہ سب سے بہترین ہے۔ اس کے بعد جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا' نفسانفسی اور مادہ پرستی بڑھتی جائے گی۔ خانقاہی نظام کی افادیت' کارکردگی اور اہمیت بھی گزرتے وقت کے ساتھ بحث کا موضوع بنتی جا رہی ہے چنانچہ مناسب ہوگا کہ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور کی شائع شدہ' ڈاکٹر محمد اجمل کی کتاب '' نفسی طریق علاج میں مسلمانوں کا حصہ'' مترجمہ شہزاد احمد سے وہ بحث مختصراً اس موقع پر شامل کر لی جائے' جس میں ڈاکٹر صاحب نے بڑے موثر انداز میں مغربی' مذہبی اور روحانی اکابر کے حوالے دے کر تصوف کی اہمیت اور اس کے ہماری روحانی اور مادی زندگی پر پڑنے والے اثرات نیز مرشد و مرید کے تعلق اور طریق آداب پر روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

''وہ شخص جس کی پرورش مغربی فکر وروایت میں ہوئی اور جو مغرب کے ایک دیوتا کے بعد دوسرے دیوتا سے وفاداری استوار کرتا رہا ہو اس کے لئے اپنی روایت میں مضبوطی کے ساتھ پاؤں جمائے رکھنا بے حد دشوار ہے۔ جب بھی وہ اپنی ثقافتی روایت کا مطالعہ کرتا ہے یا اس میں دلچسپی لیتا ہے تو وہ اس کا مقابلہ مغربی مفکرین سے کرتا ہے' ان سے مماثلت کا متلاشی ہوتا ہے اور یوں دوبارہ جدید کے حصار میں پناہ لیتا ہے۔ لیکن میں صرف ضروری نکات پر مشرق ومغرب دونوں کے مفکروں کا حوالہ دوں گا مگر اقتباس صرف اسلامی مفکرین سے پیش کئے جائیں گے۔ ساری گفتگو کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ ہماری ثقافت اپنی الگ قوتِ متحرکہ رکھتی ہے جو نہ دوسری ثقافتوں سے مستعار ہے اور نہ ہی بیرونی اثرات سے پیدا ہونے والے مسلسل ردِ عمل کا نتیجہ ہے میں تو رومی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کہوں گا کہ

دستِ ہر نا اہل بیمارت کند
سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

یعنی ہر نا اہل کا ہاتھ تجھے بیمار کر دے گا۔ ماں کے پاس آ' تاکہ تیری خبر گیری کرے ایمان ایک مفروضہ کا نام نہیں ہے۔ خدا کی ذات پر ایمان ایک طرف ذات کی اکائی کی علامت ہے دوسری جانب فطرت کے ساتھ ہم آہنگی کا احساس ہے۔ جب کہ خدا سے دوری کا مطلب ذہنی مرض ہے' ذہنی مرض عام طور پر ذمہ داری سے فرار ہے' خودنمائی کی ضد اطاعت وسپردگی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ابتداء کرنے والا شخص اپنے آپ کو مکمل طور پر ایسے شخص کی رضا پر چھوڑ دے جو صحت مندانہ حالت میں خدا تک رسائی حاصل کر چکا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو خدا کے ساتھ وحدت کی واردات سے گزرا ہے۔ یہ نیا تعلق جلد ہی خول کو توڑ دیتا ہے اور ایک محافظ اور شفاء پرور شبیہ اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ یہ شبیہ ایک تجربہ کار ناصح یا مرشد کی ہے۔ جسے شیخ کہتے ہیں اہم بات یہ ہے کہ شیخ کی شبیہ کی مدد سے

آپ وارداتِ قلب تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔اس شبہیہ کے طلوع ہونے' رہنما قوت بننے اور معروض عشق ہونے کے لئے پہلا شعاری قدم بیعت (حلف) ہے' یہ ایک علامتی بندھن اور حلفِ سپردگی ہے۔اس کا ہمہ گیر مفہوم ہے۔اس سے مراد ہے کہ نورِ حق شیخ کے ذریعے سالک (مرید) کے وجود میں منتقل ہوتا ہے۔صرف شیخ ہی کے فیض سے شریعت (قانون) اور طریقت (عرفان) شدید تر اور عمیق تر صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

صحبتِ مرداں اگر یک ساعت است

بہتر از خلوت و صد طاعت است

(حقیقی انسان کی صحبت خواہ وہ ایک لمحے کے لئے ہی کیوں نہ ہو بہتر ہے ہزاروں مراقبوں اور دعاؤں سے)

مرشد اور سالک کے مفید اور مقدس رشتے میں سب سے توانا حد یہ ہے کہ سالک اعتراف کرے اور اپنی ہر واردات سے مرشد کو آگاہ کرے خواہ وہ اس واردات میں غم' وسواس' ہوس' غصہ یا حسد غرض کہ کوئی بھی جذبہ رکھتا ہو' اسے اپنے تمام خواب مرشد کو بتانے ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ اپنی کی ہوئی تعبیر بھی کسی قدیم صوفی کا مقولہ ہے۔''سب کچھ دے ڈالو' تاکہ تم کچھ حاصل کر سکو''

وہ معاشرتی حالات' جن میں انسان زندگی گزارتا ہے اور وہ علمی فضا جس میں انسان پل کر جوان ہوتا ہے' دونوں اس اطاعت کی نوعیت اور شدت پر حد درجہ اثر انداز ہوتے ہیں جو مرید پر نافذ کی جاتی ہے۔تضادات کو برداشت کرنا جدید عہد کی نمایاں خصوصیت ہے۔یہی برداشت مرشد اور مرید کے رشتے میں بھی در آئی ہے۔آج کا مرید اپنی تشکیک کے اظہار میں کہیں زیادہ آزاد ہے۔اور وہ قرونِ وسطیٰ کے مقابلے میں کہیں زیادہ الٹے سیدھے سوال مرشد سے پوچھ سکتا ہے۔سلطان المشائخ حضرت نظام الدین

اولیاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں خدا نے اپنی عظیم حکمت سے ہر عہد کو انفرادیت عطا کی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر عہد کے لوگ مختلف عادات اور رسوم کے مالک ہیں اور اس زمانے میں بھی ان کا مزاج اور طرز احساس ان کے پہلے دور کے لوگوں کے مزاج اور اخلاق سے مطابقت نہیں رکھتے۔ بہر حال سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت تک شِفا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب تک بیمار انسان، مرشد کے ہاتھ پر بیعت نہ کرے۔ بعض صوفیاء کہتے ہیں ''جس کا کوئی مرشد نہیں ہو، اس کا مرشد شیطان ہوتا ہے'' کیونکہ مرشد کے ساتھ مرید کا تعلق اسے اپنے وجود کا احساس دیتا ہے۔ یہی احساس بتدریج فروغ پا کر اس کا شعور بن جاتا ہے اور وہ بالآخر روحانی مسرت کی منزل تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ تاہم صوفی بزرگ (مرشد) کا انتخاب پوری توجہ اور احتیاط سے کرنا چاہیے۔ ہر وہ شخص جو شیخ ہونے کا دعوی کرے، حقیقت میں شیخ نہیں ہوتا۔ سالک کو اس حقیقت کا احساس ہونا چاہیے کہ تمام صوفی بزرگ حضرت محمد ﷺ سے نیابت حاصل کرتے ہیں۔

مرشد اپنے مرید کی روحانی بیماریوں کے علاج کے لئے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں۔ ان میں اسمِ اعظم کے ورد اور ذکر کو بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ ذکر وہ علاقہ ہے جہاں شر داخل ہی نہیں ہوسکتا۔ مجاہدہ کے ذریعہ فکری اضطرار کو اخلاقی ارادے کے زیر اثر لایا جاتا ہے۔ اس طرح انسان اپنے خدا کے قریب آ جاتا ہے۔ صوفیاء رشک اور حسد کے باعث جذباتی پریشانیوں کے لئے پیار اور محبت بڑھانے کی تعلیم دیتے ہیں۔ بالخصوص اس شخص سے محبت کا اظہار کیا جانا چاہیے جس سے حسد کیا جا رہا ہو۔ اگر سالک دل پر جبر کر کے اس شخص کو سراہے اور تحفے تحائف بھیجے جس سے وہ حسد کرتا ہے تو رفتہ رفتہ شعوری رویئے کی یہ اختیاری مخالفت محبت بڑھا دے گی یا کم از کم حسد میں کمی کر کے سالک کو منزلِ سلوک میں آگے بڑھنے میں معاون ضرور ہوگی۔

بسا اوقات مرشد اپنے مرید کے غم ناک اور پریشان کن حالات سن کر اسے یوں ہمت دلاتا ہے کہ یہ تجربات کوئی نئے نہیں ہیں بہت لوگ غم کی ان کیفیات سے گزرتے ہیں بالخصوص سلوک کی منازل طے کرنے والے ایسے مصائب سے گزرتے ہی رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ ان مصائب سے اپنی ہمت اور توفیق الٰہی کے سبب کامیاب و کامران نکل آئے تو انشاء اللہ تم بھی ان پریشانیوں کے کڑے امتحان سے باہر آ جاؤ گے اس ضمن میں سالک پر لازم ہے کہ مرشد کی دی ہوئی ہدایات پر عمل کرے۔

غرور، سرکشی اور خود پرستی کا قلع قمع کرنے کے لئے تفکر ایک مفید علاج ہے۔ بعض اوقات ایک شخص جھوٹی انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ ''میں تو جاہل ہوں یا میری کیا حیثیت ہے' ایسی صورت میں مرشد اس کے تزکیہ کے لئے کبھی کبھار اس کی جھوٹی انکساری کا جواب اس طرح دیتے ہیں ''واقعی'' ''تم ایک جاہل انسان ہو'' یا ''تم نے یہ بالکل سچ کہا کہ تمہاری کیا حیثیت ہے'' اس صورت حال میں جھوٹے انکسار کا مظاہرہ کرنے والے کو ایک ذہنی جھٹکا لگتا ہے جو با آسانی اس کے چہرے سے محسوس کیا جا سکتا ہے بہر حال تفکر کی راہ سے سالک اپنے ان امراض قبیحہ کو رفتہ رفتہ ختم کر سکتا ہے۔

بہت سی بیماریوں کے علاج کے لئے صوفیاء خدا سے مکالمہ تجویز کرتے ہیں۔ ہر رات سونے سے قبل سالک کی جانب سے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف اور اپنی بڑی بڑی کوتاہیوں کا بیان، اصلاح کے لئے مفید ہے لیکن یہاں شرط یہ ہے کہ سالک جن بیماریوں کو یک لخت چھوڑ نہیں سکتا' ان کو چھوڑنے کا وعدہ نہ اللہ سے کرے اور نہ ہی مرشد سے کرے البتہ ان کے چھوڑنے کی دعا کرتا رہے۔ اس طرح سالک اپنے قلب میں خدا کی موجودگی محسوس کرتا رہے گا۔ جیسے جیسے اور جتنی برائیاں چھوڑنے کے قابل ہو' اس کے لئے توبہ کر کے چھوڑنے کا عہد کرتا جائے۔ بالآخر وہ بہت سی پریشان کن برائیوں سے نجات پاتا جائے گا۔

درج بالا تمام پہلو اسی صورت میں مفید ہوں گے جب مرشد شیخ کامل ہو، جس کے چیدہ چیدہ اوصاف یہ ہوں گے کہ وہ عام انسانوں کی نسبت علماء اور فقراء میں زیادہ مقبول ہو اس کی گفتگو قدیم شیوخ کے اقوال سے مماثلت رکھتی ہو۔ شریعت مطاہرہ کا پابند اس طرح کا روحانی بزرگ ہو کہ سلسلہ نسب عظیم بزرگوں سے ملتا ہو۔ اس کی صحبت سالک کے لئے روحانی درجات طے کرنے میں معاون ہو۔ الحمدللہ ہم نے جن بزرگوں کے حالات آپ کے سامنے رکھے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی ہواؤں میں اڑنے یا پانیوں پر چلنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ البتہ تینوں بزرگوں کے احوال اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ صحیح النسب ، نجیب الطرفین اعلیٰ کردار و عمل کے غریب پرور، اور مسکینوں سے قریبی تعلق رکھنے والے، اولیاء اور علماء کی صحبت کو مرغوب و محبوب رکھنے والی شخصیات ہیں۔ دراصل یہی وہ حضرات ہیں جن کے لئے سالکین اور مریدین کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ جب ان سے تعلق قائم کریں تو دل میں یہ وثوق رکھیں کہ ان کا شیخ ہی بفضل تعالیٰ ان کی مراد پوری کر سکتا۔ چنانچہ وہ کسی اور شیخ کے پاس جائیں گے تو اپنے مرشد کی برکت اور فیض و کرم سے محروم ہو جائیں گے۔ شیخ سے عشق کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ شیخ کی اجازت کے بغیر شیخ کا تتبع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ بسا اوقات مرشد کو اپنے حال اور مقام کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔ مرید کو مرشد کے عطا کردہ اوراد اور دعائیں جاری رکھنی چاہییں۔ اسے مرشد کی طہارت اور تقدس والی جگہوں، جاءنماز وغیرہ وغیرہ پر پاؤں نہیں رکھنا چاہیے یہاں تک کہ اسے مرشد کی نشست کی طرف پاؤں نہیں کرنے چاہییں اسے مرشد سے کسی خرق عادت اور کرامت کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ اپنے خواب اور شبہات مرشد سے بیان کرنے چاہییں۔ مرشد کی صحبت سے بلا اجازت اٹھ کر نہیں جانا چاہیے۔

مرید اپنے مرشد سے رشتہ ارادت باندھ کر زندگی کا نیا ورق الٹتا ہے وہ ندامت سے

شروع کرتا ہے نفسِ لوامہ (ملامت کرنے والا نفس) وہ روح ہے جو الزام دیتی ہے اور اپنی خامیوں سے آگاہ کرتی ہے۔ یہی ضمیر ہے۔ ایک قوت جو انسان کو اپنے گناہوں پر ندامت کرنے پر آمادہ کرتی ہے سلسلہ چشتیہ کے صوفی ندامت کی تین قسمیں بیان کرتے ہیں۔

1۔ حال کی پشیمانی: اس کا مطلب ہے کہ انسان اپنے گناہوں پر توجہ اور استغفار کرے۔

2۔ ماضی کی پشیمانی: یہ انسان کو دوسروں کے حقوق انہیں واپس دینے کی ضرورت یاد دلاتی ہے، اگر انسان نے کسی کو ناجائز ملامت کی ہو، تو وہ اس سے اپنی زیادتی کی معافی مانگے اگر اس نے بدکاری کی ہو تو خدا سے معافی کا خواستگار ہو۔

3۔ مستقبل کی پشیمانی: اس سے مراد یہ ہے کہ انسان یہ فیصلہ کرے کہ وہ دوبارہ گناہ نہیں کرے گا۔ توبہ کے سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ندامت ہی میں پھنس کر رہ جائے، یا خود رحمی کا شکار ہو، یا اپنی ناقدری کرنے لگے۔ روحانی تبدیلی کا عمل شروع کرنے کے لئے بہترین وہ وقتِ حال ہے یہیں اور ابھی جو بار بار ماضی کا تذکرہ کرتا رہتا ہے تاسف اور ندامت کے ہاتھوں وہ ماضی کا اسیر ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں ''اگر تم سو بار بھی اپنی توبہ توڑ چکے ہو پھر بھی روحانی گوشے کی طرف واپس آ جاؤ''

چنانچہ کہا جا سکتا ہے عصر حاضر میں خانقاہی نظام بشرطیکہ یہ نظام حقیقی اخلاص، خدمت ایثار اور رضائے الٰہی کے تحت چل رہا ہو، کل کی طرح آج بھی ہماری فلاح، تزکیہ نفس اور معاشرہ کی اصلاح کا سبب ہے۔ دعا ہے ربِ کریم اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقہ ہماری اس خانقاہ کو ہمیشہ خدمت خلق اور خدمت اسلام کے لیے نیک نام رکھے۔ دیوان سید آلِ حبیب علیخاں خانقاہی نظام کی خامیوں سے آگاہ اور اس کی اصلاح اور بہتری کے لیے مستعد رہتے ہیں۔ آپ بالخصوص چشتیہ سلسلہ کی درگاہوں کے نظام کو اس کی اصل روح میں کام کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں تا کہ آپ کے اسلاف کا قائم کردہ یہ روحانی نظام مادیت اور دنیاداری کی بھینٹ چڑھ کر بدنام نہ ہو۔

تذکرہ اولاد

آپ کے تین صاحبزادے سید آل وجیہہ پیرزادہ' سید آل فصیح پیرزادہ اور سید آل حماد پیرزادہ ہیں۔ سید آل وجیہہ ان کے ولی عہد ہیں جو ماشاء اللہ ایم اے اسلامیات پنجاب یونیورسٹی کر چکے ہیں اور گاہے گاہے دیوان صاحب کی نیابت کے فرائض ادا کرنے کے مواقع انہیں بھی مل جاتے ہیں جن سے ان کی تربیت کے مراحل طے ہو رہے ہیں۔ ماشاء اللہ اسلاف کے جاری کردہ خانقاہی نظام کی اہمیت اور افادیت سے بخوبی آگاہ ہیں نیز گلشنِ سلطان الہند کی ترقی و ترویج کے کُل امور میں حقیقی دلچسپی لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نبی کریم ﷺ کی نظر عنایت اور اولیائے کرام کے صدقۂ جلیلہ سے امیدِ واثق ہے کہ اپنے منصبِ ولیعہدی میں بحسن و خوبی نکھار لاتے رہیں گے دعا ہے اللہ کریم ان کو صحت و تندرستی' اعتماد اور استقلال کی نعمتوں اور دیگر ضروری صلاحیتوں سے نوازے تاکہ اپنے بزرگوں کے مشن کو آگے بڑھاتے رہیں۔ (آمین) آپ کے دوسرے صاحبزادے سید آلِ فصیح پیرزادہ ہیں جو ایم۔ بی۔ اے فائنل سمسٹر کے طالب علم ہیں۔ آپ کے تیسرے صاحبزادے سید آلِ حماد پیرزادہ ہیں جو ابتدائی طور پر بی۔ کام کر چکے ہیں اور اپنی تعلیم کو جاری رکھتے ہوئے حال ہی میں ایم۔ بی۔ اے میں داخلہ لے چکے ہیں۔ دیوان سید آل حبیب علیخاں مدظلہ العالیٰ کی تین صاحبزادیاں ہیں جن میں بڑی صاحبزادی کی شادی حضرت دیوان صاحب کے بڑے بھانجے برخوردار سید عتیق عادل شاہ سے ہوئی ہے جبکہ دوسری صاحبزادی کی شادی دیوان صاحب کے بھانجے سید آلِ صفی سے ہوئی ہے۔ تیسری صاحبزادی ابھی زیر تعلیم ہیں۔

شجرہ نسب حضرت دیوان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ھوالمعین

الحمدلله الذی کرمنے بالاصلاب العارفین ' نسبنے بالاولیاء الواصلین. والصلواة علی رسوله سیدی وجدی الذی قال اکر مواولادے الصالحون لله والطالحون لی. وعلی آله الذین هم اجدادے سیادالا نا. واصحابه الذین هم اسلافے علی کلهم السلام . اما بعد فھٰذِہٖ السلسلته من ابائے الکرامه التے کانو فیها المشائخ العظام. وهدالذین نورو اقلوب السالکین من کل ضلام سیما سیدے وجدے قطب العالمین نائب رسول الله فی الهند حضرت سیدنا معین الحق والدینالحسن الحسینے الحسنے السنجرے چشتے رضوان الله تعالیٰ علیهم اجمعین . اما بعد . العبد المذنب سید آلِ حبیب علیخاں عفی عنه خلف الصدق سیدآل مجتبیٰ بن عفی عنه خلف الصدق سید آل رسول بن مولانا حکیم پیرزاده سید خورسند علی شهید بن کرامت علی بن سید فضل علی بن سید مسیح الله بن سید حفیظ الله بن سید هدایت الله بن سید عطا الله بن سید ابوالفتح بن سید دیوان علم الدین بن سید ابوالخیربن سید معین الدین ثالث بن سید رفیع الدین بایزید خورد بن سید نور الدین المشهور بالطاهر بن سید تاج الدین بایزید بزرگ بن سید شهاب الدین بن سید کمال الدین حسن احمد بن سید نجم الدین خالد بن سید قیام الدین

بـابـربـال بن سید حسام الدین سوخته بن سید خواجه فخر الدین بن سید
خـواجه خواجگان سلطان الهند غریب نواز حضرت خواجه بزرگ معین
الـحق والـدین حسن سنجری ثمه اجمیری چشتی رضی الله تعالیٰ عنه و
عـنهـم اجـمـعیـن بـن سیـدنـا حضرت خواجه سید غیاث الدین حسن بن
حضرت سید نا کمال الدین بن حضرت سید نا احمد حسین بن حضرت
سیـدنـا سیـد نجم الدین طاهر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراهیم بن سید
اویـس بـن حـضـرت امـام مـوسیٰ کاظم بن حضرت امام جعفر صادق بن
حـضـرت امـام باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت سیدنا سید
شبـاب اهـل جنـه حـضـرت امـام حسین شهید دشتِ کربلا بن حضرت
سیدنا و مولانا امام الائمه زوج بتول حضرت علی مرتضٰی کرم الله تعالیٰ
وجه و رضوان الله علیهم اجمعین و علینا معهم. آمین ثمه آمین.

شجرہ شریف طریقت

یا الٰہی اپنی ذات کبریا کے واسطے
رحم کر مجھ پر محمد مصطفےٰ ﷺ کے واسطے!

میں ہوا ہوں سخت زار اس بندِ محنت میں اسیر
کھول دے مشکل علی المرتضیٰؓ کے واسطے!

خواجہ حسنؒ بصری کا نام لاتا ہوں شفیع
شیخ عبدالواحدؒ اہل بقا کے واسطے!

فضل کر مجھ پر طفیل خواجۂ ابن عیاضؒ!
شاہ ابراہیم بلخی بادشاہؒ کے واسطے!

حضرت خواجہ حذیفہؒ کے لئے تو رحم کر
اور ہبیرہ بصریہ صاحب ھُدیٰ کیواسطے!

خواجہ ممشادؒ کی خاطر مرا دل شاد کر!
شیخ بواسحاقؒ قطب چشتیا کے واسطے!

خواجہ ابدال احمدؒ بو محمدؒ مقتدا
خواجہ بویوسفؒ صاحب صفا کے واسطے

خواجۂ مودودؒ حق اور خواجہ حاجی شریفؒ
خواجہ عثمانؒ اہل اقتدا کے واسطے

والی ہندوستاں خواجہ معین الدین حسنؒ
شیخ قطب الدین قطب الاتقیاؒ کے واسطے!

کام کر شیریں طفیل حاجی گنج شکرؒ
اور نظام الدینؒ محبوب خدا کے واسطے!

کام کر روشن کر طفیل شہ نصیرالدین چراغؒ
اور کمال الدین کمالؒ اصفیا کے واسطے!

دور کر ظلمت سراج الدینؒ و دنیا کے لئے
اور علم الحقؒ ودیں علم الہدیٰ کے واسطے!

حضرت محمود راجنؒ سرور دنیا و دیں
اور جمال الدین جمنؒ صاحب رضا کے واسطے!

شیخ حسنؒ اور خواجہ شیخ محمدؒ کے طفیل!
حضرت یحییٰؒ مدنی مقتدا کے واسطے!

مشکلیں حل کر طفیل شہ کلیم اللہ ولیؒ!
اور نظام الدینؒ مقبول خدا کے واسطے!

دین و دنیا کا وسیلہ پیر عالم فخر دیں
خواجہ نور محمدؒ رہنما کے واسطے!

دین و دنیا کا وسیلہ پیر عالم فخر دیں
حاجی لعل محمدؒ رہنما کے واسطے

حضرت خواجہ سلیمانؒ دو جہاں کے دستگیر
قبلۂ حاجات و کعبۂ مدعا کے واسطے

شیخ بخش اللہ ولیؒ دستگیر دوجہاں قبلۂ حاجات و کعبۂ مدعا کے واسطے

یاالٰہی از طفیل حافظ محمد علی اور فخر عاشقان حسن الزماں کے واسطے

رہنمائے سالکاں و پیشوائے عارفاں شہ محبّ اللہؒ امیر دوسرا کے واسطے

اہل بیتِ خواجۂ اجمیرؒ کا صدقہ خدا سیدخورسند علیؒ باصفا کے واسطے

نجنا من کل سوءٍ عطنا صدق الیقین شہ محمدؒ شاہ فخر چشتیا کے واسطے

یادگار اولیاء ہند اجمیری ولیؒ حضرت دیوانؒ اہل اتقاء کے واسطے

محو کر دل سے میرے نقش وجود غیر کو! شاہ علیؒ خلف محمدؒ باصفا کے واسطے

بے وسیلوں کا وسیلہ سید آل رسولؒ
چشمہ فیض معین حق نما کے واسطے

سید آل مجتبیٰؒ پر ہے سکینہ کا نزول لطف حق ہو اولیاء باصفا کے واسطے

سید آلِ حبیب سجادہ نشین اجمیر پر ہوں کرم کی بارشیں لطف و عطا کے واسطے

سایہ اک رحمت ہوان کا اہل حاجت کے لئے شہ معین الدینؒ شاہِ چشتیا کے واسطے

یا الٰہی کر منور سینۂ آلِ وجیہ تشنگاں کی رہبری رشدو ہدا کے واسطے

خاندانِ چشتیہ کے سب مریدوں کی خدا رکھیو عزت آبرو خیر الوریٰ ﷺ کے واسطے

بخشدے اپنی محبت اور قطع کردے ماسوا برکتِ پیرانِ شجرہ چشتیا کے واسطے

ضمیمہ جات

حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے نام کمشنر اجمیر شریف کا خط
(1927ء)

No: 10 258

Dated Ajmer 25th June 27.

My dear Diwan Sahib,

The Director General of Archaeology in India informs me that the mehrabs of the "Sola Thumba" monument at Ajmer have been painted and renovated with modern colours and asks for an explanation of this.

In this connection I would invite your attention to the agreement entered into by the late Diwan Imamuddin with Government on the 24th November 1910, under condition 5 of which no repairs or renovation of any kind by you are permissible. Will you please, therefore, let me know what explanation should be given to the Director General.

Will you also kindly refrain from carrying out such repairs or renovation in future, as they are objectionable from the Archaeological point of view ?

Yours sincerely,

E C Gibson

To

Diwan Syed Ale Rasul Ali Khan,
Sajjada Nashin,
Durgah Khwaja Sahib,
AJMER.

IA.

مجلس انتظام پائیگاہ خاص کی جانب سے حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں رحمۃ اللہ علیہ کے نام خط

عالیجناب نواب اعانت جنگ معین الدولہ بہادر دام اقبالہم

مراسلہ محکمہ مجلس انتظام پائیگاہ خاص علاقہ شاخ (عمومی) واقع ۵ ماہ بہمن ۱۳۴۵ف ماہ ۱۳۵۵ ہجری

نشان مجاریہ

نشان مثل

نشان مثل مکتوب الیہ

متعلقہ

منجانب مجلس انتظام پائیگاہ خاص

خدمت جناب مولوی السید آل رسول صاحب سجادہ درگاہ اجمیر شریف

مسودہ قانون نسبت املاک درگاہ اجمیر شریف

بمقدمہ صدر تحریر ہے کہ مقامی اخبار رہبر دکن مورخہ شہریور ۱۳۴۵ف کے معائنہ سے واضح ہوتا ہے کہ آنریبل راجہ غضنفر علی رکن مجلس قانونی نے درگاہ حضرت خواجہ اجمیری کی املاک و اوقاف کے انتظام کیلئے ایک مسودہ قانون مجلس قانونی میں پیش کیا ہے چونکہ پائیگاہ ہذا کی املاک بھی وہاں بعض ہیں اس لئے معلوم کرنا ہے کہ اس مسودہ قانون کا اثر کن کن املاک سے متعلق ہوتا ہے۔ سر رشتہ ہذا کو اس مسودہ قانون کی ایک نقل جلد طلب فرما کر روانہ فرمائی جائے فقط

منتظم مجلس

بملاحظہ سابق میں باقی ہونے سے حال میں دفاتر سے حال دریافت نہیں ہوا ——

شجرہ پیشکردہ حال مستدعی حسب ذیل ہے

دیوان سراج الدین علیخان
|
دیوان منیر الدین علیخان
|
دیوان امام الدین علیخان
|
دیوان اصغر علیخان
|
دیوان ذوالفقار علیخان
|
دیوان محتشم علیخان
|
دیوان مہدی علیخان
|
دیوان سراج الدین علیخان
|
دیوان غیاث الدین علیخان
|
دیوان امام الدین علیخان
|
دیوان شرف الدین علیخان
|
دیوان سید آل رسول خان

بملاحظہ مثل سابقہ ماثمی ظاہر ہوا کہ دیوان سراج الدین علیخان و دیوان غیاث الدین خان کی فوتی اور دیوان امام خان متبنیٰ برادر چچازاد کی درخواست پر منظوری معافی ماثمی بعد معلوم ہوئی جس کا اجراء ۱۲ جنوری ۱۹۱۲ء کو ہو چکی ہے ——

اور بتاریخ ۲ اکتوبر ۱۲ دیوان سید امام الدین علیخان کی فوتی اور درخواست دیوان سید شرف الدین علیخان پر بعد معلوم منظوری معافی ماثمی کی ہو چکی ہے ——

بعد ملاحظہ اسناد ماثمی سابقہ چونکہ تجویز دیوانی محکمہ درست ہے ہماری رائے میں دیوانی کو لکھا جاوے کہ حسب تجویز خود

COURT FEE — INDIA — FIFTY NAYE PAISE

COURT FEE — INDIA — TWENTY FIVE NAYE PAISE

بمعافی مطالبہ ہائی جائداد منضبطہ واگذاشت تحریر اعلیٰ کا ماہ بحسب جون

تاریخ یکم جون سنہ ۱۹۲۴ء

دستخط بخط انگریزی

از اجلاس کامل محکمہ محترمہ عالیہ کونسل

حکم ہو کہ

تجویز صفحہ سے اتفاق ہے، جاری ہو پرچہ خلاصہ حکم تختہ پر چسپاں ہو۔

۴ جون سنہ ۱۹۲۴ء

دستخط حکام بخط ہندی - انگریزی - اردو

مہر

دستاویز نمبر ۸

نقل فرمان شاہجہاں بادشاہ بابتہ نشست محافل مشمولہ مثل نمبری ۳۷۰

نمبر رجسٹر درگاہ خواجہ صاحب' مرجوعہ ۱۳ مئی ۱۸۳۷ء منفصلہ ۲ مئی ۱۸۳۸ء

بمقدمہ شیخ سعادت علی وکیل صاحب سجادہ درگاہ مدعی وعبدالواحد پدر چشتی بخش مدعا علیہ

دعوی نشستن ہنگام مجمع محفل حضرت خواجہ صاحب' حسب درخواست عبدالقادر بیگ ایڈووکیٹ

ذریعہ منشی نیازالدین

حسب الحکم جناب صاحب کلکٹر بہادر قسمت اجمیر میرواڑہ

مہر عدالت کلکڑی — نقل مطابق اصل باعتبار مقابلہ

بادشاہ غازی — دستخط بخط انگریزی

بندہ شاہجہاں — ۴۰-۱۲-۲۱ — محافظ دفتر کلکوی ضلع اجمیر

جلال محمد

یا ا د ا شت

چند اسامی ارباب وظائف وحفاظ ومولودخوانان ومشائخ ہائے علما وغیرہ بنظر اشرف اقدس اعلیٰ ہر کہ سند وحکیم جہانمطاع آفتاب شعاع لائق العنایت حضور لامع النور برائے نشست مجلس شب پنجشنبہ ہائے عرس مبارک باینہا بہ تفصیل سرفراز شد

بادشاہ غازی — مہر کلاں

آقا محمد بندہ شاہجہاں

سجادہ نشین نبیرہ

الیمین

شیخ عبدالملک وشیخ شہاب نبیرہ حضرت

ابراہیم ابن ادہم

وبعدان سید زاہد وبعدان مولنا شیر محمد

وبعدان حافظ محمد علی خطیب

وبعدان حافظ اسمعیل وبعد حافظ رزق اللہ

وبعدان حافظ محمد عاشق وبعد حافظ عبدالغنی

الیسار

داروغہ بلغور خانہ یعنی متولی سرکار

وبعدہ مشرف سرکار مذکور

وبعدان سید ابوالمعالی علماء ومشائخ

وبعدہ مولانا جمال محمد وبعدہ قاضی سلطان

نبیرہ قاضی حمیدالدین ناگوری

وبعدہ شاہ سراج الدین مشائخ وبعدہ

وبعد حافظ ولی محمد وبعدہ حافظ یار محمد
وبعدان جماعہ مولودخوانان شاہ محمد وغیرہ
بعدہ حافظ تاج محمد وبعدہ سبحان
وبعدہ جمال خاں وبعدہ دان
وبعدہ یعقوب وبعدہ عبدالرحیم

سید جیون
وبعدہ جماع مولودخوانان وشیر اللہ وغیرہ
وبعدمحمد باقر وبعدہ محمد عابد
وبعدہ عنایت وبعدہ شریف
وبعدہ دوست محمد وبعدہ برخوردار
وبعدہ جماعہ الہ دین ومسکیں قوالاں وغیرہ

وبعدنماز جمعہ بوقت فاتحہ اندرون گنبد شریف سجادہ نشیں یمین اومتولی وبعدہ شرف سرکار ودیگر کے از منصب داران سرکار صوبیدار بہ سمت یسار شیخ عبدالملک وشیخ شہاب وبعدہ حافظ میر محمد وبعدہ حافظ صادق وبعدہ حافظ محمد علی خطیب وبعدہ حافظ اسمٰعیل وبعدہ حافظ رزاق اللہ وبعدہ حافظ عاشق وبعدہ حافظ عبدالغنی وبعدہ حافظ ولی محمد فقط
تحریر فی التاریخ پنجم شہر رمضان المبارک ۲ جلوس میمنت مانوس قلمی شد
مقابلہ نمودہ شد

دستاویز نمبر ۹

نقل سند نشست مجلس پنجشنبہ وغیرہ بمہر متولی جلال محمد و محمد مصطفےٰ
مشرف روضہ منورہ

الله الله
محمد
خادم شرع رسول
قاضی
ظہور ۱۱۳۰

ص حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ

حکم جہاں مطاع آفتاب شعاع ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی حضرت صاحب' قرآں ثانی خلد الله ملکہ وسلطنتہ شرف صدور وغرور و دیافت کہ چند اسامیاں اکابرزادہ شریف ونجیب ساکنان اجمیر در محافل منیف شب اعراس مجلس قل و پنجشنبہ وغیرہ در روضۂ منورہ حضرت قطب الاقطاب مقرب بارگاہ جبروتی ص بتفصیل ذیل بر نشست سرفراز وممتاز شدند چنانچہ حسب الحکم اشرف اقدس اعلیٰ سند نشست محافل شریف بایشان نوشتہ دادہ می شود کہ علی الدوام بافرزندان موافق سند ہذا ہر کدام بر نشست خود ہا قائم باشد

سجادہ نشین نبیرۂ حضرت قطب الاقطاب

الیمین	الیسار
مشیخت مآب فضیلت اکتساب شیخ عبدالمالک	داروغۂ بلغور خانہ یعنی متولی درگاہ ہر کسے کہ از سرکار مقرر شود
نبیرۂ حضرت سلطان ابراہیم ادہم قدس اللہ سرہٗ	وبعدہٗ مشرف سرکار روضۂ منورہ
بعدہٗ مشیخت مآب شیخ شہاب وبرادر شیخ موصوف	بعدہ ابو المعالی نبیرۂ مودود چشتی قدس سرہٗ
بعدہ سید زاہد نبیرۂ حضرت محبوب سبحانی قدس سرہٗ	بعدہٗ مولینا جمال محمد بعدہ قاضی سلطان نبیرۂ حمید الدین ناگوری قدس اللہ سرہٗ
بعدہ مولینا شیر محمد نبیرۂ حضرت باوا فرید	بعدہ شاہ سراج الدین بعد سید جیون
بعدہ حافظ محمد علی خطیب	بعدہ عنایت وبعدہ شریف
بعدہ حافظ محمد عاشق وبعدہ حافظ عبدالغنی	وبعدہ جماع دیگر مولود خوانان شیر اللہ وغیرہ
وبعدہ جماع مولود خوانان شاہ محمد وغیرہ	

بعدہ حافظ تاج محمد بعدہ اسحق
بعدہ دوست محمد وبعدہ برخوردار

بعدہ جمال خاں بعدہ دان
وبعدہ سبحان فرید قوال

بعدہ یعقوب بعدہ عبدالرحیم
بعدہ الہ دین مسکین وبعدہ دانا گیانا قوالان

وبعد نماز جمعہ بوقت فاتحہ اندرون گنبد شریف ونیز بہ یوم عیدین وقل از صاحب سجادہ بسمت یمین متولی و دیگر کسان مرقوم الصدر کہ بسمت یسار بودند از صاحب سجادہ بسمت یسار شیخ عبدالملک وغیرہ مرقوم الصدر کہ درسمت یمین بودند خواہند نشست

تحریر فی التاریخ یازدہم ماہ رمضان المبارک ۱۰۷۸ ہجری

نذر عقیدت

بحضور لامع النور سرکار عالی وقار سجادہ نشین سلطان الہند
غریب نواز حضرت دیوان سید شاہ آلِ رسُول علی خاں صاحب
دامت برکاتہم بتقریب تشریف آوری حضور ممدوح

در

اجلاس سی وسوم (۳۳) جامعہ نعیمیہ مُرادآباد
منعقدہ ۳ نومبر ۱۹۴۳ء منجانب عقیدت کیشان مرادآباد
(مطبوعہ قادری پریس مرادآباد)

ناشر مولانا عمر صاحب نعیمی مہتمم جامعہ نعیمیہ

تعارف

حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی

کی دعوت خاص پر سالانہ تقریب دستار بندی مدرسہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں حضرت شیخ المشائخ دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ بطور مہمان خصوصی تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت جن طلباء کی دستار بندی فرمائی ان میں مشہور شخصیات مولانا محمد حسین نعیمی صاحب اور جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری صاحب کی دستار بندی بھی فرمائی۔

''گلشن سلطان الہند اجمیری'' میں اس منظوم کتابچہ کی ایک بار پھر طباعت کر کے وابستگان خواجہ اجمیر کی تسکین کا سامان کیا جا چکا ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ اب اس نذرانہ عقیدت کو ضمیمہ کی شکل میں اس کتاب میں محفوظ کر لیا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جذبات صادقہ جناب' مولانا مولوی آل حسن صاحب مرادآبادی

پوچھتے کیا ہو نشان خواجہ	آنکھ سے دیکھ لو شان خواجہ
کیا کروں وصف بیان خواجہ	ذکر حق وردِ زبان خواجہ
نور پھیلا تھا جہاں میں ہر سو	کیا مبارک تھا زمان خواجہ
دین برحق کے علمدار ہیں آپ	خوب اونچا ہے نشان خواجہ
اونچے اونچے بھی یہاں جھکتے ہیں	اتنا اونچا ہے مکان خواجہ
دین و ملت کی حفاظت کو سدا	کھنچتی رہتی ہے کمان خواجہ
آج ساقی کو مگر دیکھ لیا	مست ہیں بادہ کشان خواجہ
آئے سجادہ نشین اجمیر	مظہر عزت و شان خواجہ
میں ہی اک اُن کا نہیں آل حسن	یہ جہاں سب ہی جہان خواجہ

نذر عقیدت از استاد قاضی شہاب الدین صاحب اثر مرادآبادی

آئے سجادہ نشین درِ سلطان آئے	آئے اجمیر کے سرکار کے دیواں آئے
جن کی صورت سے نمایاں ہے جمال خواجہ	مطلع چشت کے وہ نیر تاباں آئے
دولتِ چشت کو دُنیا میں لٹانے کیلئے	منبع جود و سخا صاحب عرفاں آئے
جن کے قدموں میں ہے لپٹی ہوئی جنت کی بہار	شکر ہے باغِ نعیمی میں وہ سلطان آئے
چشتیو آج تو بھر جائیں گے دامان مراد	گلشنِ خواجہ کے جان چمنستان آئے
آج محروم سعادت نہ رہے کوئی اثر	کہ یہاں کشور اجمیر کے سلطاں آئے

وله

شوکت چشتیاں ہیں آل رسول	خواجۂ خواجگاں ہیں آل رسول
ہیں یہ دیوان دولت اجمیر	صاحب عزو شاں ہیں آل رسول
مظہر شان خواجۂ اجمیر	فخر سجادگاں ہیں آل رسول
مرحباً قسمتِ مراد آباد	جلوہ فرما یہاں ہیں آلِ رسول

مئے عرفاں لٹا رہے ہیں آج	ساقی مہرباں ہیں آلِ رسول
نونہالِ جناب خواجۂ ہند	یہی عظمت نشاں ہیں آلِ رسول
اُن کے قدموں میں برکتیں ہیں اثر	راحتِ بیکساں ہیں آلِ رسول

وله

آفتابِ چشتیاں آلِ رسولؐ	خواجۂ صد خواجگاں آلِ رسول
صاحب سجادۂ دیوان خاص	ہیں یہی فخر زماں آلِ رسول
خواجہ کی شانیں ہر اک انداز سے	آپ ہی میں ہیں عیاں آلِ رسول
یہ مراد . آباد نے پائی مراد	شکر ہے آئے یہاں آلِ رسول
چشت کی دولت کے والی آپ ہیں	صاحب صد عزوشاں آلِ رسول
خواجۂ اجمیر کے نائب ہیں آپ	دستگیر بے کساں آلِ رسول
ہم غریبوں پر بھی اک چشم کرم	از طفیل خواجگان آلِ رسول
رحمت و برکت تمہاری عام ہے	فیض بخش دو جہاں آلِ رسول
اک غلام چشت ہے عاجز اثر	آپ کا یہ مدح خواں آلِ رسول

وله

شوکت دربار خواجہ شانِ خواجہ آ گئے	آ گئے الحمدللہ جانِ خواجہ آ گئے
آج قسمت پر بجا ہے جس قدر نازاں ہوں ہم	صاحب سجادۂ دیوان خواجہ آ گئے
چشتیاں ہند کے سرتاج ولیوں کے ولی	آ گئے وہ مظہر عرفانِ خواجہ آ گئے
جن کی گلیوں کے بھکاری صاحبانِ عزوشاں	نائب سلطان ملت شانِ خواجہ آ گئے
پھول برساتے چلیں گے راہ میں ایسا اثر	اُن کے استقبال کو مستانِ خواجہ آ گئے

وله

چشتیو آج پیو چشت کے پیمانے سے	کہ گھٹا آئی ہے اجمیر کے میخانے سے
مرحبا صاحب سجادہ اجمیر شریف	تازگی روح نے پائی ہے ترے آنے سے

نگہِ ساقی اجمیر پہ قرباں ہونے	حور جنت سے پری آئی پری خانے سے
کرم و فیض کے چشمے ہوئے جاری ہر سو	جانِ خواجہ ترے قدمو نکے یہاں آنے سے
دیکھ کر حسن تجلی رُخ آلِ رسول	مستیاں کم نہیں ہوتیں دل دیوانے سے
کرمِ عام ہو ہر سمت ترا ساقی چشت	جائے پھر کیوں کوئی پیاسا ترے میخانے سے
جلوہ فرما مہ اجمیر رہے دل میں اثر	شمع لو اپنی لگائے رہے پروانے سے

معروضات واخلاص مولنا الحاج حافظ محمد نذیر الاکرم صاحب اکرم متعلم جامعہ نعیمیہ مرادآباد

باغِ خواجہ کے نونہال آئے	صاحب عزت و کمال آئے
فلکِ چشت کے مہٗ تاباں	بزم عرفاں کے خوش جمال آئے
شانِ خواجہ عیاں ہے صورت سے	وہ حسیں صاحب جمال آئے
فیض بخشِ زمانہ آلِ رسول	مالکِ گنج لازوال آئے
دیکھ لے اُن کو اے نگاہِ شوق	حسن خواجہ کا جب خیال آئے
مرحبا نائب غریب نواز	آئے باشوکت و جلال آئے
اُن کے فیضِ کمال سے اکرم	آئے ہو کر سبھی نہال آئے

ترحیب مقدم نائب سلطان الہند مولانا سید آلِ رسول علیخاں دامت برکاتہم من قلم المولوی شائق احمد متعلم الجامعۃ النعیمیہ

مرحبا اھلا و سھلا مرحبا	مرحبا آل الرسول المصطفی
طاب لمشاك لقد شرقتنا	بالنزول فی اراضی دارنا
موطی اقدامك احد اقنا	منزلك قلبنا اروا حنا
وجهك بدر منیر للقوه	رویتك احسن اعیاد دنا
انت ابن المصطفی صدر الوری	انت بن فاطمه خیر النسا
زبن الله بك دور العلوم	نصر الله بك وض الهدی
شاهتك جاءك آل الرسول	قائلا اهلا و سهلا مرحبا

اظہار نیاز باآداب اخلاص ازمولوی شائق احمد صاحب شائق متعلم جامعہ نعیمیہ مرادآباد

ہم پہ بھی اک نگاہ آلِ رسول	تم ہوشاہوں کے شاہ آلِ رسول
اور انجم ہیں جو مشائخ ہیں	آپ اُن میں ہیں ماہ آلِ رسول

خواجۂ خواجگان کے نائب ہو — تم نے پایا یہ جاہ آلِ رسول
زیب سجادۂ معین الدین — زینتِ خانقاہ آلِ رسول
کس زباں سے بیاں کرے واصف — آپ کا عزو جاہ آلِ رسول
مرجع سالکانِ اہل طریق — ہادئ دیں پناہ آلِ رسول
بوسہ گاہِ مشائخ چشتی — آپ کی پائے گاہ آلِ رسول
رُخ پُر نور کی بہاروں پر — ہوں فدا مہر و ماہ آلِ رسول
حُسن رُخ دیکھ کر برہمن بھی — بول اٹھے لا الٰہ آلِ رسول
یہ بزرگی یہ شان یہ عظمت — واہ واہ واہ آلِ رسول
ہو گیا آج یہ مراد آباد — آپ کی جلوہ گاہ آلِ رسول
آپ سے جو ہمیں عقیدت ہے — حق ہے اُس کا گواہ آلِ رسول
خوش و خرم رہیں زمانے میں — آپ کے خیر خواہ آلِ رسول
آپ کے دوست سب رہیں شاداں — اور اعدا تباہ آلِ رسول
آپ کے صدقے میں ہوں شائق کے — محو سارے گناہ آلِ رسول

نذرِ عقیدت از جناب منشی شوکت حسین صاحب شوکت مُرادآبادی

مبارک ہو کہ دیوان در دربار آئے ہیں — بہار معرفت کے مالک و مختار آئے ہیں
ضیا پاش جہاں پھر کیوں نہ ہوں انوار خواجہ کے — کہ وہ بحر سخاوت کے دُرِ شہوار آئے ہیں
یہ سجادہ نشین بار گاہ حضرت خواجہ — بڑی سرکار سے آئے بڑے سرکار آئے ہیں
حقیقت آشنا بھی واقف راز شریعت بھی — طریقت معرفت کے حامل اسرار آئے ہیں
لٹا دیں پھر نہ کیوں قدموں پہ اُن کے دولتیں ساری — کہ گنجِ معرفت کے قاسم و مختار آئے ہیں
مبارک چشتیوں جانِ جہانِ چشتیاں آئے — مبارک ہو مبارک چشت کے سردار آئے ہیں
نگاہیں فرش راہ حضرت والا ہیں اے شوکت — کہ ہم بھی آرزو لے کر پئے دیدار آئے ہیں

نمیقہ ارادت کیشی منجانب صوفی صابر اللہ شاہ صاحب چشتی نظامی اشرفی مُرادآبادی

خواجۂ اجمیر کے دیواں صاحب آئے ہیں — برکتیں دونوں جہاں کی ساتھ اپنے لائے ہیں

اے مراد آباد والو تم کو مژدہ ہو کہ آج	نورعین و نونہال و جانِ خواجہ آئے ہیں
کیوں نہ ہوں پھر سب بہاریں مشک بیز وعطر پاش	آج سجادہ نشین باغ عرفاں آئے ہیں
آپ کے قدموں کے باعث آج اے آلِ رسول	اس نعیمی باغ پر رحمت کے بادل چھائے ہیں
صابری ہوں یا نظامی اشرفی فخری کوئی	آپ ہی کے در کے سب کہلائیں گے کہلائے ہیں
بابِ عالی سجدہ گاہ چشم و جان اولیاء	اس جگہ شاہان عالم سر جُھکاتے آئے ہیں
ہو کرم کی اک نظر للہ اے آلِ رسول	رنج وغم کے ہیں دل مضطر پہ بادل چھائے ہیں
دیجیئے اک جامِ عرفان بہر خواجہ دیجیئے	آج سارے بادہ کش یہ عرض اپنی لائے ہیں
مانگ صابر اُن سے ہی تو' ہیں یہ اُن کے جانشین	جن کے در سے مانگنے والے مرادیں پائے ہیں

ولولہ خاطر مسکین مولوی محمد عبدالمتین ابن مولوی مفتی عبدالرشید خان صاحب ناظم جامعہ عربیہ اسلامیہ ناگپور

مرے آقا ہو تم دیوان صاحب	مرے مولا ہو تم دیوان صاحب
میں اک ادنیٰ غلام آستاں ہوں	مرے خواجہ ہو تم دیوان صاحب
کروں میں کس سے اپنی عرض حاجت	مرے ملجا ہو تم دیوان صاحب
تمہارے فیض سے پلتے ہیں لاکھوں	بڑے داتا ہو تم دیوان صاحب
حضور خواجہ کی مسند پہ بیشک	بہت زیبا ہو تم دیوان صاحب
یہ چہرہ مظہرِ انوار خواجہ	ملک سیما ہو تم دیوان صاحب
وہی چاہیں جنابِ خواجۂ ہند	جو کچھ بھی چاہو ہو تم دیوان صاحب
زیارت آپ کی خواجہ کا دیدار	کہ ظل اُن کا ہو تم دیوان صاحب
دُعائیں دیجیئے عبدالمتیں کو	کرم فرما ہو تم دیوان صاحب

پیشکش ارادت واخلاص جناب عاشق حسین صاحب عاشق مرادآبادی

لگی رحمت کی ہیں جھڑیاں عجب ایک نور چھایا ہے	الٰہی انجمن میں آج ایسا کون آیا ہے
مرادیں کیوں نہ حل ہوویں اُمیدیں کیوں نہ بر آئیں	کہ جب ایسے بزرگوں کا ہمارے سر پر سایہ ہے
انہیں قدموں کے جلوؤں سے لگیں ہیں نور کی جھڑیاں	انہیں قدموں نے ساری انجمن کو جگمگایا ہے
نہیں ہے شک ذرا اس میں یہ ہیں اولاد میں اُن کی	جنہوں نے کربلا میں خون کا دریا بہایا ہے
مزا ہے ان کے جینے کا بڑی تقدیر والے ہیں	مرے آقا جنہیں دامن تمہارا ہاتھ آیا ہے

میسر ہوتی کب زیارت ہمیں ایسے بزرگوں کی
ترقی ہو انہیں یارب تمہیں جس نے بلایا ہے

یہ سجادہ اُن آقا کے یہاں تشریف لائے ہیں
دلی ہیں ہند کے اجمیر کو جس نے بسایا ہے

بہت چکرا رہی ہے آج کل تقدیرِ عاشق کی
بس اک ٹھوکر لگا دیجئے اسے غم نے ستایا ہے

ہدیہ تہنیت منجانب مولوی غلام معین الدین عرف مخدوم میاں فروغ اشرفی متعلم جامعہ نعیمیہ مراد آباد

جنہیں آنکھیں ڈھونڈتی تھیں وہی تاجدار آئے
کبھی منتظر تھے جن کے وہی شہر یار آئے

کھلے پھول اس چمن کے کھلے بخت جامعہ کے
شہ ہند کے یہ دیواں شہ ذی وقار آئے

بنا ذرہ ذرہ گلشن ہوا خارخار گلبن
جو ہمارے اُجڑے گھر میں یہ شہ بہار آئے

ہیں بھکاری جن کے در کے کبھی تخت و تاج والے
وہی تاجدار آئے وہی شہر یار آئے

یہی مظہر جمال شہ خواجگاں ہیں حضرت
کہ جو اپنے ساتھ برکت لئے بیشمار آئے

وہ رسول کے ہیں پیارے وہ بتول کے دُلارے
وہ جناب مرتضیٰ کے دُرِ شاہوار آئے

یہی واقفِ حقیقت یہی سالکِ طریقت
کہ رموزِ معرفت کے یہی راز دار آئے

ملے آج جام وحدت دَر شاہ سے انہیں ابھی
اسی آرزو میں حضرت کبھی بادہ خوار آئے

مرے جانشینِ خواجہ بطفیل اشرفی تم
دَر پاک پر بلا لو کہ مجھے قرار آئے

میں فروغ اشرفی ہوں مرا قلب مضطرب ہے
جو کرم کی اک نظر ہو تو اسے قرار آئے

ولہ

ہے [illegible] نائب خواجہ مراد آباد میں
بہ رہا ہے فیض کا دریا مراد آباد میں

لا رہی ہے نکہت اجمیریاں بادِ سحر
یا گل اجمیر آ پہنچا مراد آباد میں

ہر گلی کوچہ یہاں کا رُوکش اجمیر ہے
کھچ گیا اجمیر کا نقشا مُراد آباد میں

برسر جودو کرم آیا کوئی ابر کرم
چشتیت کا بہہ چلا چشما مراد آباد میں

ہو گئے' یک لخت بیخود ایسے کیوں مستانہ وار
دیکھنے والوں نے کیا دیکھا مراد آباد میں

آپ کے جلوے کو دیکھا جس نے اے آلِ رسول
ہو گیا وہ آپ کا شیدا مراد آباد میں

دیکھ کر دیوان صاحب کو پکار اُٹھا فروغ
جلوہ گر ہے نور خواجہ کا مراد آباد میں

نذر عقیدت از جناب صوفی امداد حسین صاحب نصرت ہدایتی مرادآبادی

مطلع اجمیر سے چمکا منور آفتاب ‏— آسمان ہند کا خورشید خاور آفتاب

نیراعظم جہاندارِ فضائے چشتیاں ‏— واقفِ رازِ طریقت دیں کے رہبر آفتاب

خیرہ آنکھیں ہو گئیں افواج کی اس نور سے ‏— آیا لیکر ہے شعاعوں کا وہ لشکر آفتاب

اجتماع سیارگاں کا ہے نعیمی بزم میں ‏— آج طالع ہو رہا ہے انجمن بر آفتاب

مشتری زہرہ عطارد اور قمر سب ہم رکاب ‏— ماسوا اُن کے بھی کتنے ماہ پیکر آفتاب

گوشہ گوشہ میں ضیا ہے خاندانِ چشت کی ‏— چپہ چپہ کر گیا پُر نور گھر گھر آفتاب

ہیں علیخاں سے ملقب نام ہے آلِ رسول ‏— فقر میں دیوان صاحب اور تونگر آفتاب

ہے جھلک خواجہ معین الدین حسن کی دیکھ لو ‏— بوسہ دیتا ہے اسی طرح جبیں پر آفتاب

پیشواؤں کا تصدیق ہووے نصرت کو نصیب ‏— سایہ انوار حق ظلِ پیمبر آفتاب

معروضات اخلاص مولانا الحاج حافظ محمد نذیر الاکرم صاحب اکرم متعلم جامعیہ نعیمیہ مراد آباد

کون کہتا ہے اثر کچھ بھی نہیں فریاد میں ‏— کون کہتا ہے نہیں جذبہ دل ناشاد میں

آگئے دیوان صاحب سب تھے جنکی یاد میں ‏— نورِ خواجہ دیکھ لیجئے اب مراد آباد میں

رکھتے ہیں نعلین جس کی اپنے سر پر بادشاہ ‏— لو وہ ہستی آ گئی ہے اب مرادآباد میں

حضرت صدر الافاضل کا یہ سارا فیض ہے ‏— جامعہ کا ذرہ ذرہ ہے نبی کی یاد میں

وہ مہ برج ولایت آئے ہیں آلِ رسول ‏— فیض باطن ہی نمایاں جن کے ہر ارشاد میں

جانشین خواجۂ اجمیر سب کے دستگیر ‏— کام آتے ہیں ہماری مشکل و افتاد میں

بارشیں انوار کی ہیں آج اکرم ہرطرف ‏— بادشاہ چشتیاں آئے مُراد آباد میں

عرض نیاز از جناب ابن اثر محمد امیر
الدین صاحب امیر مرادآبادی

اے جانشین خواجہ دُنیا کو جگمگا دے ‏— سارے جہاں کو جلوہ گاہِ کرم بنا دے

ایک بار شانِ خواجہ عالم کو پھر دکھا دے ‏— رُخ سے نقاب اُٹھادے رخ سے نقاب اُٹھادے

ہوش جہاں مٹا دے پھر بجلیاں گرا دے

آلِ رسول کر دے امداد بے کسوں کی
لائی تجھے یہاں تک اب یاد بے کسوں کی
جائے نہ یہ تمنا برباد بے کسوں کی
سلطان چشت سن لے فریاد بے کسوں کی

اُٹھ اب طفیل خواجہ دُنیا کو آسرا دے

اے چشتیوں کے آقا اے صاحب کرامت
تیرے ہی ہاتھ میں ہے عرفاں کی آج دولت
داتا کریم مولا اے مظہر سخاوت
سلطانِ ہند کی ہے سب تجھ میں شان وشوکت

دریائے فیض خواجہ عالم میں پھر بہا دے

طاقت بیان کی ہو گر کچھ مری زباں میں
اُنصر کی ہیں صدائیں فریاد بیکساں میں
عرضِ نیاز شامل ہو غم کی داستاں میں
ظلِ کرم کو اپنے اب عام کر جہاں میں

تو مضطرب دلوں کو اب پُر سکوں بنا دے

لایا ہوں تیرے در تک عرضِ نیاز خواجہ
اے جانشین خواجہ اے فخر و ناز خواجہ
ظاہر ہے میرے دل کا سب تجھ پر راز خواجہ
ابن اثر کے آقا بیکس نواز خواجہ

میرے شکستہ دل کو اللہ آسرا دے

معروضات اِخلاص مولانا الحاج حافظ محمد نذیرالاکرم صاحب اکرم

جانِ جہان چشت اِدھر دیکھ تو سہی
تیری طرف ہے سب کی نظر دیکھ تو سہی

ہے تیری جستجو میں تمنا لئے ہوئے
ہر ہر نگاہ شام و سحر دیکھ تو سہی

آلِ رسول خواجۂ صد خواجگانِ ہند
سوئے غریب و خاک بسر دیکھ تو سہی

ہاں تیرے فیضِ عام کا چرچا جہاں میں ہے
میری طرف بھی ایک نظر دیکھ تو سہی

خواجہ کے جانشین کو لایا ہے کھینچ کر
پہنچا کہاں دُعا کا اثر دیکھ تو سہی

			اے نیر کمال تیری ہر نگاہ پر	
	قربان صد ہزار نظر دیکھ تو سہی			
			دیوانِ خواجہ آئے ہیں اکرم خدا کی شان	
	یہ جلوہ پاش شام و سحر دیکھ تو سہی			

نذرعقیدت

جناب منشی شوکت حسین صاحب شوکت مرادآبادی

			عالمِ شوق دیکھ یہ انوار چشت دیکھ	
	آ رہے ہیں آج نائب سرکار چشت دیکھ			
			باقی ہیں ایک مہر منور کی شکل میں	
	انوار چشت دیکھ یہ آثارِ چشت دیکھ			
			ہر ہر نظر ہے بخشش و اکرام کیلئے	
	یہ فیض عام و لطف گہر بار چشت دیکھ			
			بھر دیتے ہیں کرم سے ہر اک دامن مراد	
	وہ قاسم بہار وہ مختار چشت دیکھ			
	شوکت وہ آستانہ انوار چشت دیکھ		چل تو بھی اپنی آروزئے دل لئے ہوئے	

عرض نیاز' از جناب قاضی امیرالدین صاحب ابن اثر مُرادآبادی

اے صاحب ایمان آ اے نیر عرفان آ — اے خواجہ ؒ اجمیر کے سجادہ دیوان آ

خواجہ کے لطف عام کی سب کو دکھانے شان آ — اے چشتیوں کے بادشاہ اے سرور و سلطان آ

آ رحمت غفار آ آ رحمت سُبحان آ

خواجہ تیری فرقت میں ہم رنج و الم کب تک سہیں — بے چین' ہیں تیرے لئے ہم غم کے مارے کیا کہیں

دیدار حسن و ناز کی حاصل ہو اب دولت ہمیں — تیرے کرم کی عام ہوں سارے جہاں میں بخششیں

آ لطف فرمائے جہاں ہم پر بھی ہو احسان آ

مدہوش ہے سارا جہاں آنے سے اب تیرے لیے بیٹھے ہیں سب وحشی تیرے باہوش اب دامن لئے
قربان جان و دل سبھی اہل نظر نے کر دیئے ہر ہر نظر ہے فرش رہ اُن پاک قدموں کے لئے

مہر کرامت باش اے چشتیوں کی جان آ

معرفت جان جہانِ چشتیاں جلوہ دکھا مضطر بنا پردہ اٹھا ہو جا عیاں
آ بیٹھا ہے چھپ کر کہاں اے خواجۂ صد خواجگاں ہے منتظر تیرا جہاں

آ تجھ پہ جاں قربان آ' آ تجھ پہ جاں قربان آ

اللہ کی قدرت ہے عیاں قسمت مراد آباد کی اب اوج پر ہے بے گماں
ہے سارا زمانہ شادماں حاضر ہے استقبال کو تیرا امیر ناتواں !

اس پر نگاہِ لطف کر اے خواجۂ ذی شان آ

اظہار حق

خادم ملک وملت
محی الدین اجمیری

ایک غلط خیال کی اصلاح

رسالہ ''اظہار حق'' وانکشاف حقیقت پر دستخط کنندگان میں ایک میرا نام بھی شامل ہے۔ یہ تمام واقعات وحالات نہ صرف یہ کہ میرے معائنہ میں آ چکے ہیں بلکہ ایک ایک واقعہ کی صحت اور اُس کے مکمل ثبوت کا میں اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتا ہوں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اس قسم کے فرقہ وارانہ معاملات میں کسی قومی سوسائٹی کے ذمہ دار شخص کو حصہ نہیں لینا چاہیے میں خود ایک عرصہ تک اس اصول کا نہ صرف حامی بلکہ حامل رہا۔ اور میں نے اپنے آپ کو بہت سے ایسے مواقع پر غیر جانبدار رکھا۔ لیکن کچھ عرصہ سے میں نے محسوس کرلیا ہے کہ یہ اصول غلط اور اس کا پابند جرم حق پوشی کا مرتکب ہے''

ایک انسان کے لئے سب سے مقدم اور اعلیٰ ترین فرض یہ ہے کہ وہ بلا خود وخطر حق کی حمایت کرے۔ اور اس راہ میں کسی ملامت وطعن کی پرواہ نہ کرے۔

اگر کوئی نیشنل سوسائٹی یا قومی مجلس ''اظہار حق'' سے مانع ہو تو مرا خیال ہے کہ ایسی سوسائٹی یا جماعت میں شرکت ایک جرم ہے۔ معصیت ہے اور سنگین گناہ ہے۔ خلافت کمیٹی یا تبلیغ کمیٹی اگر ''اظہار حق'' سے مانع ہو سکتی ہیں تو میں اپنی فرصت کے پہلے لمحہ میں اُن سے قطع تعلق کے لئے تیار ہوں''۔

میں نے اپنی ذاتی ذمہ داری پر ایک شہری کی حیثیت سے اس خدمت کو انجام دیا ہے۔ اور اپنے نام کے ساتھ کسی سوسائٹی کے عہدہ کے استعمال کی ضرورت نہیں سمجھی ہے۔ اگر ذاتی حیثیت سے بھی میرا یہ فعل اور حمایت حق دائرہ اعتراض میں آ سکتی ہے تو میں تہیہ کر چکا ہوں کہ خلافت وتبلیغ کی ورکنگ کمیٹیز یا اُن کے اسی غرض کے لئے بُلائے ہوئے کسی پبلک جلسہ کے مطالبہ پر فوراً استعفےٰ داخل کردوں گا اور پراونشل خلافت کمیٹی وجمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ اجمیر کی سیکرٹری شپ سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ فقط

خادم ملک وملت

محی الدین اجمیری عفا اللہ عنہٗ

اپریل ۱۹۲۷ء

فہرست مضامین اظہار حق وانکشاف حقیقت

۱۱۔ سجادہ نشین صاحبِ حال کے نسب کی تحقیق اور اُس کے ضمن میں خواجہ میر مسیح اللہ صاحب نبیرۂ حضرت خواجہؒ کی اولاد کی تفصیل اور اس باب میں جاگیر گانا ہیڑہ کے مصدقہ دس سالہ کاغذات بندوبست و کیونڈش صاحب بہادر کی تحقیق متعلق موضع دلواڑہ دگانا ہیڑہ کا حوالہ و اندراج

۱۲۔ سجادہ نشین حال میں تمام اوصاف وشرائط سجادگی کا موجود ہونا

۱۳۔ سجادہ نشین حال کے میر مسیح اللہ کی اولاد میں ہونے کے متعدد دلائل وثبوت' اور معین الاولیاء پر ثبوت کے حصر نہ ہونے کا اظہار اور موضع دھولکوٹ کے مصدقہ کاغذات کا حوالہ واندراج

۱۴۔ سجادہ نشین حال کے شجرۂ نسب پر دیوان سید غیاث الدین علیخاں صاحب کی مہر تصدیق اور اُس کے تائیدی ثبوت کو غلط ثابت کرنے والے کے لئے ایک ہزار کے انعام کا وعدہ

۱۵۔ میر مسیح اللہ صاحب سے سجادہ نشین حال تک کی شادیاں جن معزز خاندان سادات میں ہوئیں اُن کی تفصیل

۱۶۔ سجادہ نشین حال کے اعلیٰ حسب ونسب کے متعلق معززین' روساء و حکام' علماء ومشائخ و رہنمایان ہند کی رائیں' اور مولانا محمد علی ایڈیٹر ہمدرد کی پیشین گوئی

۱۷۔ حضرت خواجہ بزرگؒ کے روحانی تصرفات ماننے والوں کے لئے سجادہ نشین حال کے حقدار سجادگی ہونے کا ایک اطمینان ودلنشین اور مسکت استدلال

۱۸۔ اکبر حسین صاحب کا حال

۱۹۔ مہربان علی ومختار علی صاحبان کی خواص زادگی کی دلچسپ تفصیل اور اسی سلسلہ میں لفظ ال لیجی ٹی میٹ کی لطیف پیرایہ میں تحقیق

۲۰۔ ذکر خانقاہ اور اس سلسلہ میں مختار علی اور مہربان علی صاحبان کی سجادہ نشین صاحب کے ساتھ بڑھی ہوئی مخاصمت کا راز اور فردوسی کی زبان میں سجادہ نشین حال سے ایک معروضہ

۲۱۔ شہاب الدین صاحب کا نسب اور اُن کا ذاتی کریکٹر

افواہوں کے متعلق ایک ضروری نوٹ

نورِ حق بُجھ نہ سکے گا نفسِ اعداء سے

شگوفہ نامی رسالہ کے ذریعہ مخالفین نے جو چیز پبلک میں پیش کی تھی اسکی تردید اس رسالہ اظہارِ حق کی شکل میں ابھی زیرِ طبع تھی اور اُس کے تردیدی مضامین و دلائل کے چرچے پبلک کی زبانوں پر کہ مخالفین کی جانب سے ایک خاص افواہ مختلف زبانوں سے مختلف شکلوں میں سنی گئی۔ جس کا ماحاصل کُل اتنا ہے کہ مخالفین کو ایک ایسی مصدقہ تحریر مل گئی ہے۔ جس میں سجادہ نشین حال نے اپنے کو خود راجپوت لکھا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ تاوقتیکہ وہ چیز جس کے ذریعہ مخالفین ہوا باندھ رہے ہیں۔ عدالت میں نہ آجائے یا شائع نہ کردی جائے ہم اُس کے متعلق رجماً بالغیب کوئی رائے کیسے قائم کرسکتے ہیں۔ اگر فی الحقیقت مخالفین کے پاس کوئی ایسی تحریر موجود ہے یا اس سے ملتا جلتا کچھ مواد مل گیا ہے تو چشم ما روشن وہ اس کو شائع کریں اور بلا تاخیر عدالت میں پیش کرکے ایک ہزار روپیہ انعام حاصل کرلیں جس کا اشتہار ہم نے اسی رسالہ میں دے دیا ہے۔

ہم نے اس انعام میں مخالفین کے لئے بڑی وسعت اور گنجائش رکھی ہے۔ ہمارا انعام شائع شدہ نقشوں موجودہ حاصل کیئے ہوئے مواد اور اُس تک پر حاوی ہے۔ جو مخالفین کبھی آئندہ بھی حاصل کرسکیں۔

ہمیں افسوس ہے کہ مخالفین نے جو ذخیرہ شائع کیا اُس کی تردید ہو چکی اور اب اُن کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے مفید مطلب کوئی ایک بات بھی ثابت کرکے ہمارے اعلان کردہ انعامات میں سے کوئی ایک انعام بھی لے سکیں۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ مشتہرین قیامت تک ہمارے کسی چیلنج کو قبول نہ کر سکیں گے اور کوئی ایک انعام بھی نہ لے سکیں گے البتہ روزانہ نت نئی افواہیں گڑھی جایا کریں گی اور اُن کے ذریعہ سادہ لوح اور فریب خوردہ ہمنواؤں کے لئے کچھ روز تک سامان تسکین بہم پہنچتا رہے گا یہاں تک کہ باطل کی تاریکی میں سے حق کا آفتاب ظاہر ہو جاوے اور دنیا کہہ اٹھے کہ ؎ نورِ حق بُجھ نہ سکے گا نفس اعدا سے

فقط خادم مُلک وملِت

محی الدین اجمیری عفا اللہ عنہٗ

اپریل ۱۹۲۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت خواجہ بزرگ اجمیری نور اللہ مرقدہٗ کے آستانہ اقدس کی سجادہ نشینی اور حضرت خواجہ بزرگ کی جانشینی نہایت ممتاز اور جلیل القدر منصب ہے۔ شاہان سلف کے زمانہ سے اس منصب کے ساتھ ایک بڑی جاگیر وابستہ چلی آرہی ہے حسب دستور عہد قدیم وشاہان اسلام اس منصب عالی پر صرف وہ شخص فائز ہوسکتا ہے جو حضرت خواجہ بزرگ کی صحیح ومستند اولاد نجیب الطرفین ہو سابق سجادہ نشین سے رشتہ میں قریب تر ہو۔ اور اخلاق حسنہ و اوصاف حمیدہ کے لحاظ سے نسبتاً امتیازی شان رکھتا ہو۔ اگر کسی زمانہ میں سجادہ نشینی کے متعدد دعوی دار پیدا ہوئے ہیں تو اُن میں تصفیہ اور اصول مندرجہٗ بالا و روایات قدیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے حق کی تعین و تشخیص اور کسی ایک کا تقرر حکومتِ وقت اور اُس کی عدالتیں ہی کرسکی ہیں اور وہی فیصلہ بحال و نافذ رہ سکا ہے۔ چنانچہ دیوان سید سراج الدین علیخاں صاحب مرحوم دیوان سید غیاث الدین علیخاں صاحب مرحوم دیوان سید امام الدین علیخاں صاحب اور دیوان سید شرف الدین علیخاں صاحب مرحوم کی سجادہ نشینی کا فیصلہ حکومت ہی کی عدالتوں سے ہوا ہے۔

نہ صرف آستانۂ اجمیر کی سجادہ نشینی بلکہ دوسرے مقامات کے آستانوں میں بھی اگر بدقسمتی سے اس قسم کی نزاعات واختلافات رونما ہوئے ہیں تو چاروناچار حکومت ہی کی عدالتیں فیصلہ کرسکی ہیں جیسا کہ تونسہ شریف و پاک پتن شریف کی مشہور و معروف گدیوں کے اختلافات اور بالآخر حکومت کی جانب سے حق بحقدار رسید کے افسانے خاص و عام کی زبانوں پر ہیں۔

دیوان سید شرف الدین علیخاں صاحب مرحوم سابق سجادہ نشین آستانۂ اجمیر کے انتقال کے بعد دعویداران سجادگی ایک دو نہیں بلکہ ۱۹ کی تعداد میں دفعتاً پیدا ہوگئے

تھے۔ ہر شخص اپنے آپ کو مستحق سجادگی خیال کرتا تھا اور اپنے ہمراہ ایک تائید کنندہ جماعت رکھتا تھا۔ تمام مدعیان نے حکومت کی عدالتوں کی جانب سے رجوع کیا۔ چنانچہ عدالت انتظامی و مال نے ان ۱۹ دعویداران سجادگی کے حقوق کی جانچ پڑتال اور چھان بین کی کھلی عدالت نے ہر ایک کے بیانات سماعت کیۓ عذرات قلمبند کیۓ۔ زبانی بحثیں سُنیں۔ مقابل کے اعتراضات کے جوابات' شجرہ نسب اور ثبوت پر کافی غور کر کے فیصلہ دیا۔ اور عدالتہائے دیوانی و فوجداری نے بھی اس فیصلہ میں مداخلت نہ کی جس کا اپیل و استصواب بھی خارج ہوا۔

ظاہر ہے کہ ۱۹ مدعیان میں سے منتخب صرف ایک ہی شخص ہو سکتا تھا۔ چنانچہ قرعۂ انتخاب جناب دیوان سید آل رسول علیخاں صاحب سجادہ نشین حال کے نام نامی نکلا اور رو د تحقیقات سے حضرت خواجہ بزرگ نور اللہ مرقدہٗ کی مستند صحیح النسب نجیب الطرفین اولادِ سابق سجادہ نشین مرحوم سے رشتہ میں قریب تر اور اخلاقی و اعزازی حیثیت سے بھی ممتاز ترین ثابت ہو کر بعد توثیق و تصدیق لوکل گورنمنٹ اور گورنمنٹ آف انڈیا باقاعدہ دیوان درگاہ سجادہ نشین آستانہ اور حضرت سلطان الہند نور اللہ مرقدہٗ کے جانشین تسلیم کیۓ گۓ۔ اس تحقیقات اور فیصلہ سے مطمئن ہو کر منجانب مسلمانان شہر دستار بندی کی گئی۔ کمیٹی درگاہ معلیٰ نے باقاعدہ رسم جانشینی ادا کی منجانب درگاہ دستار بندی ہوئی اور خلعت پہنانے کی خدمت متولی صاحب درگاہ شریف نے انجام دی ہندوستان کے معزز ترین افراد بڑے بڑے علماء مشائخ سلسلہ سجادہ نشینان آستانہائے ہند بالخصوص صاحب سجادہ نشین خانقاہ سلیمانیہ' تونسہ شریف و صاحب سجادہ نشین خانقاہ نیازیہ بریلی شریف وغیرہ وغیرہ حضرات نے مبارکباد کے خطوط و تار بھیجے اور سجادہ نشین آستانہ حضرت سلطان الہند تسلیم کیا۔

ناکام امیدواران سجادگی ایک دو نہیں بلکہ ۱۸ کی تعداد میں تھے دور بین نگاہوں نے اُسی وقت محسوس کر لیا تھا کہ یہ فیصلہ اور ایک شخص کا انتخاب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بقیہ ۱۸ امیدواران اور اُنکے متعلقین وہمنوایان کی کثیر جماعت کو چراغ پا رکھے گا۔ اور ہر موقعہ پر محترم سجادہ نشین حال کے خلاف ذراسی بات کو افسانہ بنا دیا جایا کرے گا چنانچہ اس تقرر کے خلاف بہت سے ہنگامے برپا کئے گئے متعدد مواقع پر شور مچایا گیا۔ وائسرائے بہادر کے پاس میموریل بھیجے گئے۔ اسمبلی میں سوالات ہوئے آنریبل سر میاں محمد شفیع لاء ممبر گورنمنٹ آف انڈیا نے وقتی فضا سے متاثر ہو کر اس باب میں لوکل گورنمنٹ سے متعدد سوالات کئے اور وہ سب کچھ کر لیا گیا جو ایک دو نہیں بلکہ اٹھارہ ۱۸ ناکام امیدواروں کی پُر جوش اور انتقامی فطرت کر سکتی تھی لیکن مقامی گورنمنٹ کا فیصلہ مضبوط تھا معقول وجوہات وحقائق پر مبنی تھا اُسکے پاس معقول دلائل اور مدلل جوابات تھے جن کے ذریعہ اس طوفان کو فرو کر دیا گیا اور لاء ممبر موصوف کو بھی لوکل گورنمنٹ کے فیصلہ پر اتفاق رائے تحریر کرنا پڑا۔

دوسرا شور سجادہ نشین کی منصبی حویلی کے انخلاء کے وقت اُٹھا۔ جبکہ حسب روایات قدیم اُس پر سجادہ نشین حال کو قبضہ دلایا گیا۔ اس موقع پر بھی بیواؤں کے پردے میں بڑی بڑی گہری سازشیں کی گئیں اجمیر و بیرونجات میں ایک فتنۂ محشر برپا کر دیا گیا حالانکہ اخراج بیوہ کے معاملہ میں سجادہ نشین حال کلیتاً معصوم تھے اُنہوں نے قبضہ حویلی کے حکم میں صاحب کمشنر اجمیر سے بیوۂ محترمہ کا استثنیٰ کرا لیا تھا جس کو آج بھی ہر شخص عدالت سے معلوم کر سکتا ہے سجادہ نشین حال اُس وقت سے آج تک محترمہ بیوہ کے ساتھ ہر قسم کے سلوک و رعایت اور احترام کے لئے تیار ہیں۔ اُنہوں نے مختلف اوقات میں عُلیا حضرت بیگم صاحبہ سابق فرمانروائے بھوپال' حضرت بقیۃ السلف حجۃ الخلف مرجع انام شاہ حامد میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ سلیمانیہ' تونسہ شریف' و یمین السلطنت سر مہاراجہ کشن پرشاد صاحب بہادر' و

جناب مرزا اکرام علی صاحب مہتمم خانخانہ حیدر آباد دکن وغیرہم کو آمادہ کر کے بیوگان تک ہمہ قسم کی مراعات وسلوک اور احترام کے پیامات پہنچائے۔ لیکن بیوۂ محترمہ جس ماحول اور فضاء میں گھری ہوئی تھیں اُس کا نتیجہ یہ ہی نکلا کہ تمام جدوجہد بیکار گئی اور اُنہوں نے کسی ایک بات کی شنوائی نہیں کی ۔ بہرحال چند روزہ گرماگرمی کے بعد یہ فتنہ بھی فرو ہو گیا۔'' اگرچہ منظر قائم ہے لیکن اب اُس میں اثر کچھ بھی نہیں ۔ قبضہ کے وقت منصبی حویلی جن بُرے حالوں میں ملی ہے اُس کے دیکھنے والے ایک دو نہیں بلکہ انخلاء حویلی کے موقع پر شور مچانے والوں سے تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔

اس بڑی حویلی اور عظیم الشان یادگار کی مٹی ان لوگوں کے ہاتھوں جیسی خراب تھی اُس کی داستان بڑی دردناک اور طولانی ہے مختصر یہ کہ ایک سو چوالیس کیواڑ کی جوڑیاں اور اُن کی چوکھٹیں تک نذرِ عیاشی کی جا چکی تھیں دیوان سابق مرحوم کے اخیر ایام حیات میں ایک موقعہ پر ہندو اصحاب کے ہاتھوں اس طویل وعریض اور عظیم الشان یادگار حویلی کے نیلام کا مسئلہ بھی طے پا چکا تھا۔ جس کو بعض دردمند اصحاب نے بدقت تمام ملتوی کرایا ورنہ دیر وحرم کی یکجائی کے ساتھ غالب کی یہ تمنا بھی پوری ہونے والی تھی ۔

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے

ہمارے خیال میں آستانہ اقدس کے ہر عقیدتمند اور ہر متوسل کو جناب دیوان سید آل رسول علیخاں صاحب سجادہ نشین آستانہ کا اس باب میں خصوصیت سے ممنون ہونا چاہیے جن کے مبارک عہد میں اس منصبی اور یادگار حویلی کے دن پھرے جہاں منہیاتِ شرعیہ کے بجائے اب احکام شریعت کی علانیہ تعمیل ہوتی ہے جہاں اب پولیس والوں کی للکار کے بجائے اذان وتکبیر کی آوازیں سنائی دیتی ہیں ذکر وشغل اور اوراد وظائف کا دور دورہ

رہتا ہے۔ جہاں اب بجائے کوکین خوری کے مجالس میلاد و اعراس اور مواعظ حسنہ کے لئے جلسہ منعقد ہوتے ہیں جہاں اب بجائے بدمعاشوں اور طوائفوں کے قیام کے علماء و مشائخ کا قیام رہتا ہے۔

اند کے با تو بگفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیارست

انخلائے حویلی کے طوفان کو فرو ہوئے کچھ زمانہ گزرا تھا کہ اب پھر ایک ناکام مدعی سجادگی اور دوسرے ناکام مدعی کے ''اقبالی خواص زادے'' بڑے بھائی کی جانب سے ایک شرمناک جھوٹ کا شگوفہ چھوڑ دیا گیا جس پر تفصیلی تبصرہ ہم اس رسالہ کے اخیر حصہ میں کریں گے اور بتلائیں گے کہ ان ناکام مدعیان سجادگی کی فطرت پرستارزادگی نے کس طرح جھوٹ سچ میں تحریف و تصرف اور رائے زنی کی آمیزش کر کے انتقام ناکامی لینے کی لا حاصل سعی کی ہے سردست ہم پبلک کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ سجادہ نشین حال کی حسبی نسبی اخلاقی و اعزازی پوزیشن کتنی مضبوط و مستحکم اور اُن کے ناکام حریفوں کی حیثیت کتنی کمزور اور کیسی تکلیف دہ ہے جس کی اشاعت سے ہم کو خود افسوس ہو رہا ہے۔

ہم عدالتی کاغذات اور مصدقہ دستاویزات سے وہ تمام واقعات و حالات نقل کرتے ہیں جو عدالتی ریکارڈ میں سجادہ نشین حال اور انکے مقابل ناکام امیدواران سجادگی کے متعلق موجود و درج ہیں۔

ہم اُس شخص کو جو ان واقعات کو غلط ثابت کر دے ایک ہزار روپیہ سکہ گورنمنٹ انعام دیں گے جو ہم سے ذریعہ عدالت قانوناً وصول کیا جا سکتا ہے ع ''صلاءِ عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے'' لیکن اگر چیلنج قبول کرنیوالے مدعی کا ثبوت عدالت نامکمل ہونے کی وجہ سے مقدمہ خارج ہوا تو مبلغ تین سو روپیہ قانوناً ادا کرنا ہونگے جو مسلمانانِ شہر کی رائے

سے تجہیز و تکفین لاورثان میں خرچ ہونگے۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
کسے کو تف زند ریشیش بسوزد

جناب دیوان سید آل رسول علیخاں صاحب

سجادہ نشین آستانہ وجانشین حضرت غریب نواز رحمتہ اللہ

صاحب سجادہ نشین حال نے سید ابوالفتح کے چوتھے لڑکے سید عطاء اللہ کی اولاد ہونے کی حیثیت سے دعویٰ کیا تھا۔ سید عطاء اللہ کی اولاد سید مسیح اللہ تک موافقین ومخالفین سب نے درست تسلیم کی ہے۔ سید مسیح اللہ کے بڑے لڑکے سید شاہ علی کا سلسلۂ اولاد سید رضا حسین لاولد پر ختم ہوگیا۔ لیکن تاریخی اور عدالتی ریکارڈ کا یہ ایک مستند باب اور مصدقہ واقعہ ہے کہ سید مسیح اللہ ترک وطن کر کے گورگانوہ موضع دھولکوٹ میں آباد ہو گئے تھے۔ اور اُنہوں نے حضرت غوث الاعظم کے خاندان میں عقد ثانی کیا تھا جن کے بطن سے سید فضل علی وسید کلب علی (جن کا دوسرا نام کرم علی بھی ہے) پیدا ہوئے چنانچہ گانا ہیڑہ کی جاگیر کے متعلق دہ سالہ بندوبست کے کاغذات میں سید مسیح اللہ کے تین لڑکے (۱) سید شاہ علی (۲) سید فضل علی اور (۳) سید کلب علی دکھلائے گئے ہیں اور سید فضل علی اور سید کلب علی کے متعلق یہ نوٹ موجود ہے کہ اُن کی اولاد دہلی کے قریب دھولکوٹ میں آباد اور اُن کے حصے اُن کے حقیقی بھائی سید شاہ علی کے قبضہ میں ہیں۔ ملاحظہ ہو شجرۂ بندوبست دہ سالہ موضع گانا ہیڑہ۔ بصفحہ ۱۰ نقل شجرہ پن نوازش علی مشمولہ مثل بندوبست دہ سالہ موضع گنا ہیڑہ بموجب حکم صاحب کلکٹر بہادر اجمیر

نقل مطابق اصل باعتبار مقابلہ

محافظ دفتر صدر صیغہ کلاں اجمیر

کیونڈش صاحب بہادر سیٹلمنٹ آفیسر ضلع اجمیر نے بعد تحقیق و چھان بین بابت حصہ داران موضع دلواڑہ سید فضل علی و سید کلب علی کو ''درسفر'' لکھا ہے اور کاغذات میں سید شاہ علی کے بیٹے نوازش علی نے اپنے ہر دو حقیقی چچا سید فضل علی و سید کلب علی کے بجائے دستخط کئے ہیں اور اُن کے حصہ کی ذمہ داری لی ہے اس تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہے کہ اُن کا حصہ موضع گانا ہیڑہ میں بھی ہے جیسا کہ شجرۂ بندوبست موضع گانا ہیڑہ سے ثابت ہو چکا۔ ملاحظہ ہو کیونڈش صاحب کی تحقیقات ''کہ میر فضل علی و کلب علی درسفر رفتند'' اور میر نوازش علی کے دستخط اپنے ہر دو چچا سید کلب علی و سید فضل علی کی بجائے بصفحہ آئندہ

خلاصہ نتیجہ تحقیقات کیونڈش صاحب بہادر سیٹلمنٹ آفیسر (ضلع اجمیر)

از طرف میر فضل علی و کلب علی کہ
درسفر رفتہ اند نویسانیدن حصہ
اوشان۔ واگر کسان مذکورین از
سفر رسیدہ استغاثہ کمی وبیشی
حصہ خود نمایند و یا عذرے کدام
نوعے آرند جوابدہی آن بذمہ کیست

کسان کہ غیر حاضر اند و درسفر رفتہ اند
و میر نوازش علی بباعثِ قرابت اعمام
خود کہ وارثِ حقیقی مذکورم اگر احیاناً
انہا از سفر رسیدہ عذرے خواہند نمود
جوابدہی آن بذمہ من است
میر نوازش علی کلب علی و فضل علی

العبد
میر نوازش علی، کلب علی و فضل علی
عموی خود بقلم خود

سجادہ نشین حال نے معین الاولیاء پر اپنے نسبی ثبوت کا حصر نہیں کیا ہے۔ بلکہ اُس سے بھی سید فضل علی و سید کلب علی کے دھولکوٹ میں آباد ہونے اور وہاں اُن کی اولاد کی موجودگی کی تائید ہوتی ہے۔

دیوان سید امام الدین علیخاں صاحب سابق سجادہ نشین مرحوم مصنف معین الاولیاء ضلع اجمیر کے ڈپٹی کلکٹر تھے وہ مال کے کاغذات سے نہ صرف واقف بلکہ ماہر تھے۔ گانا ہیڑہ اور دلواڑہ کے کاغذات اُن کے معائنہ میں آ چکے تھے اس لئے معین الاولیاء میں سید فضل علی و سید کلب علی اور اُن کی اولاد کا تذکرہ اُن کے لئے ناگزیر تھا۔ اگر معین الاولیاء کو مخالفین سجادہ نشین حال کی خاطر غیر معتبر مان لیا جائے تب بھی گانا ہیڑہ دلواڑہ کے بندوبستی کاغذات میں سجادہ نشین حال کے آباء واجداد کے ناموں کا اندراج اور دھولکوٹ میں اُن کی اولاد کی موجودگی کا ثبوت ایسا کاری زخمِ ناسور اور داغ شرمندگی ہے جو مخالفین کی زبانوں، دلوں اور پیشانیوں پر ہمیشہ نمایاں رہے گا۔

حضرت خواجہ بزرگ اجمیری نور اللہ مرقدہٗ سے سید مسیح اللہ تک سلسلۂ نسب کا اعتراف مخالفین کو بھی ہے۔ سید مسیح اللہ کے تین لڑکوں (۱) سید شاہ علی (۲) سید فضل علی (۳) اور سید کلب علی کا ثبوت گانا ہیڑہ اور دلواڑہ کے بندوبستی کاغذات سے ہو چکا اور یہ بھی ظاہر ہو چکا کہ سید فضل علی و سید کلب علی کی اولاد دھولکوٹ میں موجود ہے۔ اب موضع دھولکوٹ ضلع گوڑگانوہ کے بندوبستی کاغذات سے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سید فضل علی کی اولاد میں سے سجادہ نشین حال ہیں یا نہیں خوش قسمتی سے شجرہ مصدقہ انساب وحقوق مالکان موضع دھولکوٹ تحصیل وضلع گوڑگانوہ زبانِ حال سے شاہد ہے کہ سید فضل علی کے لڑکے سید کرامت علی اور اُن کے لڑکے سید خورسند علی ہیں جن کی اولاد سے جناب دیوان سید آل رسول علیخاں صاحب سجادہ نشین حال اور اُن کے دوسرے بھائی ہیں۔ ملاحظہ ہو شجرۂ انساب مصدقہ موضع

دھولکوٹ ضلع گوڑ گانوہ بصفحہ ہذا اور اُس کے بعد ملاحظہ ہو شجرۂ نسب وحقوق مالکان موضع ساڈہرانہ بہاری پور تحصیل وضلع گوڑ گانوہ برصفحہ ۱۵

(الف) (مہر عدالت)

نقل از شجرہ انساب وحقوق مالکان موضع دھول کوٹ
تحصیل وضلع گوڑ گانوہ مشمولہ مثل بندوبست مرتبہ ۱۹۰۷ء
بدرخواست سید مشرف حسین ساکن چھاؤنی گوڑ گانوہ
زیراہتمام بی ٹی گپن صاحب بہادر کلکٹر بندوبست ضلع گوڑ گانوہ
تصدیق کی گئی نقل مطابق اصل کا ہے

سید بنی فاطمہ
فضل علی کرامت علی
ولد ولد اگیزامینر نقول ضلع گوڑ گانوہ
کرامت علی خورسند علی
بذریعہ ہبہ وبیع از وزیر ولد ظریف ولالہ ولد سمرت معہ حصۂ شاملات

فارم نمبر ۳۶ (ب)
نقل از شجرہ نسب وحقوق مالکان موضع ساڈہرانہ بہاریپور
تحصیل وضلع گوڑ گانوہ بابت ۱۹۰۶ء
بردرخواست سید آلِ رسول خلف پیرزادہ سید خورسند علی
ساکن چھاؤنی گوڑ گانوہ
سید تصدیق کی گئی نقل بمطابق اصل ہے
فضل علی دستخط محمد علی (بخط انگریزی)

ولد　　　　ایگزامینر نقول ضلع گوڑگانوہ

کرامت علی　　　　بروئے دفعہ ۷۶ ایکٹ شہادت ہند

تاریخ ۹ جنوری ۱۹۲۳ء

مزید توضیح کے لئے ہم شجرۂ نسب از حضرت خواجہ بزرگ نور اللہ مرقدہ' تا سجادہ نشین حال درج کرتے ہیں جس پر جناب سید غیاث الدین علیخاں صاحب مرحوم سابق سجادہ نشین آستانۂ اجمیر کی تصدیقی مہر ثبت ہے۔ ملاحظہ ہو شجرۂ نسب

خدایا بحق بنی فاطمہ

کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ

خواجہ خواجگان خواجہ بزرگ معین الحق والدین حسن سنجری ثم اجمیری رضی اللہ عنہ و عنہم اجمعین۔ خواجہ سید فخر الدین صاحب۔ خواجہ سید حسام الدین صاحب سوختہ۔ سید قیام الدین صاحب بابریال۔ سید نجم الدین خالد صاحب سید کمال الدین حسن احمد صاحب۔ سید شہاب الدین صاحب۔ سید تاج الدین صاحب بایزید بزرگ۔ سید نور الدین صاحب طاہر۔ سید رفیع الدین احمد صاحب بایزید خرد۔ سید معین الدین ثالث صاحب۔ سید ابوالخیر صاحب۔ دیوان سید علم الدین صاحب۔ سید ابوالفتح صاحب۔ سید عطاء اللہ صاحب۔ سید ہدایت اللہ صاحب۔ سید حفیظ اللہ صاحب۔ سید مسیح اللہ صاحب۔ سید فضل علی عرف فجو شاہ صاحب۔ سید کرامت علی صاحب۔ سید خورسند علی صاحب۔ شیخ المشائخ جناب دیوان آل رسول علیخاں صاحب سجادہ نشین آستانہ حضرت سلطان الہند نور اللہ مرقدہ'

اگر　دعوتم　ردکنی　درقبول

من　ودست　دامان　آل　رسول

نوٹ: صاحب موصوف کے نام بحیثیت نبیرہ' حضرت خواجہ بزرگ سلطان الہند نور اللہ مرقدہ' صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ کا فرمان ۱۰۵۳ھ ہے جس کی رو سے موضع دلواڑہ آپ کی منصبی جاگیر قرار دیا گیا ہے جو تا حال درجہ بدرجہ منتقل ہو کر سجادہ نشین حال تک پہنچ چکا ہے گویا حضرت خواجہ بزرگ سے دیوان سید علم الدین صاحب۔ صاحب فرمان شاہجہانی تک سلسلہ نسب شاہجہاں کو تسلیم ہے ان کے بعد سید مسیح اللہ بلکہ سید فضل علی تک سلسلہ نسب کا اعتراف مخالفین و موافقین سب کو رہا ہے اور سید فضل علی کا دھولکوٹ میں آباد ہونا اور وہاں ان کی اولاد کا ہونا۔ موضع گانا ہیڑہ دلواڑہ کے دہ سالہ بندوبستی کاغذات اور کیونڈش صاحب سیٹلمنٹ آفیسر ضلع اجمیر کی تحقیقات سے ثابت ہے۔ جن کو ہر دو مواضعات میں سے حصہ بھی اُن کے بھائی شاہ علی اور بھتیجے نوازش علی کی وساطت سے پہنچتا رہا ہے۔ سید فضل علی صاحب سے سید خورسند علی صاحب تک سلسلہ نسب کاغذات بندوبست دہ سالہ موضع دھولکوٹ ضلع گوڑگانوہ سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے جن کی اولاد سے صاحب سجادہ نشین حال ہیں اس طرح یہ شجرۂ نسب شاہجہان حکومت ہند اور مخالفین تک کا مصدقہ بن جاتا ہے

چیلنج: اگر کوئی صاحب اس شجرہ کو غلط ثابت کر کے اس امر کا ثبوت پیش کر دیں گے کہ سجادہ نشین حال کا کوئی تعلق اس سلسلہ سے نہیں ہے اور صاحب موصوف سابق سجادہ نشین سے رشتہ میں قریب تر اور یک جدی نہیں ہیں تو ہم اُن کو مبلغ ایک ہزار روپیہ سکہ گورنمنٹ انعام دیں گے لیکن اگر چیلنج قبول کرنے والے مدعی کا عدالتی ثبوت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے مقدمہ خارج ہوا تو مبلغ تین سو روپیہ قانوناً ادا کرنے ہونگے جو مسلمانانِ شہر کی رائے سے امدادِ بیوگانِ شہر کے لئے صرف ہونگے۔

سجادہ نشین حال کے نسب اور اُن کے نجیب الطرفین ہونے کی تحقیق نہ صرف حکام اجمیر ولوکل گورنمنٹ تک محدود رہی ہے بلکہ صاحب ڈپٹی کمشنر گوڑ گانوہ صاحب ڈپٹی کمشنر دہلی اور چیف کمشنر صاحب دہلی تک نے کی ہے جس پر گورنمنٹ آف انڈیا نے مہر تصدیق و تسلیم ثبت کی ہے۔ اس تحقیقات کے دوران میں علاوہ صحیح النسب نجیب الطرفین حضرت خواجہ بزرگ کی مستند اولاد اور سابق سجادہ نشین مرحوم سے رشتہ میں قریب تر ہونے کے یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ صاحب سجادہ نشین حال ذاتی وحسبی حیثیت سے بھی معزز وممتاز ترین فرد ہیں۔ جن کی شرافت خاندانی پر دہلی کے معزز ترین گھرانوں میں رشتہ داریوں اور جن کے اعلیٰ کریکٹر حمیدہ اخلاق وشمائل اور پسندیدہ اوصاف وخصائل پر معززین دہلی کی سندات سے روشنی پڑتی ہے اور جن کے پنجسالہ قیام اجمیر سے باشندگان اجمیر اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ ایسے اعلیٰ صفات کا سجادہ نشین کم از کم ایک صدی سے آستانہ کو میسر نہیں آیا۔ اس موقع پر ہم یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ سجادہ نشین حال کے اباؤاجداد نے شادیاں کن معزز خاندانوں میں کیں اور وہ محترم خواتین کن اعلیٰ ترین گھرانوں میں سے تھیں۔

میر مسیح اللہ نے خاندان حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ میں شادی کی تھی۔ جن کے بطن سے سید فضل علی وسید کلب علی پیدا ہوئے سید فضل علی صاحب نے عرب سرائے دہلی میں سادات عرب میں شادی کی تھی جو دہلی میں معزز ترین اور ہندوستان میں نہایت صحیح النسب سادات سے مانے جاتے ہیں ان کے صاحبزادے میر کرامت علی صاحب نے پیرزادہ سید بدر الدین کے مشہور خاندان سادات میں شادی کی تھی جو دہلی میں نہایت معزز مانے جاتے ہیں اور معافیدار بھی ہیں اُن کے صاحبزادے میر خورسند علی صاحب نے حافظ سید محمد عمر صاحب کے خاندان میں شادی کی جو اپنی سیادت وشرافت کے لحاظ سے مشہور ہیں خود حضرت سجادہ نشین حال کی شادی شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ کلیم اللہ صاحب جہان

آبادی رحمتہ اللہ علیہ کے ممتاز وشہرۂ آفاق خاندان میں ہوئی تھی۔

اس موقعہ پر ہم پبلک کو یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ منصب سجادہ نشینی سے قبل سجادہ نشین حال اور اُن کے بزرگوں کے متعلق دہلی کے نہایت معزز روساء و حکام' عہدہ دارانِ سرکاری علماء مشائخ اور ہندوستان کے مشہور ومعروف رہنمایان کی رائے کیسی پُر از عظمت و شاندار تھی۔

اس وقت درجنوں سندات ہمارے پیش نظر ہیں جن میں معززین روساء دہلی حکام گوڑ گونوہ دھولکوٹ و دہلی اور علماء و مشائخ وعہدہ داران سرکاری نے اپنی ذاتی واقفیت اور ذاتی تحقیق وتفتیش کے بعد نہایت شاندار الفاظ میں سجادہ نشین حال اور اُن کے بزرگوں کو مستند اولاد حضرت خواجہ خواجگان سلطان الہند نور اللہ مرقدہ' صحیح النسب' نجیب الطرفین اور اخلاقی اور اعزازی حیثیت سے نہایت مُمتاز اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر مانا ہے۔ اور سید مسیح اللہ صاحب سے سجادہ نشین حال تک دہلی کے معزز خاندان سادات میں رشتہ داریوں اور شادیوں کی تصدیق کی ہے ان حضرات میں حضرت مخدوم الانام شیخ فریدالدین صاحب چشتی احمد آبادی شاہ پوری سجادہ نشین آستہائے پیران پٹن واحمد آباد حضرت مرجع انام شاہ عبدالصمد صاحب نبیرۂ حضرت مولانا شاہ خواجہ فخر الدین محمد صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ جناب سید شاہ امیر حسن صاحب چشتی صابری دہلوی سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ صابر علی صاحب رحمتہ اللہ حضرت مولٰنا صوفی حافظ محمد عمر صاحب اخوند الملقب بہ شاہ سراج الحق قادری دہلوی' جناب میر قاسم علی صاحب کلیمی سجادہ نشین حضرت قطبِ عالم شیخ المشائخ کلیم اللہ صاحب جہان آبادی رحمتہ اللہ علیہ' مولانا مشتاق احمد صاحب چشتی صابری شمس العلماء مولانا سید احمد صاحب امام جامع مسجد دہلی' جناب خواجہ علی حسن نظامی صاحب' مولانا محمد کرامت اللہ خاں صاحب' مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب' نواب محمد اسلام اللہ

خانصاحب رئیس دہلی' جناب نواب صاحب لوہارو' پیرزادہ خان بہادر محمد حسین صاحب ایم اے پنشنر و وڈویژنل سیشن جج قسمت حصار' مرزا ظفر علی خان صاحب ڈسٹرکٹ سیشن جج حصار' حال جج ہائیکورٹ پنجاب' آنرایبل نواب سر بہرام خاں صاحب ''کے۔سی۔آئی۔ای'' خان بہادر سردار دین محمد خاں صاحب' نواب حاجی حبیب خاں صاحب ''سی۔آئی۔ای'' سید بنیاد حسین صاحب سب ڈویژنل آفیسر و مجسٹریٹ درجہ اول دہلی میر فیض الحسن صاحب بی اے ایل ایل بی پلیڈر دہلی' سید ولی شاہ ڈسٹرکٹ جج گوڑگانوہ' فضل الٰہی صاحب پنشنر سب جج' مولوی عبدالواحد خاں صاحب بی اے وکیل سرکار۔ میر عبدالواحد صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر اسکول گوڑگانوہ' قاضی محمد لطیف صاحب بی اے منصف درجہ اول نواب ابوالحسن خاں صاحب پنشنر سب جج میونسپل کمشنر و رئیس دہلی' نواب محمد حسن عرف خضر صاحب پنشنر سابق تحصیلدار گوڑگانوہ' خان صاحب خان بہادر محمد سلیمان شاہ صاحب وغیرہم یک صد سے زیادہ شامل ہیں۔ جن میں سے ہر شخص بجائے خود دینی یا دینوی حیثیت سے ممتاز اور ذمہ دار ہے۔

کوئی شخص بھی اس مجموعہ سندات پر ایک سرسری نظر ڈال کر اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سجادہ نشین حال اور اُن کے بزرگوں کی پبلک حیثیت نہایت ممتاز و شاندار رہی ہے اور اُن میں سے ہر شخص بجائے خود مرجع خلائق متبع شریعت اور حامل لوائے طریقت رہا ہے۔

ان تمام سندات کی طویل عبارتوں اور اُن کے خلاصہ تک کو قلم انداز کر کے ہم صرف اس ایک رائے کو پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں جو مولانا محمد علی آڈیٹر ہمدرد نے ہمدرد کے دور اول میں ۳ جولائی ۱۹۱۵ء کو جلد ۴ نمبر ۱۴۶ صفحہ ۳ کالم نمبر ا پر مختصر نوٹ میں بطور پیشین گوئی ظاہر فرمائی تھی۔

مولانا محمد علی نے پیرزادہ سید خورسند علی صاحب مرحوم کی خبر شہادت درج کر کے لکھا تھا کہ مرحوم بڑے پایہ کے بزرگ تھے اور اولاد حضرت خواجہ خواجگان سے تھے۔

موجودہ سجادہ نشین (دیوان شرف الدین علیخاں صاحب) کے بعد آپ ہی کا حق تھا۔ آپ کے صاحبزادوں میں سے صاحب زادۂ سید آل رسول صاحب موصوف کے قدم بقدم اور ہر طرح اُس حق کے اہل ہیں جو سجادگی اجمیر شریف کی صورت میں اپنے حقوق کی وجہ سے آپ کو ملنے والا ہے۔ خدا کرے مولانا محمد علی سے کوئی جا کر کہدے اس طرح پر کہ مخالفین کو خبر نہ ہو۔

آن وعدہ کہ تقدیرہمی دادوفاشد وآن کار کہ ایام ہمی خواست برآمد

ان دلائل وشواہد کے بعد مشتہرین بھی اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہونگے کہ سجادہ نشین حال کہ حضرت خواجہ سے نسبت نسبی حاصل ہے۔ لہذا اب مشتہرین کو حسب تحریر مندرجہ شگوفہ صفحہ ۶، ۷ سجادہ نشین حال کا احترام کرنا اور اُن کی پابوسی اپنے لئے سرمایہ سعادت و موجب نجات اُخروی سمجھنا چاہیے۔ اور جیسا کہ اُن کے بزرگ سجادگان پیشین کا ادب و احترام کرتے آئے ہیں اسی طرح اُن کو بھی سجادہ نشین حال کا احترام اپنی تحریر کے مطابق اپنے پر لازم کر لینا چاہیے۔

یہ حالات تھے جنہوں نے حکام کو اس ریمارک پر مجبور کر دیا کہ دیوان سید آلِ رسول علیخاں صاحب سجادہ نشین حال خاندانی اخلاقی اور اعزازی ہر حیثیت سے سجادہ نشینی آستانہ کے حقدار ہیں اور وہ دیوان مرحوم کے سب سے قریبی رشتہ دار اور ہر پہلو سے اس منصب کے قابل ولائق ہیں۔ نیز یہ کہ ''حضرت خواجہ کی جانشینی اور آستانہ اقدس کی سجادہ نشینی اُن پر زیب دے گی''

الغرض جن حالات اور جن انکشافات کے بعد سجادہ نشین حال حضرت خواجہ بزرگ کے جانشین ہوئے ہیں اُن کی رو سے آستانہ کے ایک عقیدتمند کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ حضرت خواجہ بزرگ نے اپنے تصرف سے اپنے قریب ترین لائق اور نقش قدم پر چلنے والے فرزندار جمند سید آلِ رسول علیخاں صاحب کو اپنی جانشینی کے لئے منتخب کرلیا ہے۔ اُن لوگوں پر افسوس ہوتا ہے۔ جو حضرت خواجہ بزرگ کے باطنی تصرف اور اقتدار کے قائل ہیں۔ زبانوں سے رات دن حضرت خواجہ کو سلطان الہند کہتے ہیں اور دلوں میں اُن کے تصرف و اقتدار کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ سجادہ نشین حال کو کیوں حضرت خواجہ بزرگ کا منتخب سجادہ نشین اور جان نشین نہیں مان لیتے۔ ایک عقیدتمند آستانہ کا یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ حضرت خواجہ بزرگ کی گدی پر کوئی ایسا شخص نہیں بیٹھ سکتا جس کے حسب و نسب میں کوئی خرابی نقص یا کھوٹ ہو اگر سجادہ نشین حال میں اس قسم کا کوئی نقص ہوتا تو ہمارا اعتقاد ہے کہ اُن کو ایک منٹ کے لئے بھی یہ گدی میسر نہیں آسکتی تھی۔ اور حضرت خواجہ بزرگ کی بارگاہ سلطانی سے اُن کی موقوفی و معزولی کا فرمان اب سے بہت پہلے صادر ہو چکا ہوتا۔

بدقسمتی سے آج کل عام طور پر ہم مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ اپنے اغراض کے بندے بنے ہوئے ہیں۔ ہم خدائی احکام فرمان رسول علیہ السلام بزرگانِ ملت وعلمائے اسلام کے ہر امر واشارہ کو ماننے کے لئے تیار رہتے ہیں لیکن صرف اُس وقت تک کہ وہ حکم وہ فرمان وہ امر اور وہ لطیفہ غیبی ہماری اغراض وخواہشات کے مخالف نہ پڑتا ہو۔ اگر کوئی قرآنی آیت رسول کا کوئی حکم علماء ومشائخ کا کوئی ظاہری حکم یا باطنی وغیبی اشارہ ہمارے اغراض کے مخالف پڑ جائے تو ہم اُس وقت صاف طور پر اُس سب سے روگرداں ہو جاتے ہیں۔

اَفَرَ أیتَ مَنِ اتَخذَ اِلٰهَهُ هَوَاهُ

اب دوسرے ناکام امیدواران اور اُن کے ہمنواؤں میں سے اُن چند کا حال سنئے جو سجادہ نشین حال کی مخالفت میں آج بھی پیش پیش ہیں۔

ان حالات وواقعات کی اشاعت کے لئے ہم خود متاسف ودلگیر ہیں۔ لیکن اُن لوگوں کی مخالفانہ ریشہ دوانیوں اور ہر موقع پر پبلک میں گمراہ کن بیانات شائع کرتے رہنے کی مستمرہ عادت نے ہم کو مجبور کر دیا کہ ہم ایک بار تمام واقعات پبلک کے سامنے پیش کر دیں تاکہ پبلک گزشتہ وموجودہ اور آئندہ گمراہ کن بیانات سے متاثر نہ ہو جائے اور کسی غلط فہمی کی وجہ سے مسلمانوں پر در فتنہ باز نہ ہو جائے۔

جناب اکبر حسین صاحب

اپنے آپکو خواجہ سید اکبر حسین نبیرہ حضرت سلطان الہند لکھا اور کہا کرتے ہیں۔ عدالت میں خود انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ ''اُن کی ماں رنڈی تھی جس سے اُن کے باپ نے نکاح کر لیا تھا'' ایک فاحشہ رنڈی کی اولاد شریف اور اس معززین ترین عہدہ کے لائق نہیں بن سکتی۔

ہم نہیں چاہتے کہ اُن کے ذکر سے اپنے قلم کو آلودہ کریں اُن کا عدالتی اقرار اور اُن کی صبح وشام اہلِ اجمیر کے سامنے ہے اور جن کی اخلاقی حالت ''دشمنش در قفاست'' یہ چند سطور بھی ہم نے پبلک کو غلط فہمی سے بچانے اور اُن کے گمراہ کُن پروپیگنڈہ سے محفوظ رکھنے کے لئے شائع کر دی ہیں۔

جناب مہربان علی صاحب

آپ بھی ناکام امیدوار ''خواص زادے'' ہیں دیوان سید شرف الدین علیخاں صاحب کا بیان ہے کہ ''وہ مہربان علی اور اُن کے رشتہ داروں کو اپنے برابر خیال نہیں کرتے اور نہ سجادگی کے قابل سمجھتے ہیں'' نیز دیوان شرف الدین علیخاں صاحب نے مہربان علی کو

ناجائز اولاد بتلایا۔ جس کا تسلی بخش جواب نہیں دیا گیا۔

مہربان علی صاحب کی ممبری درگاہ کا مسئلہ جب زیر بحث آیا تو صاحب ڈسٹرکٹ سیشن جج اجمیر نے لکھا کہ ''یہ بات ظاہر ہے کہ'' مہربان علی اور اُن کے بزرگوں کے جائز اولاد ہونے کا معاملہ مختلف اوقات میں عرصہ ۸۰ سال سے صاف نہ ہو سکا'' (اپیل نمبر ۵۰ ۱۹۲۲ء ڈسٹرکٹ جج اجمیر)

اگر مہربان علی صاحب کی پیدائش میں کوئی نقص نہ ہوتا تو دیوان ذوالفقار علیخاں صاحب مرحوم کے بعد سجادہ نشینی ان کے بزرگوں کو ملتی اور اُن سے منتقل ہوتی ہوئی آج ان تک پہنچ جاتی۔ اور دیوان مہدی علیخاں صاحب و دیوان سراج الدین علیخاں صاحب اور دیوان غیاث الدین علیخاں صاحب و دیوان امام الدین علیخاں صاحب و دیوان شرف الدین علیخاں صاحب اور سجادہ نشین حال کے پورے سلسلہ میں سے کوئی ایک بھی سجادہ نشین نہ ہوتا۔ لیکن ان کے بزرگوں کا مسلسل محروم رہنا اور خود اُن کا کافی جدوجہد کے باوجود بھی ناکام ہونا اس بات کی بین اور واضح دلیل ہے کہ اِن کے اور ان کے بزرگوں کے جائز اولاد ہونے کا معاملہ صاف نہیں ہے اِن کے بڑے بھائی مختار علی صاحب نے بموقع انتخاب دیوان سید امام الدین علیخاں صاحب سابق سجادہ نشین مرحوم اپنے کو ان الفاظ میں حلف لے کر ۲۹ اپریل ۱۹۱۰ء کو عدالت کے روبرو پیش کیا

I am born of a kept miotreess

(ترجمہ) میں ایک داشتہ عورت سے پیدا ہوا ہوں۔

مہربان علی صاحب کے والد ماجد وزیر علی صاحب نے ایک درخواست میں خود اپنے کو ''خواص زادہ تسلیم کرتے ہوئے ظاہر کیا کہ دیوان ذوالفقار علی صاحب کو اصل بی بی کے بطن سے کوئی اولاد نہ تھی ہم خواص زادے ہونے کی وجہ سے محروم رہے کیونکہ خواص

زادے کبھی سجادہ نشین ہوئے ہیں نہ ہو سکتے ہیں'' (درخواست مشمولۂ بمقدمہ اپیل نمبر ۱۳۳ ۱۸۴۰ء

ہمارے حیرت واستعجاب کی کوئی حد نہیں رہتی جب ہماری نظر سے جناب دیوان سید غیاث الدین علیخاں صاحب مرحوم کی ایک تحریر گزرتی ہے جس میں اُنہوں نے جنرل منیجر کورٹ آف وارڈس سے ملازمین خاندان کی شکایت کے ذیل میں ظاہر کیا تھا کہ وہ لوگ بزمرۂ ملازمان تنخواہ پاتے ہیں لیکن میرے پاس حاضر نہیں ہوتے اور نہ میرے ہمراہ درگاہ شریف جاتے ہیں اور نہ میرے کسی کام میں شریک ہوتے ہیں بغیر آدمیوں کے ہرج کار ہوتا ہے۔اور اتنی گنجائش نہیں ہے کہ دوسرے آدمی نوکر رکھے جاویں۔لہٰذا دیوان صاحب نے مطالبہ کیا تھا کہ یا تو اُن کو ہر کام میں رہنے کی ہدایت کی جائے ورنہ اُن کی تنخواہ بند کر کے انکے بجائے دوسرے نوکر رکھے جاویں۔

ان ملازمین کی فہرست میں جن لوگوں کے نام ہیں۔اُن میں مہربان علی صاحب و مختار علی صاحب کے والد وزیر علی صاحب اور اُن کے چچا امیر علی صاحب واحسان علی صاحب بھی ہیں اس سے ناظرین اُن کی حیثیت کا اندازہ کر لیں۔ہم اگر کچھ بھی کہیں گے تو شکایت ہو گی۔

شہاب الدین صاحب کا تحریری بیان ہے کہ مہربان علی و مختار علی صاحبان ذوالفقار علی صاحب کی غیر منکوحہ عورت سے ہیں اور خاندان میں خواص زادوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔(مقدمہ نمبر ۱۳۹ ۱۹۱۸ء)

اس موقع پر لفظ خواص کی تشریح اور اس کا کسی قدر مفہوم الفاظ ذیل سے ذہن میں آسکتا ہے'' یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ مہربان علی صاحب کے دادا میر غالب عرف میرن کی ماں خواص تھی بیشتر اس کے کہ اس کی شادی ہوئی'' ناظرین ان الفاظ سے خواص

کے معنی سمجھ لیں ۔دیوان شرف الدین علیخاں صاحب نے اپنے بیان تاریخی ۱۶ اگست ۱۹۲۱ء مشمولہ مثل نمبر ۱۳۹ 1918 ۱۹۱۸ء میں ظاہر کیا کہ خواص زادوں کی کبھی منکوحہ عورتوں کی اولاد سے شادی نہیں ہوئی ۔ میں نے اپنے والد و قاضی منیر الدین صاحب و میر شفیع حسین صاحب و دیوان سراج الدین علیخاں صاحب سے سُنا ہے کہ ''میرن (عرف غالب علی صاحب مہربان علی صاحب کے دادا) ناجائز اولاد تھے''

''ایک وقت میں ایک عورت خواص منکوحہ نہیں کہلائی جاسکتی'') جس سے اُن کا منشاء یہ ہے کہ ''کوئی شخص خواص نکاح سے قبل خواص رہتی ہے اور نکاح کے بعد وہ خواص نہیں کہلائی جاسکتی لہذا اصطلاحاً خواص منکوحہ بے معنی لفظ ہے''

''موضع دلواڑہ کے دہ سالہ بندوبست کے نقشہ میں مہربان علی صاحب کے بزرگ دیوان سید ذوالفقار علی صاحب کے لڑکے نہیں دکھلائے گئے ۔ حالانکہ ایک شریف بی بی کے بطن سے جو دولڑکیاں تھیں دکھلائی گئیں ہیں'' (اگر مہربان علی و مختار علی صاحبان کسی شریف بی بی کے بطن سے ہوتے اور شریف اولاد ہوتے تو دکھلائے جاتے) مہربان علی و مختار علی صاحبان اور اُن کے باپ دادا میں سے کسی کی شادی کبھی خاندان پیرزادگان میں نہیں ہوئی۔

دیوان غیاث الدین علیخاں صاحب کی اُس شکایتی رپورٹ پر جو انہوں نے ملازمین کے متعلق کی تھی اور جس میں مہربان علی اور مختار علی صاحبان کے والد وزیر علی صاحب بھی شامل تھے۔محکمہ کورٹ آف وارڈس کا آفس نوٹ ہماری نظر سے گزرا اس نوٹ میں اُن ملازمین یعنی وزیر علی صاحب وغیرہ کی حیثیت بتلاتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ جملہ ملازمان Illegitimate ال لیجی ٹی میٹ ہیں۔

دیوان غیاث الدین علیخاں صاحب سجادہ نشین مرحوم و قاضی منیر الدین صاحب وغیرہ نے ۱۸۸۵ء میں ایک خاندانی شجرہ محکمۂ کورٹ آف وارڈس میں پیش کیا تھا۔اس

شجرہ میں ذوالفقار علی خاں کی ناجائز اولاد کے سلسلہ میں جن لوگوں کے نام درج ہیں وہ منور علی، چاند علی، پیر محمد، میرن (مہربان علی ومختار علی صاحبان کے دادا) و وزیرا (مہربان علی ومختار علی) صاحبان کے والد وزیر علی جو وزیرا کے نام سے پکارے اور لکھے جاتے تھے) ہیں اور ان سب کے لئے بھی وہی لفظ Illegitimate ال لیجی ٹی میٹ لکھا ہوا ہے۔

دیوان شرف الدین علیخاں صاحب سجادہ نشین مرحوم کے دور میں جو فہرست گزارہ داران کورٹ آف وارڈس میں پیش ہوئی اُس میں مہربان علی ومختار علی صاحبان کی والدہ کا نام اس ریمارک کے ساتھ درج ہے کہ ''یہ بیوہ ذوالفقار علیخاں صاحب کی ناجائز اولاد میں سے ہے''

اسی سلسلہ میں ایک اور فہرست گزارہ داران پیش ہوئی تھی۔ جس میں خود مختار علی صاحب کا نام اس عنوان سے درج ہے کہ ''ذوالفقار علی خاں صاحب کا ناجائز پڑپوتا''

یہ تمام فہرستیں بعد تحقیقات جنرل منیجر کورٹ آف وارڈس نے مرتب کر کے ۱۹۱۴ء میں صاحب کمشنر ضلع کو بھیجی ہیں اُن میں ہر جگہ لفظ Illegitimate ال لیجی ٹی میٹ درج ہے۔

ہم اس لفظ کے معنی کے متعلق اپنی یادداشت پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اینگلو رومن اردو ڈکشنری مطبوعہ نولکشور ۱۸۹۸ء سے اس کے معنی نقل کرتے ہیں۔ اس ڈکشنری میں Illegitimate ال لیجی ٹی میٹ کے معنی۔ کم اصل غیر منکوحہ سے پیدا شدہ۔ حرام زادہ۔ حرامی۔ ولد الزنا ولد الحرام اور نطفہ حرام لکھے ہیں **انا للله و انا اليه راجعون يا ليتنی مت قبل هذا و كنت نسياً منسياً**

سجادہ نشین اور حضرت سلطان الہند کے جانشین کی نسبت تہمت تراشی وافترپردازی کا یہی نتیجہ ہے۔

چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکان برد

ہم تمام مسلمانان اجمیر و جملہ معتقدین و متوسلین آستانہ کونہایت اخلاص اور دردمندی کے ساتھ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ ان مخالفین کے فریب میں آ کر حضرت سلطان الہند کے صاحب سجادہ کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی کا شکار نہ ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ سجادہ نشین کی نسبت سوءظنی کی وجہ سے حضرت سلطان الہند نوراللہ مرقدہ' کی نظر لطف و کرم ہم سے پھر جائے اور ہم مردود بارگاہ سلطانی ہوکر دین و دنیا کہیں کے نہ رہیں ؎

من آنچہ شرط بلاغ ست با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

خانقاہ

درگاہ شریف سے متصل ایک بڑی طویل وعریض عمارت خانقاہ کے نام سے مشہور ہے جس میں متعدد رہائشی مکانات بھی ہیں یہ تمام مکانات جن پر خانقاہ کا اطلاق ہوتا ہے سجادگی سے متعلق اور سجادہ نشین کی منصبی جائداد مانے جاتے ہیں۔اس کے مکانات میں بعض اوقات خود سجادگان پیشین نے سکونت رکھی ہے اور عام طور پر سجادہ نشین کے لواحقین و ملازمین وغیرہ اُن کی اجازت سے رہتے آئے ہیں۔مہربان علی ومختار علی صاحبان کے والد وزیر علی صاحب معاہدہ اطاعت کے بعد باجازت سجادہ نشین دیوان سید غیاث الدین علیخاں صاحب مرحوم اس میں سکونت اختیار کئے ہوئے تھے (ملاحظہ ہو درخواست ۳۰ اکتوبر ۱۸۹۰ء منجانب وزیر علی صاحب) جن کی اولاد خود اپنے بزرگوں کے معاہدات اور اقرار نامہ جات سے منحرف وروگرداں ہوکر خانقاہ پر نہ صرف مالکانہ قبضہ کا ارادہ کرنے لگی ہے (مقدمہ نمبر ۵ ۱۸۶۵ء) بلکہ مدعی سجادہ نشینی اور سجادہ نشین حال کے خلاف مخالفت میں پیش پیش بھی ہے ؎

تفو برتو اے چرخ گرداں تفو

ان حالات کی بناء پر یہاں تو قبضہ خانقاہ کا سوال درپیش ہے اور وہاں سجادہ نشینی

کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

اس موقع پر تفنن طبع کی غرض سے دل چاہتا ہے کہ سجادہ نشین حال کو مخاطب کر کے ہم فردوسی کے چند اشعار نقل کریں جن پر اگر صاحب موصوف عمل فرمائیں گے تو اُن کے جانشینوں کو وہ دشواریاں پیش نہ آئیں گی جو خود اُن کو اس وجہ سے پیش آ رہی ہیں کہ سجادگان پیشین نے اُن پر عمل نہیں کیا۔

سر ناسزایاں برافراشتن ‏ ‏ وزیشان امید بہی داشتن

سررشتۂ خویش گم کردن است ‏ ‏ بجیب اندرون مار پروردن است

زبد گوہران بد نبا شد عجب ‏ ‏ نشاید ستردن سیاہی زشب

زناپاک زادہ مدارید امید ‏ ‏ کہ زنگی بہ شستن نگردد سپید

درختے کہ زشت ست دیراسرشت ‏ ‏ گرش برنشانی بباغ بہشت

دراز جوئے خلدش بہ ہنگام آب ‏ ‏ بہ بیخش شکر ریزی و شہد ناب

سرانجام جوہر بکار آورد ‏ ‏ ہماں میوہ تلخ بار آورد

جناب شہاب الدین صاحب

ان کا ذکر سرکاری ریکارڈ میں بہت ہے اور کئی جگہ ہے۔ عدالتی ریمارک ہے کہ ''آپ کی حمایت و معاونت خدام صاحبان کی جانب سے بھی بہت کی گئی جو تمام معاملات اور تمام حقوق میں دیوان کے پشتینی دشمن چلے آتے ہیں''۔ اگرچہ دیوان صاحب سابق کے زمانہ میں ممبریٔ درگاہ کے موقع پر اور بجائے دیوان صاحب مرحوم مجالس پنجشنبہ وغیرہ میں شرکت کے موقع پر بڑے شد و مد سے آپ کی مخالفت کی گئی تھی لیکن کہا جاتا ہے کہ چونکہ شہاب الدین صاحب نے متعدد اعزازی و مالی حقوق فروخت کر دیئے اور معاہدہ نذر کو مبلغ پانچ سو روپیہ سالانہ پر بحال و جاری رکھنے کا غالباً وعدہ کر لیا تھا۔ لہذا وہی پشتینی دشمن آپ کے بڑے معین و مددگار بن گئے تھے۔ آپ نے خادم صاحبان کو سازشی مدعا علیھم بھی بنالیا تھا (مقدمہ نمبر ۱۳۹۔ ۱۹۱۸ء) تاکہ کسی مناسب اسٹیج پر اُن کی جانب سے آپ کے حق میں اقبال دعویٰ داخل کر دیا جائے اور اس طرح عدالت مرعوب ہو اور آپ کے لئے راستہ صاف ہو جاوے لیکن بدقسمتی سے سب سے پہلے عدالت نے اسی سازش کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا اور یہ دعویٰ بھی کہ ہم سے انتخاب سجادہ نشین کے متعلق رائے لی جائے باطل ہونے کی وجہ سے خارج ہوا۔

عدالت کو عام طور پر یہ تسلیم رہا ہے کہ درگاہ حضرت خواجہ کے دیوان کو چونکہ ہندوستان کے عام مسلمان نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے سجادہ نشین میں ایسے اوصاف حمیدہ ہونے چاہییں جن کو تمام دنیا پسند کرے۔ اور عزت کی نگاہ سے دیکھے اس معیار پر اگر شہاب الدین صاحب کو جانچا جائے تو معاملہ بالکل برعکس نظر آئے گا۔ اور یہ نقشہ آنکھوں میں پھر جائے گا کہ ؎

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا

شہاب الدین صاحب ایک ہندو عورت راما کے بطن سے ہیں جن کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ اُن کے والد نے اُس کے مسلمان ہونے کے چندے بعد شادی کر لی تھی۔ اگرچہ جو نکاح نامہ پیش کیا گیا تھا اُس کا اعتبار نہیں کیا گیا اور نہ اُس کو مستند دستاویز مانا گیا۔

نکاح نامہ کی تاریخ ۱۳ ذیقعدہ ۱۲۸۲ھ ہے۔ جس کی مطابقت ۱۰ اپریل ۱۸۶۶ء سے ہوتی ہے۔ اس میں شہاب الدین صاحب کے والد ماجد نے بمواجہہ برادر مکرم دیوان سراج الدین علی صاحب اور اُن کی موجودگی میں راما بائی سے اُسی تاریخ میں نکاح کا اقرار کیا ہے لطف یہ ہے کہ دیوان سراج الدین علیخاں صاحب کا انتقال یکم نومبر ۱۸۶۵ء کو ہو چکا تھا گویا دیوان سراج الدین علیخاں صاحب کے انتقال کے پانچ ماہ دس یوم بعد نکاح ہوتا ہے اور دیوان صاحب مرحوم شرکت نکاح کے لئے عالم برزخ سے تشریف لے آئے۔

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

عدالتی طور پر بھی اس معاملہ شادی میں امور ذیل ہمیشہ قابل نزاع رہے۔ راما نے اپنا نام بعد قبول اسلام تبدیل نہیں کیا جو اس کو تبدیل کر لینا چاہیے تھا۔ دیوان غیاث الدین علیخاں صاحب مرحوم نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے کہ منیر الدین (شہاب الدین صاحب کے والد ماجد) کے گھر میں اس عورت راما (والدہ ماجدہ شہاب الدین) کا رہنا بدنامی کا باعث ہے۔

راما کے باپ کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ اور ظاہر طور پر اس کے متعلق کوئی علم نہیں ہے۔ اور یہ بات کہ اُس کی ماں کو مسلمان کر لیا گیا تھا۔ جس وقت اُس کی لڑکی کی شادی ہوئی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یا تو وہ فاحشہ تھی یا نا شادی شدہ ماں تھی جس کی تائید دیوان غیاث الدین علیخاں کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ ''راما کا منیر الدین کے گھر میں رہنا بدنامی اور

بے عزتی کا باعث ہے'' کپتان ہر برٹ کے سامنے دیوان امام الدین علیخاں صاحب کا بیان ہے'' کہ راما کو اس کے باپ نے گھر میں ڈالا ہوا ہے''یعنی منکوحہ بی بی سے وہ علیحدہ ہے یا صاف لفظوں میں یوں کہو کہ وہ منکوحہ بی بی نہیں تھی بلکہ ویسے ہی گھر میں ڈالی ہوئی تھی۔

مہربان علی صاحب کا بیان ہے کہ ''شہاب الدین ناجائز اولاد ہے والدہ شہاب الدین کا نکاح اس کے باپ سے نہیں ہوا۔ راما تاحیات مذہباً ہندو رہی'' (مقدمہ نمبر ۱۳۹ ۱۹۱۸ء دیوانی)

نکاح نامہ کی عبارت اور راما کی پوزیشن کے متعلق سوال قائم کر کے علمائے کرام سے فتویٰ طلب کیا گیا تھا۔ جواب ملا کہ راما ہندو تھی۔ اور نکاح نامہ غیر معتبر۔

یہ بات بھی ثابت ہے کہ شہاب الدین صاحب نے ایسے خاندان میں رشتے کئے ہیں جو پیرزادہ نہیں ہیں۔

حکام مقامی اس نتیجہ پر پہنچنے میں متفرد نہیں ہیں بلکہ اجمیر کا ہر شخص جانتا ہے کہ شہاب الدین صاحب میں کوئی خاص قابلیت بلحاظ دانائی فہم وفراست تعلیمی یا اخلاقی حیثیت ایسی نہیں ہے جو اُن کے پیدائشی نقائص کو پورا کر سکے۔ ان کے لئے حکام کے دل میں کوئی وقعت نہیں ہے جن کے وقت میں دیوان کی حویلی بدمعاشوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔

حویلی کے متعلق حکام کا خیال صرف اسی قدر ہے لیکن باشندگان اجمیر اس سے زیادہ جانتے ہیں۔ حکام کی طرح باشندگان اجمیر کو اس میں ذرا شبہ نہیں ہے کہ شہاب الدین صاحب کو نجیب الطرفین ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے (حکام کے مثل اُن کو بھی تسلیم ہے کہ)

کہ شہاب الدین صاحب کی والدہ ماجدہ راما راجپوت نہیں تھی اور کسی شریف گھرانے کی ہونے کی بجائے وہ ایک کمینہ گھرانے کی تھی۔

اگر مسلمانان اجمیر کے دلوں میں شہاب الدین صاحب کی کوئی توقیر وعظمت

ہوتی اور رائے عامہ کے مطابق اُن کی پیدائش میں دھبہ نہ ہوتا تو وہ اپنے علاتی بھائی دیوان سید امام الدین علیخاں صاحب کی وفات کے بعد دیوان ہوتے (فیصلہ اے ٹی ہوم صاحب کمشنر اجمیر ۲۵ مارچ ۱۳ء)

دیوان شرف الدین علیخاں صاحب مرحوم جو جائز طور پر منتخب کئے گئے تھے وہ دور کے پھوپھی زاد بھائی تھے جبکہ حسب دستور قدیم مرحوم دیوان کا قریبی رشتہ دار دیوان ہوا کرتا ہے۔

بہر حال شہاب الدین صاحب کے متعلق عدالتی ریکارڈ میں جو کچھ درج ہے اس سے بہت زیادہ عام طور پر لوگ اُن کی نسبت جانتے ہیں۔ اس لئے ہم بھی اس تکلیف دہ سلسلہ کو ختم کئے دیتے ہیں۔ جس کو ہم نے انتہائی مجبوری کی حالت میں بادل ناخواستہ شائع کیا ہے چونکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ جب تمام لوگوں کو یہ حالات معلوم ہو جائیں گے تو پھر اُن کی کوئی مخالفت سجادہ نشین حال کے حق میں موثر اور اُن کی کوئی تحریر عدالتی فیصلوں کے متعلق پبلک کو غلط فہمی میں نہ ڈال سکے گی اور وہ مسلمانوں میں کسی قسم کا فتنہ وفساد برپا نہ کر سکیں گے۔

شگوفہ نامی لایعنی رسالہ کی تردید میں چند سطریں

اگر چہ رسالہ نہ صرف اپنے مضمون مفہوم بلکہ اپنے نام کے لحاظ سے بھی مشتہرین اور اُن کے شریک تصنیف ہمنواؤں کی مبتذل اور بازاری ذہنیت کا عکس وفوٹو اور اُس کا مضمون اپنی تردید آپ ہے اجمیر کے سنجیدہ حلقوں اور معقول افراد کی تو اس بے معنی کذب و افترا تحریفات وتصرفات کے پشتارہ کے متعلق وہی رائے ہے جو خود اس کے ناقابل التفات مشتہرین کی حیثیت اور اُن کی حالت سے عیاں ہے۔ حقیقت میں نگاہوں اور نکتہ رس

نظروں نے اس سراب صفت طوفان سے کوئی دھوکہ نہیں کھایا اور اُنہوں نے محسوس کرلیا کہ اس کی کُل کائنات چند جھوٹے سچے غیر متعلق اور تحریف کئے ہوئے نقشے ہیں جن سے مشتہرین نے عوام کو دھوکہ دینا اور مسلمانوں میں افتراق پھیلانا چاہا ہے۔ تاہم اس پردہ میں اٹھارہ ناکام امیدواران سجادگی معہ متعلقین و ہمنوایاں چند درگاہ بازار کے دوکاندار اور خود سجادہ نشین کے پشتینی مخالفین کا ایک بڑا کثیر انبوہ اس موقع پر بھی در پردہ سجادہ نشین حال کے خلاف کارفرمائی میں پیش پیش اور پروپیگنڈہ میں برابر کا سہیم و شریک ہے۔ جس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ظاہر بیں اس طوفان سے متاثر نہ ہو جائیں اور مخالفت کا یہ تلاطم اور مخالفین کی اتنی کثرت عوام کو دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ اس لئے چند سطریں بطور اظہار حقیقت قلمبند کر کے شائع کی جاتی ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انہی نقشوں کی بناء پر جواب بصورت رسالہ شگوفہ شائع کئے گئے ہیں شہاب الدین صاحب نے آج سے کم وبیش دو سال پہلے ایک مقدمہ نمبر ۲۹ فوجداری میں دائر کیا تھا کہ سجادہ نشین حال جعلی شجرہ پیش کر کے اور دھوکہ دے کر سجادہ نشین ہو گئے یہ مقدمہ معہ اپیل نمبر ۲۰ علی الترتیب ۲۹ جنوری ۱۹۲۵ء کو عدالت ابتدائی سے اور اس کا اپیل ۱۸ مئی ۱۹۲۵ء کو ہائیکورٹ سے خارج ہو چکا ہے۔ وہاں سے ناکام ہونے پر اب تقریباً دو سال بعد اس مواد کو پبلک میں اس غرض سے پیش کیا گیا ہے کہ سجادہ نشین حال کے خلاف فضاء پیدا کر کے مقدمہ کے نام اور مظلومیت کے حیلے سے معتقدین آستانہ کی جیبیں خالی کی جاویں۔ لیکن پبلک ناسمجھ نہیں ہے جیسا کہ مشتہرین اور اُن کے ہمنواؤں نے اُس کو سمجھ رکھا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ اس قسم کے معاملات میں کھوٹے کھرے کے تصفیہ کی جگہ عدالت ہی ہو سکتی ہے لیکن مشتہرین نے یہ سمجھ کر ان نقشوں میں کوئی وزن نہیں ہے اور عدالت میں اس فریب آمیز جھوٹ کا تار پود بکھر چکا اب اس کو شائع کر دیا تا کہ مسلمانوں

میں افتراق وفتنہ برپا ہو جائے اور سجادہ نشین حال کے خلاف جس قدر بھی فضاء پیدا ہو سکے اور جس قدر بھی اُن کی شہرت کو نقصان پہنچ سکے اُسی سے دل ٹھنڈا کیا جائے۔

مشتہرین نے بڑی فیاضی اور دریا دلی سے کام لے کر ایک سو روپیہ کا انعام مشتہر کیا ہے لیکن اس میں بھی بڑی فطرت رکھ گئے ہیں۔ ناظرین نوٹ کر لیں کہ اس رسالہ میں جو نقشے دیئے گئے ہیں یا جو باتیں لکھی گئی ہیں اُن میں سے کسی کو غلط ثابت کرنے سے یہ انعام مشتہرین سے نہیں مل سکے گا بلکہ کچھ اور کاغذات جن کو مشتہرین نے اپنے عیوب کی طرح مخفی کیا ہوا ہے فردائے قیامت تک شائع ہونگے اُس کے شائع ہونے کے بعد اگر اس سب اگلے پچھلے ذخیرہ کو غلط ثابت کر دیا جائے گا تب کہیں مشتہرین کی رگ حاتمی جوش میں آئے گی۔ دریائے سخاوت میں موجیں اٹھیں گی اور وہ مبلغ ۱۰۰ روپیہ سکہ گورنمنٹ بطور انعام مرحمت فرمائیں گے ملاحظہ ہو شگوفہ صفحہ ۸ سچ ہے۔

پرستار زادہ نیاید بکار

ناظرین فردوسی کے تجربہ کے داد یں جو لکھ گیا ہے۔

زنا پاک زادہ مدارید امید

اس کے بالمقابل ہم مشتہرین اور اُن کے تمام ہمنواؤں کو چیلنج دیتے ہیں کہ اگر وہ اس رسالہ سے یا اُن تمام کاغذات سے جو ان کے پاس محفوظ ہیں یا جو وہ آئندہ حاصل کر سکتے ہیں۔ عدالت میں سجادہ نشین حال کو راجپوت ثابت کر دیں تو ہم اُن کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے مشتہرین اور تمام مخالفین ثابت کرنے کے بعد حقدار ہو جائیں گے کہ ہم سے ذریعہ عدالت ایک ہزار رقم انعام وصول کر لیں لیکن اگر ثبوت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے مقدمہ خارج ہوا تو چیلنج قبول کرنے والے مدعی کو مبلغ تین سو روپیہ قانوناً ادا کرنے ہونگے جو مسلمانان شہر کی رائے سے تبلیغ اسلام کے کاموں میں صرف کئے جاویں گے۔

مشتہرین نے رسالہ کے صفحہ (۱) پر لکھا ہے کہ عدالت دیوانی میں دعویٰ حق سجادگی دائر تھا اور تحقیقات و کارروائی ضابطہ ہو رہی تھی کہ کمشنر صاحب سے تقرر سجادگی کی درخواست کر دی گئی۔ یہ بالکل صحیح واقعہ ہے کہ درخواست کی گئی اور عدالتی ریکارڈ میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ اس قسم کی درخواست تمام امیدواروں نے کی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس عبارت سے وہ الزام کس پر دینا چاہتے ہیں۔ تنہا سجادہ نشین حال اس قسم کی درخواست کرنے والے نہ تھے۔ بلکہ خود مشتہر اکبر حسین صاحب اور دوسرے مشتہر کے بھائی مہربان علی صاحب بھی تھے۔ اگر اس عبارت سے کسی خاص شخص پر الزام دینا مقصود ہے تو وہ ہر امیدوار پر عائد ہو سکتا ہے جس میں مشتہرین بھی برابر کے شریک ہیں۔

مشتہرین نے صفحہ ۲ پر لکھا ہے کہ سجادہ نشین حال نے کوئی شجرہ بندوبست مقصدہ عدالت از سید مسیح اللہ تا آلِ رسول پیش نہیں کیا۔ ہمارا یقین ہے کہ گانا ہیڑہ دلواڑہ اور موضع دھولکوٹ کے مصدقہ کاغذات و کیونڈش صاحب کی تحقیقات کے بعد بھی مشتہرین کا یہ لکھنا شرمناک اور دلیرانہ جھوٹ کی ایسی مثال ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اور یہ لکھنا کہ صرف معین الاولیاء پر اکتفا کیا گیا ایک اور صریح جھوٹ ہے ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ معین الاولیاء پر ثبوت کا حصر نہیں کیا گیا بلکہ وہ تو تقریباً چوتھے درجہ میں بطور ایک تائیدی ثبوت کے مانی گئی ہے اور ایسے شخص کی تصنیف ہے جو ضلع اجمیر کا ڈپٹی کلکٹر کاغذات بندوبست و مال کا ماہر اور خود سجادہ نشین حال کا پیش رو سجادہ نشین تھا۔

مشتہرین نے صفحہ ۶ پر لکھا ہے کہ (۱) نقشہ نمبر (۱۰) مکمل شجرہ اولاد ہے (۲) سجادہ نشین حال اور اُن کے بزرگوں نے جاگیر دلواڑہ وغیرہ میں سے کوئی حصہ یا گزارہ نہیں پایا۔ (۳) خاندان دیوان سے کبھی تعلق نہیں رہا۔ رشتہ نہیں ہوا۔ (۴) درگاہ شریف کے حقوق میں سے ان کو کچھ نہیں ملا (۵) دیوان شرف الدین علیخاں صاحب۔ نے بیان کیا کہ اُن

کا تعلق اس خاندان سے نہیں ہے۔ اس عبارت میں مشتہرین نے سجادہ نشین حال کے متعلق پانچ باتیں بطور اعتراض لکھی ہیں جن پر ہم نے نمبر دیئے ہیں یہ مشتہرین کی قابلیت ہے کہ اس مختصر مفہوم کو نہایت پیچیدہ عبارت میں اور مکرر سہ کرر لکھ گئے ہیں۔

مشتہرین نے نقشہ نمبر۱۰ کو مکمل شجرہ اولاد ظاہر کیا ہے جس کے مستند و مصدقہ ہونے کا ثبوت شائد آئندہ رسالہ کے لئے محفوظ رکھ لیا گیا ہے تاہم اس سے مشتہرین کو کوئی خاص فائدہ اور سجادہ نشین حال کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی۔ اس شجرہ میں دیوان سید ذوالفقار علی کے تحت میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے کہ اُن کی اولاد اجمیر میں موجود ہے ہم مانتے ہیں کہ موجود ہے لیکن غیر شریف بطن سے ہے آل لیجی ٹی میٹ ہے اور استحقاق سجادہ نشینی کے لئے شریف البطن لیجی ٹی میٹ اور نجیب الطرفین ہونا ضروری ہے۔ دیوان امام الدین علیخاں صاحب لاولد کے تحت میں لکھا ہے کہ انکے برادران اجمیر میں موجود ہیں ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ موجود ہیں جن کی زیارت درگاہ بازار کی دوکانوں پر ہر وقت کی جاسکتی ہے لیکن وہ جیسے ہیں اس کی سرگزشت ناظرین آپ پڑھ چکے ہیں اور مشتہرین پہلے سے واقف ہیں اور عدالت میں خود مہربان علی صاحب اُن کے خلاف بہت کچھ ثابت کر چکے ہیں۔

اس شجرہ میں حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ سے سید مسیح اللہ تک سلسلہ نسب ثابت ہے سید مسیح اللہ کے لڑکے سید شاہ علی دکھلائے گئے ہیں۔ حالانکہ اُن کے دو اور لڑکے سید فضل علی و سید کلب علی بھی تھے جن کی اولاد سے سجادہ نشین حال ہیں۔ اور جن کا ثبوت کاغذات مصدقہ بندوبست گانا ہیڑہ دلواڑہ اور کیونڈش صاحب کی تحقیقات اور کاغذات مصدقہ بندوبست دھولکوٹ سے ہو چکا ہے اور یہاں تک ثبوت مل چکا ہے کہ جاگیر گانا ہیڑہ دلواڑہ میں فضل علی و کلب علی کے حصے اُن کے بھائی اور بھتیجے شاہ علی و نوازش علی کے قبضہ میں تھے اور اُن کی اولاد دھولکوٹ میں آباد ہے اور انہوں نے ان کے بجائے دستخط کئے۔ اسی

شجرہ سے ثابت ہو گیا کہ سجادہ نشین حال سلسلہ اولا د حضرت خواجہ بزرگؒ میں داخل ہیں اور انکے بزرگوں نے جاگیر گانا ہیڑہ و دلواڑہ وغیرہ میں اپنے بھائی اور بھتیجے کی وساطت سے حصہ پایا ہے۔

مشتہرین کا یہ لکھنا کہ سجادہ نشین حال کا خاندان دیوان سے تعلق نہیں رہا۔ رشتہ نہیں ہوا اُن کے حافظہ کے فقدان کی دلیل ہے

دروغ گورا حافظہ نباشد

سجادہ نشین حال سے خاندان پیرزادگان میں رشتہ داری اور تعلقات قرابت موجود ہیں لیکن اگر مشتہرین کو کسی مخصوص حویلی ہی میں تعلق ورشتہ کا شوق ہے تو وہ بھی اس طرح قائم ہو چکا کہ سجادہ نشین حال سجادہ نشین آستانہ ہو گئے۔ اور اس طرح سابق سجادہ نشین سے اُن کے رشتہ اور تعلق کا اثبات ہو گیا۔

درگاہ شریف کے حقوق میں حصہ نہ ملنا بھی کوئی وزنی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس میں اجمیر و دھولکوٹ کا بعد حائل تھا۔ یہ اعتراض البتہ بظاہر حالات اور ناواقفین کے لئے وزنی ہو سکتا ہے کہ دیوان سید شرف الدین علیخاں صاحب نے سجادہ نشین حال سے ناواقفیت کا اظہار کیا لیکن واقف کار جانتے ہیں اور عدالتی ریکارڈ سے اس کا ثبوت دیا جا سکتا ہے کہ سید شرف الدین علیخاں صاحب مرحوم نہایت سیدھے سادے اور حالات وفضاء سے بغایت متاثر ہو جانے والے بزرگ تھے وہ تمام شہاب الدین کے قبضے میں تھے اور اپنی زندگی بھر جو کچھ کر سکتے تھے وہ انہوں نے شہاب الدین کی سجادہ نشینی کے لئے کیا لیکن جس طرح شہاب الدین کے حق میں اُن کی تمام تائید اور مدۃ العمر کی سعی بیکار ہوئی اسی طرح اگر سجادہ نشین حال کے حق میں انکی صرف ناواقفیت بیکار ہو گئی اور اُن کے حق کو زائل نہ کر سکی تو کوئی جائے تعجب نہیں ہے۔ مخالفین کو اس واقعہ سے یہ درس عبرت لینا چاہیے کہ حق کا درجہ

کسی کی تائید وعدم تائید دونوں سے بالاتر ہوا کرتا ہے اُس کے لئے ظاہری تائیدات ونمائشی اعانتوں کی بجائے یہی کافی ہے کہ وہ حق ہے اور حق ہو کر لاکھوں لازوال باطنی تائیدیں اور غیبی امدادیں اُس کو میسر آ جاتی ہیں۔ مخالفوں کی بڑی سے بڑی مخالفت عین موقع پر اُس کے لئے سب سے بڑی موافقت بن جاتی ہے۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

مشتہرین نے صفحہ ۷ پر لکھا ہے کہ بعد تقرر آلِ رسول صاحب دیگر وارثان کو عدالت دیوانی کی چارہ جوئی سے بھی محروم رکھ دیا گیا۔ معلوم نہیں کہ دیگر وارثان کو محروم کرنے والا کون شخص ہے۔ جس کی مشتہرین شکایت کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ محرومی کے لئے اس قسم کا کوئی حق سجادہ نشین حال کو ہو نہیں سکتا۔ کمشنر صاحب نے عدالت دیوانی میں چارہ جوئی کے لئے کوئی امتناعی حکم دیا نہیں۔ بلکہ ناکام مدعیان سجادگی نے سجادہ نشین حال کے تقرر کے بعد عدالت دیوانی کی جانب رجوع کیا۔ لیکن شومیٔ بخت کہ وہی عدالت دیوانی جس کو ناکام مدعیان اپنا مرجع امید وکامیابی سمجھے ہوئے تھے اُن کے حق میں کوئی مفید قدم نہ اٹھا سکی اور خود اُس نے قرار دیا کہ اس معاملہ کی سماعت کا حق لوکل گورنمنٹ کو تھا۔ ہم کو اختیار سماعت حاصل ہے نہ ہم لوکل گورنمنٹ کے حدود اختیارات میں دخیل ہو سکتے ہیں۔ اس کی اپیل ونگرانی وغیرہ سب خارج ہو چکی۔

اب ہم اُن نقشہ جات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو مشتہرین وہمنوایانِ مشتہرین کی تمام دوا دوش اور خدا جانے کن کن امیدوں کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

مشتہرین نے ان نقشہ جات کی توضیح جس قدر لچر الفاظ اور مہمل عبارت میں کی ہے اُس سے علاوہ اس کے کہ اُن کی تحریری ناقابلیت کا راز فاش ہو جاتا ہے وہ مفہوم بھی ذہن سے نکل جاتا ہے جو نقشہ جات کے معائنہ سے سمجھا ہوا ہوتا ہے۔

نقشہ نمبر ا یہ نقشہ تمام تر مخالفین کی امیدوں کا مرکز اور حاصل کتاب ہے۔ اس لئے کہ اس میں لفظ راجپوت درج ہے جس کے ساتھ کذب وتحریف کی آمیزش کر کے ایک سر بفلک عمارت کھڑی کر دی گئی ہے اس نقشہ نمبر ا کے متعلق ہم مشتہرین اور اُن کے تمام ہمنواؤں کو چیلنج دینا چاہتے ہیں کہ اگر اس کے کُل اندراجات نام، قومیت ولدیت، اراضی وغیرہ وغیرہ کسی ایک اندراج کا بھی کسی قسم کا تعلق وراثتاً سجادہ نشین حال سے ثابت کر دیا جائے تو ہم مبلغ ایک ہزار روپیہ سکہ گورنمنٹ ان کو انعام دیں گے۔ اور تعلق ثابت کرنے والے مجاز ہونگے کہ یہ انعام ہم سے بذریعہ عدالت قانوناً وصول کر لیں۔ کہاں ہیں ناکام مدعیان سجادگی۔ کدھر ہیں؟ مخالفین سجادہ نشین حال! آئیں اور اس چیلنج کو قبول کریں۔ لیکن اگر ثبوت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے مقدمہ خارج ہوا تو چیلنج قبول کرنے والے مدعی کو مبلغ تین سو روپیہ قانوناً ادا کرنے ہوں گے۔ جو مسلمانان شہر کی رائے سے یتیم خانہ میں صرف کئے جائیں گے۔

نقشہ نمبر ۲ بد قسمتی سے مخالفین کے لئے نقشہ نمبر ا کے مثل کارآمد نہیں ہے۔ تاہم اس کے متعلق بھی ہم تمام مخالفین کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر یہ ثابت کر دیا جاوے کہ اس نقشہ کی کوئی اراضی یا عمارت سجادہ نشین حال تک منتقل ہو کر اُن کے قبضہ میں آئی ہے تو ہم اس پر بھی مبلغ ایک ہزار روپیہ سکہ گورنمنٹ انعام دیں گے۔ ثابت کرنے والے حقدار ہونگے کہ ہم سے یہ انعام بھی ذریعہ عدالت وصول کر لیں لیکن اگر چیلنج قبول کرنے والے مدعی کا عدالتی ثبوت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے مقدمہ خارج ہوا تو مبلغ تین سو روپیہ قانوناً ادا کرنا ہونگے جو مسلمانانِ شہر کی رائے سے انجمن ناظر اوقاف کے کاموں میں خرچ ہونگے۔

نقشہ نمبر ۳ لغایت نمبر ۸ میں جو تحریفات اور رائے زنی منجانب مشتہرین کی گئی ہے وہ قطع نظر اس سے کہ سجادہ نشین حال کیلئے کسی مضر مواد پر مشتمل نہیں ہے اُس کی توضیح اور اُس

کے متعلق ہم کسی تشریح کو مناسب خیال نہیں کرتے اور اس تمام ذخیرہ کو خاص وقت کے لئے محفوظ رکھتے ہیں۔ البتہ اس قدر اشارہ کر دینا چاہتے ہیں کہ مشتہرین نے نقشہ نمبر ا اور ۲ کے ساتھ نقشہ نمبر ۳، ۴، ۵، ۶ کو شامل کر کے نقشہ نمبر ۳ تا ۶ کے خانہ کیفیت کی عبارت کا اطلاق نمبر ا، ۲ پر کر دیا ہے اور اس طرح عام مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے حالانکہ نقشہ نمبر ا، ۲ کے خانہائے کیفیت بالکل خالی ہیں اور ان میں کوئی شرط وراثتاً انتقال وغیرہ کے متعلق درج نہیں ہے اس کے ماسواء کاغذات بندوبست و مال سے واقفکار اصحاب جانتے ہونگے کہ جائیداد سکنی کا داخل خارج کاغذات مال میں نہیں ہوا کرتا۔ اور جبکہ نقشہ نمبر ا، ۲ کے خانہائے کیفیت خالی ہیں اور ان میں کوئی شرط درج نہیں ہے۔ مشتہرین کا مقصد ان غیر متعلق نقشہ جات کی آمیزش اور خلط سے صرف یہ ہے کہ کسی طرح ایک غیر متعلق نقشہ میں جو لفظ راجپوت درج ہے اس کو دوسرے متعدد نقشہ جات کے ساتھ ملا کر سب پر راجپوت کا اطلاق کر دیا جائے۔

نقشہ نمبر ۷ مشتہرین نے نقشہ نمبر ا تا ۶ سے مرتب کیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ نقشہ نمبر ۷ سابقہ غلط در غلط اور غیر متعلق نقشوں سے مرتب کیا گیا ہے۔ (ا) اس میں گھیسو خاں و نصیر علی راجپوت کو بھائی بھائی بتلایا ہے۔ اور اُن (۲) کی جاگیر سجادہ نشین حال تک منتقل ہونا ظاہر کیا ہے۔ ہم اس پر بھی نہایت بلند آہنگی کے ساتھ چیلنج کرتے ہیں کہ اگر گھیسو خاں و نصیر علی راجپوت کو بھائی ثابت کر دیا جائے اور اُن میں سے کسی ایک کی جاگیر و جائیداد کا بھی سجادہ نشین حال کے قبضہ میں وراثتاً" آنا ثابت کر دیا جائے تو ہم مبلغ ایک ایک ہزار روپیہ سکہ گورنمنٹ انعام دیں گے ثبوت پیش کرنے والے مجاز ہونگے کہ ان دونوں باتوں کو ثابت کر کے ہم سے دو ہزار روپیہ یا ان میں سے کوئی ایک بات ثابت کر کے ہم سے ایک ہزار روپیہ انعام ذریعہ عدالت وصول کر لیں۔ لیکن اگر ثبوت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے مقدمہ

خارج ہوا تو چیلنج قبول کرنے والے مدعی کو دونوں باتیں ثبوت نہ ہونے کی صورت میں مبلغ چھ سو روپیہ یا ان میں سے کسی ایک بات کا ثبوت نہ ہونے کی حالت میں مبلغ تین سو روپیہ قانوناً ادا کرنے ہونگے جو مسلمانانِ شہر کی رائے سے تعلیم اسلام اور مصیبت زدہ مسلمانوں کی امداد میں صرف کئے جائیں گے۔

مشتہرین نے موضع دلواڑہ کے متعلق ایک شجرہ نمبر ۹ پیش کیا ہے جو سید عطا اللہ سے شروع ہو کر سید رضا حسین لاولد پر ختم ہو جاتا ہے اس میں سید مسیح اللہ کی اولاد میں سے صرف سید شاہ علی دکھلائے گئے ہیں۔ اور سید فضل علی اور سید کلب علی کا نام نہیں ہے۔

اس شجرہ پر نہ تو تاریخ و سنہ تحریر ہے اور نہ کسی حاکم کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں۔ تاہم ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم حریف کی کسی کوتاہی یا کمزوری سے فائدہ اٹھا کر کسی اعتراض سے اغماض اور جواب سے پہلوتہی کر جائیں۔

ناواقف مشتہرین کو ہم بتلانا چاہتے ہیں کہ شجرہ نمبر ۹۔ ۱۸۷۴ء کا ہے اس سے قبل ۱۸۳۱ء میں کیونڈش صاحب کی تحقیقات ہوئی تھی جس میں سید مسیح اللہ کے تین لڑکے سید شاہ علی و سید فضل علی و سید کلب علی ثابت ہو چکے تھے۔ اور ہر دو آخر الذکر کے متعلق یہ ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ دھولکوٹ میں آباد ہیں اور اُن کا حصہ اُن کے حقیقی بھائی سید شاہ علی اور بھتیجے نوازش علی کے قبضہ میں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب سید فضل علی و سید کلب علی کا حصہ اُن کے بھائی اور بھتیجے شاہ علی و نوازش علی کو بزمانہ تحقیقات کیونڈش صاحب قبل از دہ سالہ تفویض کر دیا گیا تھا۔ اور وہ اُن کے حصہ کیلئے ذمہ دار ہو چکے تھے تو اب بعد کے شجروں میں سید فضل علی و سید کلب علی کے ناموں کا اندراج نہ ہو تو مضائقہ کیا ہے سید شاہ علی و سید نوازش علی کا نام آ جانا ہی کافی اور گویا خود اُن کا نام آ جانا ہے۔

گوت برسوال کی تشریح

شگوفہ کے نقشہ نمبر۳ میں قوم سید کے بعد ایک لفظ گوت برسوال لکھا ہوا ہے۔اس کو مشتہرین نے غیر متعلق نقشہ نمبرا کے راجپوت کے ساتھ جوڑنے کی ناکام کوشش کی ہے۔اگر مشتہرین کو یہ تحقیق ہو جاتا کہ یہ لفظ گوت برسوال کوئی مضر چیز اپنے معنی کے لحاظ سے کوئی پُر خطر شے یا راجپوت قوم کی گوتوں میں سے کوئی گوت ہے تو وہ اس کے لئے ایک دو صفحہ ضرور سیاہ کر دیتے اور صرف اس چلتے ہوئے اور سرسری استفسار پر ہرگز بس نہ کرتے کہ سیدوں میں بھی کوئی گوت برسوال ہوا کرتی ہے؟ ایسی حالت میں کہ مشتہرین نے اس لفظ کی کوئی تشریح نہیں کی اور کافی جدوجہد کے باوجود بھی اُن کے مفید مطلب کوئی معنی اُن کو نہ مل سکے ہم پر اس کی جواب دہی وصفائی ضروری نہیں رہتی۔تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ضروری تشریح وکیفیت سے ناظرین کو باخبر کر دیا جائے تاکہ مخالفین کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔گوت برسوال جہاں تک ہماری تحقیق کا تعلق ہے۔راجپوتوں کی کوئی گوت نہیں ہے۔راجستان رتنا کر ایک ہندی کتاب اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔اس میں قوم راجپوت کی گوتیں لکھی ہوئی ہیں۔خوش قسمتی سے ان میں گوت برسوال کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔

موضع دھولکوٹ ضلع گوڑ گانوہ کے باشندگان سب کے سب قریب قریب قوم راجپوت ہیں اُن سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ راجپوتوں میں کوئی گوت برسوال نہیں ہوتی اور بالخصوص اس موضع میں اس نام کی کوئی گوت نہیں ہے۔باشندگان دھولکوٹ کا بیان ہے کہ نہ صرف ہم بلکہ ہمارے معمر بزرگ تک اس نام کی کسی گوت سے واقف نہیں ہیں ملاحظہ ہو خط باشندگان دھولکوٹ بصفحہ ۶۱

ان سب سے زیادہ وزنی اہم قطعی اور فیصلہ کن رائے وہ ہے جو اس لفظ گوت برسوال کے متعلق ہمارے معزز دوست قابل ولائق مصنف اور راجپوتانہ کے مشہور و نامور

مورخ جناب رائے بہادر پنڈت گوری شنکر ہیرا چند صاحب اوجھا بی۔اے لائبیریرین وکٹوریا ہال اودیپور وحال سپرنٹنڈنٹ میوزیم اجمیر نے ہمارے استفسار پر کافی تحقیق وتلاش کے بعد ایک خط کے ذریعہ ظاہر فرمائی ہے۔امید ہے کہ اس خط وکتابت کی اشاعت کے بعد ناظرین اس لفظ کے متعلق ایک قطعی رائے قائم کرسکیں گے:

عنایت فرمائیم جناب رائے بہادر پنڈت گوری شنکر صاحب اوجھا بی اے سپرنٹنڈنٹ میوزیم اجمیر تسلیم!

تصدیعہ خدمت یہ کہ ایک قابل اور لائق مورخ کی حیثیت سے جناب کو ایک تکلیف دی جاتی ہے۔امید ہے کہ جناب جواب سے سرفراز فرما کر ممنون منت فرمائیں گے۔جناب کو راجپوت قوم کے متعلق کافی معلومات ہونگی۔اسوقت مجھے قوم راجپوت کی گوتوں کے متعلق جناب سے یہ استفسار کرنا ہے کہ اس قوم میں کُل گوتیں کتنی ہوتی ہیں اور گوت برسوال راجپوتوں کی کوئی گوت ہے یانہیں۔نیز یہ کہ عام طور پر گوت کن کن مقاصد سے تحریر کیا جاتا ہے اور اگر کسی سید کے نام کے ساتھ گوت برسوال لکھا ہوا ہو تو آپ کے خیال میں اس کا منشاء کیا ہونا چاہیے۔امید کہ جناب تکلیف فرما کر جواب سے مطمئن فرماویں گے فقط محی الدین عفاء اللہ عنہٗ

جواب

آپ کا خط مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۲۷ء کو وصول ہوا۔ جواباً گزارش ہے کہ راجپوتوں میں سینکڑوں گوت یا کہانپیں ہوتی ہیں۔ جہاں تک مطالعہ کی رُو سے کُلی اطمینان کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ راجپوتوں میں برسوال کے نام کا گوت کوئی پایا نہیں گیا۔ جن ناموں کے اخیر میں وال لفظ لگتا ہے وہ اس گاؤں یا قصبہ یا شہر کا رہنے والا بتلاتے ہیں۔ جیسے کھنڈیل وال کھنڈیلہ کے رہنے والے خواہ کوئی قوم ہو۔ جیسے کہ مہاجنوں میں اوسوال اوسیا کے باشندہ ہیں۔ ایسے ہی اگر برسوال گوت ہے یا اگر کسی مسلمان کے ساتھ برسوال لگا ہوا ہو تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے بزرگان و مورثان برس یا برسا کے گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ اس لفظ سے قوم و ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف اس کی سکونت کا لفظ ہے۔ اور اس سے کسی قسم کا بار ذات پر نہیں ہے۔ فقط دستخط بخط انگریزی گوری شنکر۔ ایچ۔ اُوجھا

مسٹر اُوجھا کی تحقیق کی صحت پر ایک زبردست قرینہ یہ ہے کہ اگر یہ لفظ گوت برسوال راجپوتوں کی کوئی گوت ہوتا یا راجپوت کی جزو یا شاخ ہوتا تو نقشہ نمبر ۳ میں اس کے پہلے لفظ راجپوت ضرور درج ہوتا کیونکہ جزو شاخ کے پہلے کل یا اصل کا وجود ضروری ہوتا ہے جیسا کہ کاغذات مال کا دستور ہے کہ ان میں اولاً قوم اور اُس کے بعد اُس کی گوت درج ہوا کرتی ہے۔ ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ نقشہ نمبر ۳ میں اس لفظ گوت برسوال سے پہلے لفظ سید موجود ہے۔ اگر لفظ سید کے ہوتے ہوئے بھی کسی بدگمانی کی گنجائش ہے۔ تو کم از کم اس سے یہ امر ضرور صاف ہو گیا کہ یہ لفظ راجپوت کا جزو یا اس کی شاخ نہیں ہے۔ رہا یہ خیال کہ لفظ سید کے بعد اندراج کی وجہ سے اُس کی جزو ہو تو خوش قسمتی سے ایسا بھی نہیں ہے اس لئے کہ بجز نقشہ نمبر ۳ کے اس سے پہلے اور بعد کے تمام نقشہ جات میں ہر جگہ لفظ سید موجود

ہے۔اور گوت برسوال کا کہیں نشان بھی نہیں ہے اگر یہ لفظ جزوِ ذات ہوتا تو ہر نقشہ میں بالالتزام لکھا جاتا جیسا کہ لفظ سید ہر نقشہ میں لکھا گیا ہے۔ یہ اس بات کی قطعی اور واضح دلیل ہے کہ یہ لفظ (گوت برسوال) جزوذات نہیں ہے۔

اس وقت نقشہ نمبر۳ سے ماقبل ومابعد کے متعدد نقشہ ہمارے پیش نظر ہیں اور خود رسالہ شگوفہ میں جو تین نقشہ نمبر۴'۵'۶ درج ہیں جن کو دیکھ کر ہر شخص اس امر کا اطمینان کر سکتا کہ لفظ سید ہر نقشہ میں لکھا ہوا ہے اور گوت برسوال کسی ایک میں بھی بجز نقشہ نمبر۳ نہیں ہے۔

ایک جگہ نقشہ نمبر۴ میں لفظ سید کے بعد گوت بخاری لکھا ہے جو اس بات کی زبردست تائیدادقرینہ بن سکتا ہے کہ گوت برسوال اور گوت بخاری دونوں سکونت کے لحاظ سے لکھے گئے ہونگے۔

اب یہ کہ نقشہ نمبر۳ میں لفظ سید کے بعد گوت برسوال اور نقشہ نمبر۴ میں پھر اُسی لفظ سید کے بعد گوت بخاری خواہ سکونت ہی کے لحاظ سے سہی کیوں لکھا گیا اور کس نے لکھوایا اور اس قسم کے نقشوں میں ایسے الفاظ کی موجودگی واندراج سے اس شخص پر جس کا ان نقشوں سے تعلق ہو گیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ان سب سوالات پر کسی خاص موقع پر روشنی ڈالی جاویگی۔اور اُن اہم ترین پوائنٹس کے ذریعہ جو مصلحتاً مخفی رکھے گئے ہیں اس نہایت پر لطف لفظ کی تشریح کی جاوے گی۔ ناظرین دعا کریں کہ اس توضیح وانکشاف کے بعد کچھ لوگ کسی ناگہانی آفت یا صدمہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

لفظ دوہلی کی تشریح

سجادہ نشین حال اور اُن کے بزرگوں کے نام کے ساتھ جو لفظ دوہلیدار استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا اظہار کرتے ہوئے مشتہرین نے شگوفہ صفحہ ۴ پر اس کی وجہ تسمیہ سے لاعلمی ظاہر کی ہے اور بعد میں از راہ عنایت اس کی نامکمل توضیح ان الفاظ میں کی ہے کہ اجمیر میرواڑہ میں اہل ہنود جو اراضی مندروں میں بطور خیرات دیتے ہیں اس کو دوہلی کہا جاتا ہے اور کسی دوسرے رسالہ میں اس کی تشریح کا بھی وعدہ کیا ہے ہم مشتہرین کو بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ لفظ کسی خطرناک اور انکے مفید مطلب معنی پر مشتمل نہیں ہے اگرچہ مشتہرین نے اس کی ناقص تشریح کر کے اس کے معنی کو اپنے مفید مطلب بنانا چاہا تھا۔ دوہلی ہندی لفظ ہے۔ اس کا مفہوم وہی ہے جو معافی کا ہے اور اس کا اطلاق اُن زرعی اراضیات پر کیا جاتا ہے جو کسی متبرک مقام مثلاً مندر، مسجد، درگاہ، یا کسی پنڈت اور مقدس بزرگ کو بلا کسی شرط خدمت کے دیجاویں اور جس پنڈت یا بزرگ کی یہ اراضیات دی جاتی ہیں اس کو دہلیدار کہتے ہیں یہ اراضیات اولاد در اولاد منتقل ہوتی چلی آتی ہیں اور ان کی واپسی اُس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک دوہلیدار کی اولاد یا اولاد کی اولاد مسلسل موجود ہے۔ اہل ہنود اس قسم کی آراضیات اپنے متبرک مقام مندر اور قابل احترام پنڈت کو دیتے ہیں اور اہل اسلام اپنی متبرک مساجد و خانقاہ اور مقدس مشائخ کو دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ نقشہ نمبر ۳ مندرجہ شگوفہ کے خانہ کیفیت میں یہ اراضیات بحق پیری دینا لکھا ہوا ہے جس سے سجادہ نشین حال اور اُن کے بزرگوں کا مرجع خلائق بزرگ ہونا اور باشندگان دھولکوٹ کا اُن سے بیعت ہونا ظاہر ہے۔

باشندگان دہولکوٹ سے خط وکتابت

اس موقعہ پر ہم وہ خط وکتابت نقل کیے دیتے ہیں جو ہم نے ابھی حال میں باشندگان دھولکوٹ سے مسائل مندرجہ شگوفہ کے متعلق کی تھی۔ جس سے ہمارے تردیدی پوائنٹس کی بڑی حد تک تصدیق ہوتی ہے

ازاجمیر شریف ۱۰ اپریل ۲۷ء

بخدمت شریف جناب جمعدار امداد علی خاں صاحب پنشنر وذیلدار حلقہ دھولکوٹ ونظر علی خاں صاحب نمبردار و بسوہ دار و فیاض محمد خاں صاحب دفعدار پنشنر و بسوہ دار و روح اللہ خاں صاحب دفعدار پنشنر و بسوہ دار و فجر علی خاں صاحب بسوہ دار و جان محمد خاں صاحب نمبردار و بسوہ دار وظہور علی خاں صاحب دفعدار پنشنر و بسوہ دار و محمد اسحاق خاں صاحب جمعدار و فیروز خاں صاحب نمبردار و بسوہ دار ماتھو خاں صاحب نمبردار و امام علی خاں صاحب نمبردار و مدد علی خاں صاحب نمبردار و ابراہیم خاں صاحب نمبردار وغیرہ ہم سکنہ موضع دھولکوٹ تحصیل و ضلع گوڑگانوہ

السلام علیکم۔ تصدیعہ خدمت یہ کہ آپ بھائیوں کی جانب سے بہ تعلق مذہبی وبلحاظ اخوت اسلامی ہم کو سوالات ذیل کے جوابات مطلوب ہیں امید کہ آپ سب بھائی باہمی تبادلۂ خیالات ومشورہ اوراپنے معزز خاندان کے معمر بزرگوں سے استفسار حال کے بعد مکمل جوابات مرحمت فرمائیں اوراُس پر تمام برادری کے بزرگوں کے دستخط ومواہیر اور نشانہائے انگشت ثبت فرما کر نہ صرف باشندگان اجمیر بلکہ تمام معتقدین حضرت خواجہ بزرگ اجمیری نوراللہ مرقدہٗ کو ممنونیت کا موقع دیں گے۔

سوالات حسب ذیل ہیں

(۱) کیا براہ کرم آپ بھائی بتلائیں گے کہ جناب سید آلِ رسول علیخاں صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر کے بزرگوں و آباء و اجداد کے متعلق آپ کے علم میں خاص خاص واقعات کیا ہیں۔ اور آپ اُن کو کس خاندان سے جانتے اور مانتے آئے ہیں۔ اور اُن کے متعلق آپ کے پاس زیادہ سے زیادہ ثبوت کیا ہے۔ نیز یہ کہ اُن کے بزرگوں کے اعزاز و اخلاق اور ذاتی حالات کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے۔ خاص کر ان کے نسب کے متعلق آپ بھائیوں کی معلومات کیا ہیں اور آپ اپنے بزرگوں سے ان کے نسب کے متعلق کیا سنتے آئے ہیں۔

(۲) کیا براہ کرم آپ بھائی بتلائیں گے کہ راجپوتوں میں کل کتنی گوتیں ہوتی ہیں اور گوت برسوال راجپوتوں کی کوئی گوت ہے یا نہیں اور آپ کے موضع و خاندان میں کوئی گوت برسوال کے نام سے ہے یا نہیں؟

(۳) کیا براہ کرم آپ بتلا سکتے ہیں کہ نسبی حیثیت سے سجادہ نشین حال یا اُنکے بزرگوں کا کوئی تعلق گوت برسوال یا راجپوتوں کی کسی گوت سے ہے یا نہیں؟

(۴) کیا براہ کرم آپ بتلائیں گے کہ دوہلی کس چیز کو کہتے ہیں اور دوہلیدار کا مفہوم کیا ہے۔ اور سجادہ نشین آستانہ کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ جو لفظ دوہلیدار لکھا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے اور اُن کو کس وجہ سے یہ دوہلی دی گئی ہے؟

(۵) کیا براہ کرم آپ بتلائیں گے کہ آپ کی برادری یعنی قوم راجپوت میں اور آپ کے موضع دھولکوٹ میں کوئی راجپوت دوہلیدار ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ والسلام خادم ملک وملت محی الدین اجمیری عفا اللہ عنہٗ

جواب

از دھولکوٹ ضلع گوڑ گانوہ

۲۰ اپریل ۱۹۲۷ء

مہربان وقدر دان جناب مولوی محی الدین صاحب اجمیری
وعلیکم السلام۔ آپ کی چٹھی ہم سب نے پڑھی اور اس پر خوب غور کیا۔ ہم سب گانوں کے لوگ جو سچ سچ بات ہے وہ آپ کو لکھے دیتے ہیں۔ ماننا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔
جواب سوال نمبرا۔ جناب دیوان سید آلِ رسول صاحب گدی نشین اجمیر شریف درگاہ حضور غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ ہمارے پیرزادہ اور ہمارے مرشد زادہ اور ہمارے بزرگوں کے بزرگ زادہ اور سید ہیں۔ حضور غریب نوازؒ کی اولاد ہیں۔ جب پیر جی سید مسیح اللہ صاحب اجمیر شریف سے یہاں تشریف لائے تھے تو ہمارے بزرگوں نے خوب پتہ لگا کر اور اجمیر شریف خود جا کر تحقیق کر کے جب یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ حضور خواجہ غریب نوازؒ کی اولاد ہیں اور گدی نشین صاحب کے خاندان سے ہیں اور بہت نیک اور بڑے بزرگ ہیں تو اُن کے ہاتھ پر ہمارے سب کے سب بزرگ بیعت ہو گئے تھے۔ شروع میں بڑے پیر جی کا قیام تھوڑے دن کے لئے تھا۔ بعد میں ہمارے بزرگ جب اُن کے مرید ہو گئے تو سب نے درخواست کی کہ آپ یہاں ہی قیام کر لیجئے تا کہ آپ کی برکت سے ہمارے گاؤں میں برکت ہو۔ بڑے پیر جی صاحب کے صاحبزادہ میر فضل علی صاحب عرف فجو شاہ صاحب کے آنکھوں سے دیکھنے والے اور اُن کی صحبت سے فائدہ اٹھانے والے ابھی تک پچاسیوں آدمی موجود ہیں۔ بڑے پیر جی صاحب اور فجو شاہ صاحب یعنی میر فضل علی صاحب کو ہمارے بزرگوں نے زمینیں زراعت کے لئے نذر کی تھیں۔ فجو شاہ صاحب کے صاحبزادہ پیر جی سید کرامت علی صاحب تھے۔ اور اُن کے صاحبزادہ پیر جی سید خورسند علی صاحب

عرف ننھے میاں تھے یہ دونوں بزرگ بھی بہت بڑے درجہ کے بزرگ تھے۔اور ان سب کے عرس بھی اُن کے وصال کے دنوں پر برابر کرتے رہتے ہیں جس سے ہمارے تمام گاؤں میں برکت رہتی ہے۔ان بزرگوں کے حال سے ہمارے باپ دادا نیز ہم سب گاؤں والے اور ہماری برادری والے خوب واقف ہیں اور مدتوں ساتھ اور ایک گاؤں میں رہنے سے ہم کو ان کی ساری حالت سے واقفیت ہے اور ہم ان بزرگوں پر اپنی جان تک نثار کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ہم سب لوگ اور ہمارے بزرگ ان بزرگوں کے طفیل سے شریعت اور مذہب سے بھی واقف ہو گئے ہیں۔ان بزرگوں کے طفیل سے آج ہمارے سب چھوٹے بڑے شرع شریف سے واقف ہو گئے اور گاؤں میں چند مسجدیں بھی تعمیر ہو گئیں، جو آباد رہتی ہیں۔سید آلِ رسول صاحب ہمارے پیرزادہ اور بزرگ زادہ ہیں اُن کے لئے ہماری جان تک حاضر ہے۔ہم اُن کے حال سے اور اُن کے بزرگوں کے حال سے بخوبی واقف ہیں۔میر فضل علی صاحب کی درگاہ شریف بھی دھولکوٹ میں موجود ہے۔جس میں پیر جی سید کرامت علی صاحب، پیر جی سید خورسند علی صاحب عرف ننھے میاں اور سید حسین صاحب برادرِ حقیقی سید کرامت علی صاحب کے مزارات بھی ہیں۔ان بزرگوں نے دہلی کے بڑے بڑے عزت والے سیدوں کے خاندانوں میں شادیاں کی تھیں جن میں ہم اور ہمارے بزرگ بھی شریک ہوتے رہے تھے۔ہمارے ان بزرگوں کی دہلی کے بڑے بڑے لوگ بھی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔اور اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔

جواب سوال نمبر۲ ۔راجپوتوں میں گوتیں بہت سی ہوتی ہیں لیکن گوت برسوال تو ہم نے آج تک نہیں سُنی ۔ہم خود راجپوت ہیں۔مگر ہم میں کوئی گوت برسوال میں سے نہیں ہے۔ہم نے اپنے بزرگوں میں سے بھی کسی سے اس گوت کا نام نہیں سُنا۔ہماری برادری کے بڑی بڑی عمر کے لوگ بھی اس گوت کو نہیں مانتے اور ہمارے گاؤں میں راجپوتوں کی مندرجہ ذیل

گوتیں آباد ہیں۔ ا۔ چوہانؒ ۲۔ برگوڑؒ ۳۔ جاٹوؒ ۴۔ پنوارؒ ۵۔ نربان۔

جواب سوال نمبر ۳۔ سید آلِ رسول صاحب گدی نشین و دیوان صاحب درگاہ شریف اور اُن کے بزرگ سید اور حضور غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد ہیں۔ بھلا وہ راجپوت کیسے ہو سکتے ہیں۔ نہ وہ راجپوت ہیں۔ نہ راجپوتوں کی کسی گوت سے ہیں۔ یہاں تک کہ راجپوتوں میں بر موقع شادی۔ نیوتہ کوت بھی نہیں ہے اور بر سوال گوت تو ہمارے علم میں کوئی گوت نہیں ہے۔ ہمارا اُن کا تعلق پیری مریدی کا ہے اور ہم سب اُن کے خاندان کے حلقہ بگوش ہیں۔

جواب سوال نمبر ۴۔ دوہلی ایک قسم کی معافی ہے۔ دراصل یہ لفظ دوہلی ہے (یعنی دوہل والی) وہ آراضی جو دوہل والی ہو ایک ہل منجانب مالکان تصور ہووے اور دوسرا قابض آراضی کا (یعنی دوہلی دار کا) قابض آراضی سے اگر وہ زمین خالی ہو جاوے (یعنی قابض لاولد فوت ہو جاوے) تو مالک کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

دوہلی کسی متبرک مقام مسجد، درگاہ، مندر یا کسی بزرگ کو بلا شرط خدمت دی جاتی ہے۔ اور دیگر اشخاص کو بعوض خدمت چنانچہ دوہلی ہمارے بزرگوں نے دیوان سید آلِ رسول صاحب گدی نشین درگاہ شریف اجمیر کے بزرگوں کو بلا شرط خدمت حق پیری میں بطور نذر پیش کی ہے۔

جواب سوال نمبر ۵۔ ہمارے گاؤں میں کوئی ایک شخص ہماری راجپوت قوم میں سے دوہلیدار نہیں ہے۔ کیونکہ موضع دھولکوٹ تمام راجپوتوں کا گاؤں ہے۔ اور ہم سب قریب قریب یک جدی اور ایک دوسرے سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ اور سیدوں کا یہی ایک خاندان ہمارے گانوں میں ہے جس سے حضرت دیوان سید آلِ رسول صاحب گدی نشین حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور ہماری ہی طرف سے آراضیات دوہلی یا اور طریقہ سے دی جاتی ہیں۔ والسلام الراقم حاکم علی خاں پسر جان محمد خاں نمبر دار موضع دھولکوٹ بقلم خود۔

نشانی انگوٹھا
حاجی بھولو خاں بسوہ دار
دستخط
دفعدار شاہ میر خاں پنشنر
نشانی انگوٹھا فیروز خاں
نمبردار و بسوہ دار
دستخط
حسن علی خاں دفعدار پنشنر
و بسوہ دار بقلم خود
نشانی انگوٹھا حمایت علیخاں
ولد نشان علی خاں بسوہ دار
دستخط رحم علی ولد نورو
بسوہ دار
نشانی انگوٹھا نیاز محمد خاں
ولد بلا خاں پنشنر و بسوہ دار
دستخط روح اللہ دفعدار
پنشنر و بسوہ دار بقلم خود
دستخط اصغر علی خاں ولد
رحیم بخش بسوہ دار بقلم خود
دستخط دیوان خاں
بسوہ دار بقلم خود
دستخط نیاز محمد خان ولد
برکت علی بسوہ دار بقلم خود
دستخط
سوداگر خاں دفعدار

نشانی انگوٹھا بھورے
ولد تہور خاں بسودہ دار
نشانی انگوٹھا جان محمد خاں
بسوہ دار و نمبردار
نشانی انگوٹھا حسن علی
خاں بسوہ دار
نشانی انگوٹھا
ابراہیم خاں نمبردار
و بسوہ دار
نشان انگوٹھا ماتہو خاں
نمبردار و بسوہ دار
دستخط رحم علی ولد بو علی بخش
پنشنر و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا سونڈو خاں
بسوہ دار ولد بکہاری
نشانی انگوٹھا گھیسا خاں
ولد اللہ بخش بسوہ دار
دستخط ظہور علی دفعدار پنشنر
و بسوہ دار بقلم خود
نشانی انگوٹھا ہوشیار علی
ولد لکھمیر خاں بسوہ دار
نشانی انگوٹھا نور محمد ولد کیمو
لیس دفعدار پنشنر و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا و مہر
نذر علی ولد مدد علی

نشانی انگوٹھا فضل علی
خان ولد مسلم خاں
نشانی انگوٹھا ہوشیار علی خاں
دفعدار پنشنر و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا جان محمد خاں
ولد فیروز خاں بسوہ دار
دستخط
جمعدار امداد علی خاں پنشنر
و ذیلدار حلقہ دھولکوٹ
دستخط شمشیر خاں حوالدار
پنشنر و بسوہ دار
دستخط محفوظ علی
ولد رحمت علی بسوہ دار
نشانی انگوٹھا چھوٹو خاں
ولد کرم علی بسوہ دار
دستخط فیاض محمد خاں
دفعدار پنشنر و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا فجر علی خاں
ولد ظفر یاب خاں بسوہ دار
نشانی انگوٹھا عباس خاں
ولد خدا بخش بسوہ دار
نشانی انگوٹھا کرم علی ولد
شمسو نمبردار و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا
لیلو خاں ولد مہر علی

پنشنر بقلم خود
نشانی انگوٹھا نور محمد پنشنر
بسوہ دار
نشانی انگوٹھا مسلم خاں
ولد وزیر علی بسوہ دار
نشانی انگوٹھا اندرا ولد
نواب علی بسوہ دار
نشانی انگوٹھا نور علی ولد
خیراتی خاں دفعدار پنشنر و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا عاشق
ولد امر علی بسوہ دار
نشانی انگوٹھا خورشید
ولد غفور بسوہ دار
نشانی انگوٹھا مقصود خاں
ولد کلو خاں بسوہ دار

نمبر دار
دستخط محمد اسحاق خان
جمعدار بقلم خود
نشانی انگوٹھا امام علی
ولد کلو بسوہ دار
نشانی انگوٹھا محفوظ خاں
ولد وزیر علی پنشنر و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا نور علی ولد
محضر علی بسوہ دار
دستخط ممتاز خاں بسوہ دار
بقلم خود
دستخط نیاز محمد خاں دفعدار
پنشنر و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا حیدر خاں
ولد مسلم خاں بسوہ دار

بسوہ دار
نشانی انگوٹھا سلیمان خاں
ولد کلو بسوہ دار
نشانی انگوٹھا نور محمد پنشنر
و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا نواب علی
ولد بو علی بخش بسوہ دار
نشانی انگوٹھا محمود ولد
بھولو بسوہ دار
نشانی انگوٹھا علی بخش
ولد سکھ دار بسوہ دار
دستخط نور محمد ولد خوبی
بسوہ دار بقلم خود
نشانی انگوٹھا اصغر علی
ولد رحم علی بسوہ دار

نشانی انگوٹھا شرفو خاں
ولد مسلم خاں پنشنر سوار
و بسوہ دار
دستخط
اعظم علی ولد عبدل بسوہ دار
نشانی انگوٹھا نیاز محمد ولد
مراد علی پنشنر و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا احسان علی
ولد خیراتی بسوہ دار

نشانی انگوٹھا
منتا ولد لالہ
بسوہ دار
نشانی انگوٹھا محمود خاں
ولد بھورے خاں بسوہ دار
نشانی انگوٹھا ابراہیم خاں
ولد جھنڈہ بسوہ دار
نشانی انگوٹھا غشی
ولد ظہور بسوہ دار

نشانی انگوٹھا
سلیمان خاں ولد شمسو
بسوہ دار
نشانی انگوٹھا بھولو خاں
ولد بھوریا پنشنر و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا بگیلا ولد
مسلم خاں راجپوت
نشانی انگوٹھا فیروز خاں
ولد ظہور خاں بسوہ دار

نشانی انگوٹھا ظہور علیخاں
ولد اللہ دیا پنشنر و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا لیلو ولد کالو
بسوہ دار
نشانی انگوٹھا سکھدار
ولد کریم بسوہ دار
نشانی انگوٹھا نور محمد ولد
مدح خاں پنشنر و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا نیازو
ولد اصغر علی
بسوہ دار
دستخط دفعدار بھورے خاں
بقلم خود
دستخط محمود خاں دفعدار
و بسوہ دار
دستخط بشیر خاں لیس دفعدار
رخصتی بقلم خود
بسوہ دار
دستخط دفعدار فیروز خاں
پنشنر بقلم خود

نشانی انگوٹھا رحیم بخش
ولد مامنا پنشنر و بسوہ دار
نشانی انگوٹھا ارشد خاں
ولد مولیا بسوہ دار
نشانی انگوٹھا محمود خاں
ولد وزیر بسوہ دار
نشانی انگوٹھا مقصود علی
ولد فیضا بسوہ دار
نشانی انگوٹھا
عبدالرزاق ولد بلا
بسوہ دار
نشانی انگوٹھا حاکم علی خاں
پنشنر و بسوہ دار
دستخط نواب علی خاں
دفعدار پنشنر و بسوہ دار
دستخط ہوشیار علی دفعدار
پنشنر بسوہ دار

نشانی انگوٹھا بہار علی خاں راجپوت
بسوہ دار

نشانی انگوٹھا مراد
ولد جندو بسوہ دار
نشانی انگوٹھا غلام علی
ولد کرم علی بسوہ دار
نشانی انگوٹھا ساکھو
ولد اصغر علی بسوہ دار
دستخط خورشید علی
بسوہ دار بقلم خود
نشانی انگوٹھا
امر علی ولد بھوریا
بسوہ دار
دستخط اسمعیل خاں جمعدار
رسالہ نمبر ۳ رخصتی و بسوہ دار
دستخط شیر محمد خاں دفعدار
بقلم خود
دستخط عبدالغنی خاں بسوہ دار
دستخط اسمعیل علیخاں ولد اللہ دیا

دو تاجروں کی بنائے مخاصمت

دیوان صاحب کے خلاف ہر موقعہ پر عموماً اور اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ درگاہ بازار کے دو دولتمند مسلمان تاجر شورش میں پیش پیش ہیں ان لوگوں کی بنائے مخاصمت بجز اس کے کچھ بھی نہیں کہ انہوں نے سجادہ نشین سابق کے عہد میں اس منصبی حویلی کی دو دکانوں واقعہ حصہ زیرین حویلی منصبی اور ایک مکان جز و حویلی معروف بہ امام باڑہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ اور باغ متصل حویلی کے قبضہ پر ان کے نگاہیں تھیں۔ حسن اتفاق سے دیوان صاحب حال سجادہ نشین ہو گئے۔ منصبی حویلی کے ساتھ دو کانوں پر قبضہ مل چکا۔ امام باڑہ پر قبضہ کا دعویٰ ہونے والا ہے باغ کے قبضہ کا خیال پہلے ہی سودائے خام ثابت ہو چکا تھا۔ یہ دونوں مسلمان خدا کے فضل سے کافی دولتمند اور نسبتاً خوشحال ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی ہمدردی میں حصہ لیا ہے۔ اور اپنی پاک کمائی کا کچھ حصہ اسلامی کاموں کے لئے نذر کیا ہے۔ ایسے اسلامی درد رکھنے والے لوگوں کے بھٹک جانے اور خود غرض افراد کے ہاتھوں میں کٹ پتلیاں بنے رہنے سے افسوس ہوتا ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ ناظرین ان کے لئے دعائے ہدایت کریں۔

ایک نام نہاد بی اے صاحب کو تنبیہ

اس رسالہ کی عام اشاعت سے قبل تقریباً ۱۶ رمضان کو حضرت سجادہ نشین حال بعض اہم ترین اسلامی مسائل کے انصرام کی غرض سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ عید سے ایک روز قبل واپسی پر معلوم ہوا کہ مخالفین نے شگوفہ نامی رسالہ خاص اہتمام سے اپنے حلقہ اثر میں تقسیم کیا ہے۔ ابھی اس کے معائنہ کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ عین عید کے روز ایک اشتہار نظر سے گزرا۔ جس میں دو ہفتوں کی مہلت دے کر سجادہ نشین صاحب سے جواب کا

مطالبہ کیا گیا تھا۔

مشتہر صاحب نے اگر چہ اپنے کو بی اے علیگ لکھا ہے۔لیکن عبارت اس کی تصدیق سے قاصر رہی اور اُلٹی اُن کی ڈگری کی نسبت بدگمانی ہونے لگی۔

مشتہر صاحب نے اپنے نام کے ساتھ وغیرہ مسلمانان اجمیر لکھ کر مسلمانان اجمیر کی جانب سے بلا درخواست اور بلاضرورت حق نمائندگی ادا کیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اجمیر شریف کے مسلمانوں میں خدا کے فضل سے متعدد قابل لائق جدید وقدیم تعلیم سے مزین صاحب ایثار و اخلاص افراد موجود ہیں۔جن کے ہوتے ہوئے وہ کسی چند روزہ ناخواندہ مہمان کو نمائندگی کی تکلیف دینا گوارا نہیں کر سکتے۔باشندگان اجمیر کی نمائندگی کے لئے جس اعلیٰ قابلیت کی ضرورت ہے وہ باوصف بی اے ہونے کے بھی مشتہر صاحب میں نظر نہیں آتی۔لہذا وہ کسی برائے نام بی اے کو نمائندہ بنا کر دوسری جگہ کے مسلمانوں کو ہنسنے کا موقع دینا نہیں چاہتے مشتہر صاحب آئندہ کے لئے کم از کم اس خود ساختہ نمائندگی سے تو اہل اجمیر کو معاف ہی رکھیں۔

جناب مولانا محمد نورالدین صاحب اجمیری سے خط وکتابت

اب ہم وہ خط وکتابت شائع کرتے ہیں۔ جو ہم نے رسالہ شگوفہ اور رسالہ اظہار حق کے متعلق جناب مولانا محمد نورالدین صاحب اجمیری سے کی تھی۔ہم شکر گزار ہیں کہ مولانا نے باوصف ہر فریق سے تعلقات کے اظہار حق فرمایا۔اور طبقہ علماء کے لئے ایک قابل تقلید مثال قائم کی۔

جناب مکرم مولانا محمد نورالدین صاحب زید لطفہم

السلام علیکم تصدیعہ خدمت یہ کہ رسالہ موسومہ شگوفہ کی مطبوعہ کاپی اور رسالہ اظہار حق وانکشاف حقیقت کا مسودہ جو اول الذکر کی تردید میں لکھا گیا ہے اس غرض سے جناب کی خدمت میں ارسال ہے کہ ان کو بغور معائنہ فرما کر بہ حیثیت عالم دین متین و بہ حیثیت ثالث اپنی رائے سے مطلع فرمائیے کہ آپ اس تمام مواد کے معائنہ کے بعد کس نتیجہ پر پہنچے ۔

والسلام فقط

سیٹھ قادر بخش ۱۷ اپریل ۱۹۲۷ء

جواب

کرم فرمایم جناب سیٹھ قادر بخش صاحب زاد لطفکم

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ آپ نے رسالہ شگوفہ اور رسالہ اظہار حق وانکشاف حقیقت کا مسودہ

میرے پاس اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں ان دونوں کا مطالعہ کر کے ایک ثالث کی حیثیت سے دیانت اور سچائی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کروں۔ اس قسم کے مختلف فیہ مسائل میں الجھنے سے ہمیشہ گریز کرتا رہا ہوں۔ لیکن جب حق وانصاف اور دیانت داری کے نام پر اظہار رائے کا مطالبہ کر لیا جائے تو اس سے پہلو تہی مشکل ہے۔ لہذا میں بلا رو ورعایت وبلا خوف لومتہ لائم وہ خیال ظاہر کئے دیتا ہوں۔ جو میں نے قائم کیا ہے۔

میں اس سے پہلے بھی شگوفہ کا مطالعہ کر چکا تھا۔ اس کے متعلق شروع سے میری رائے ہے کہ یہ رسالہ غیظ وغضب کا مظہر ہے۔ اور تمامتر انتقامی جذبات کے ماتحت لکھا گیا ہے۔ اس میں قطع نظر اس کے کہ آداب تحریر ملحوظ نہیں رکھے گئے نقشہ جات کی صحیح اور سچی تشریح بھی نہیں کی گئی ہے۔ مزید برآں بعض غیر متعلق نقشہ جات بھی شامل کر دیئے گئے

ہیں۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب دیوان سید آلِ رسول علیخاں صاحب سجادہ نشین حال کی جانب سے مسلمان پبلک کو غلط فہمی میں ڈالنے کی سعی کی گئی ہے۔

نقشہ جات مندرجہ شگوفہ کی حیثیت ایک مغالطہ سے زائد نہیں ہے۔محکمہ مال سے متعلق کاغذات کو سمجھنے والے جان سکتے ہیں کہ اس سے کسی ایسی چیز کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔جو سجادہ نشین حال کے لئے مضر اور اُن کی پوزیشن کو کم کرنے والی ہو۔

میرے ایک مخلص دوست منشی سید علیم الدین صاحب محوی جعفری معافیدار اجمیر کاغذات مال سے بخوبی واقف و ماہر ہیں اُنہوں نے مجھے نہایت خوبی اور وضاحت کے ساتھ سمجھا دیا تھا کہ ان نقشہ جات میں کوئی وزن نہیں ہے اور یہ حقیقت سے بالکل معرا ہیں۔ انہوں نے اس موقع پر ایک اپنی خاندانی مثال سے بھی اس کی دلنشین تشریح کر کے مجھے مطمئن کر دیا تھا۔

رسالہ اظہار حق و انکشاف حقیقت کے اظہار حقیقت والے حصہ کو غائر نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سجادہ نشین حال کے حق میں تائیدی واقعات اور رسالہ کے تردیدی دلائل وشواہد نہایت مضبوط و مستحکم ہیں۔جن سے اُن تمام غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔جو رسالہ شگوفہ سے عوام میں پیدا ہوئی ہونگی۔اور عام مسلمان اس حقیقت واقعیہ کو پالیں گے کہ سجادہ نشین حال جائز حقدار سجادگی اور صحیح وارث حضرت خواجہ بزرگ اجمیری نور اللہ مرقدہٗ ہیں اور اُن کا سجادہ نشین آستانہ ہو جانا اس حقیقت کی تصدیق ہے کہ ''حق بہ حقدار رسید''

میرا خیال ہے کہ آپ حضرات نے انکشاف حقیقت لکھ کر نہ صرف یہ کہ ازالہ غلط فہمی کیا ہے۔بلکہ آپ نے صحیح و مستند واقعات ظاہر کر کے مسلم پبلک اور معتقدین آستانہ کو اس معصیت سے بھی بچالیا ہے۔جس میں وہ شگوفہ یا اُس جیسی کسی اور اشاعت سے

متاثر ہوکر صاحب سجادہ نشین آستانہ کے متعلق ان بعض الظن اثم کے مرتکب ہوجاتے۔
خدا ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم حق کے مقابلہ میں اپنے اغراض وخواہشات کو قربان کر کے خدا اور رسول صلعم اور حضرت خواجہ بزرگؒ کی خوشنودی حاصل کریں۔
والسلام فقط
رقیمہ محمد نورالدین اجمیری عفاعنہ الباری شنبہ ۱۶ شوال ۱۳۴۵ھ
مطابق ۱۹ اپریل ۱۹۲۷ء

خاتمہ کلام

ہم ختم رسالہ کے موقعہ پر ایک بار پھر اس خیال کو نہایت وضاحت کے ساتھ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں ۔ کہ ان حالات و واقعات کے ایک حصہ کی اشاعت ہم نے انتہائی مجبوری کی حالت میں کی ہے ۔ جس کے لئے ہم خود نہایت متاسف ہیں ۔ اور ہم کو خود اس کی اشاعت سے انتہائی اذیت و تکلیف محسوس ہوئی ہے ۔ لیکن ہم عرصہ سے دیکھ رہے تھے کہ مخالفین سجادہ نشین پبلک میں سخت در سخت غلط فہمیاں پھیلانے کے خوگر ہو چکے تھے اور اس قسم کے مواد شائع کرتے رہتے تھے ۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ہمیشہ فتنہ وفساد اور باہمی سخت کشمکش کا دروزاہ کھل جایا کرتا تھا ۔ نیز حکام اور اُن کے فیصلوں کے خلاف پبلک میں ہر قسم کی جائز و ناجائز نکتہ چینی اور غلط فہمی پھیلانے کے لئے بحث و تمحیص کا موقعہ مل جاتا تھا ۔ لہٰذا ہم نے نہایت دیانتداری اور نیک نیتی کے ساتھ واقعات و حالات کو قلمبند کر کے شائع کر دیا ۔ امید کہ مسلمان آئندہ ان واقعات و حالات اور حکام کے فیصلوں اور اُن کی پوزیشن کے متعلق کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو سکیں گے ۔

ماعلینا یا اخی الا البلاغ

اس لنگر میں ''جو'' کا میٹھا لنگر خاص و عام میں بطور تبرک صبح سویرے نماز فجر سے تقسیم کیا جاتا تھا۔ لگ بھگ نو بجے یہ لنگر ختم ہو جاتا تھا۔ شام کو ''جو'' کا نمکین لنگر ہوتا تھا جو ایک خاص مقدار میں بلا امتیاز امیر و غریب میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ یہ انتظام درگاہ شریف کی انتظامیہ کے سپرد تھا۔ اس کے علاوہ درگاہ شریف میں دو بڑی بڑی دیگیں بھی قابل دید ہیں۔ یہ دیگیں مغل بادشاہوں اکبر اور جہانگیر نے تعمیر کروائی تھیں۔ ان میں بڑی دیگ میں سو من چاول پکائے جا سکتے ہیں جو کہ ہزاروں زائرین کیلئے کفایت کرتی ہے۔ جبکہ چھوٹی دیگ میں ساٹھ من چاول پکائے جا سکتے ہیں۔ ان دیگوں کے پکوان بہت لذیذ ہوتے ہیں۔ روایت کے مطابق ایک شخص اپنی جانب سے پکواتا ہے۔ دیگ پکانے کا طریقہ یہ تھا کہ تمام اجناس مع گھی پانی چاول بیک وقت ڈال دیئے جاتے تھے۔ لٹھے کے تھان سے دیگ کا منہ بند کر کے رات بھر ایک خاص قسم کی خشک گھاس دیگ کے نیچے جلا کر دیگ پکائی جاتی تھی چولہے اتنے اونچے تھے کہ پانچ قدم چڑھ کر اوپر آنا پڑتا تھا جبکہ ہر قدم تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچا ہے۔ دیگ تقریباً فجر کے وقت تیار ہوتی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر فاتحہ خواں دیگ کے منہ پر پہنچ جاتے تھے۔ دیگ لوٹنے کا منظر بھی قابل دید تھا' دیگ لوٹنے والوں کا ایک خاندان مقرر تھا جو اندر کوٹ میں آباد تھا۔ دیگ لوٹنے کا منظر دیکھنے کیلئے سرکاری افسران اور ان کی بیگمات بھی خصوصی طور پر آتی تھیں۔ دیگ لوٹنے کے بعد یہ خاندان اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کیا کرتے تھے جس کیلئے انہیں ہدیہ دیا جاتا تھا۔ دیگ لوٹنے والے بھاپ سے بچنے کیلئے خاص لباس پہن کر دیگ کے دہانے پر آتے تھے۔ ابتداء میں ہاتھوں سے بالٹیاں بھری جاتی تھی پھر لکڑی کی سیڑھی اتار کر دیگر میں نیچے اتر جاتے تھے۔

چلہ بڑے پیر صاحب کے پہاڑ پر ایک توپ رکھی ہوئی تھی، جس کیلئے ایک توپچی درگاہ شریف کی جانب سے مقرر تھا یہ توپ رمضان شریف میں سحر اور افطار کی اطلاع کیلئے

چلائی جاتی تھی۔اس کے علاوہ درگاہ شریف کی مراسم کیلئے اطلاع کے طور پر داغی جاتی تھی۔
اس کا بنیادی تعلق سجادہ نشین کی تعظیم وتکریم کی بجا آوری سے تھا۔ایام عرس میں نظام گیٹ پر
پہنچنے پر ایک توپ داغی جاتی تھی شاہجہانی گیٹ پر پہنچنے کی اطلاع کیلئے توپ چلائی جاتی تھی
کہ دیوان صاحب رحمۃ اللہ علیہ محفل خانہ میں غلام گردش تک پہنچ گئے۔ایام عرس میں ہر
شب اسی طرح محفل میں دیوان صاحب کی تشریف آوری کی اطلاع دی جاتی تھی۔قل
شریف کے دن بھی اسی طرح دیوان صاحب کی آمد کی مرحلہ بمرحلہ اطلاع کیلئے تین توپیں
داغی جاتی تھیں۔دیوان صاحب کی خلعت پوشی کے وقت جیسے ہی آپ خلعت پہننے کیلئے
کھڑے ہوتے ایک توپ داغی جاتی تھی۔

حسین صاحب مرحوم جو حضرت صوفی صاحب کے حالات میں تھا راقم نے پڑھا اور واپس آ گئے۔ شام کو بعد نماز عصر حضرت بڑے پیر صاحبؒ کی درگاہ شریف میں حاضر ہوئے آستاں بوسی اور پھول پیش کرنے کے بعد صحن مسجد میں قیام کیا اور تذکرہ شریف حضور غوث پاکؒ مصنفہ مولوی سید عابد حسین صاحب راقم نے پڑھا۔ اور فاتحہ و تقسیم تبرک مغرب نماز جناب دیوان صاحب نے اپنی امامت میں پڑھائی اور راقم کے ماموں صاحب قبلہ کی نشست میں آ کر نشست کی۔ سماع ہوا۔ انور علی صاحب نے عطر وغیرہ ملا اور وہاں سے جائے قیام پر آ گئے۔ راقم کا سامان جو درگاہ حضرت صوفی صاحبؒ میں تھا دیوان صاحب نے منگا لیا دوران قیام بھی پیرزادگان کے یہاں دعوت ہوتی رہتی۔ ۳ شوال مطابق ۱۱ نومبر سنہ رواں پنجشنبہ کو صبح کی نماز و چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر مولوی عبدالحق ہانسی والے کے ہمراہ ہانسی تشریف لے گئے اور شام عصر کے وقت واپسی حسب قرارداد اسٹیشن ناگور شریف پہنچے اور شام کا کھانا اسٹیشن ناگور پر وزیٹنگ روم میں نوش کیا۔ جو عبدالحق ہانسی والے کی جانب سے تھا۔ راقم بھی شریک تھا۔ بعد فراغت کچھ دیر بات چیت کر کے راقم رخصت ہو گیا اور سیدھا حضرت صوفی صاحبؒ کے آستانہ میں حاضر ہوا حضرت دیوان صاحب نے شب ناگور اسٹیشن پر گزاری اور صبح کو پانچ بجے معہ اپنے ہمراہیاں و غلام سرور صاحب سجادہ نشین فتح پور حاجی نجم الدین صاحبؒ بیکانیر روانہ ہو گئے۔ اور راقم دوسرے روز یعنی ۴ ذیعقد مطابق ۱۳ نومبر سنہ رواں جمعہ کو دن کے نو بجے اجمیر آ گیا۔ الحمد للہ علی ذالک ۱۰ ذیعقد الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹ نومبر ۱۹۴۲ بروز پنجشنبہ دن گزار کر شب کو دس بجے آپ ٹرین سے جس سے کہ راقم اترا تھا حضرت دیوان صاحب بیکانیر وغیرہ ہوتے ہوئے اجمیر اسٹیشن پر اترے اور حسب معمول ۱۱ ذیعقد مطابق ۲۰ نومبر سنہ رواں جمعہ کو حجرہ شریف پر بعد فریضۂ جمعہ تشریف لائے۔ سنن و نوافل کے بعد زیادہ دیر نہیں ٹھہرے مختصر ذکر ناگور شریف کے متعلق

رہا۔ اور اسی سلسلہ میں اپنے صاحبزادہ آلِ مجتبیٰ صاحب کے متعلق بیان کیا کہ انکو راستہ ہی سے بخار ہو گیا۔ اس وجہ سے وہ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہو سکے۔ اللہ صحت عطا فرمائے۔

۱۵۔ بتاریخ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۴۳ء بروز دوشنبہ دن گزر کر مابین مغرب و عشاء سید انور حسین صاحب ابن مولوی حافظ سید منور حسین صاحبؒ دہلوی جناب دیوان صاحب کے حقیقی ماموں زاد نے بمرض دق عرصہ ڈھائی یا تین سال کی علالت کے بعد انتقال کیا۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ ۱۳ مطابق ۱۸ ماہ سنہ رواں بروز سہ شنبہ بوقت صبح آٹھ بجے جنازہ درگاہ شریف میں لائے اور محلہ اندرکوٹ جالیوں کے قبرستان متصل سڑک تارہ گڑھ دفن کیا۔ دن کے دس بجے دفن سے فارغ ہوئے۔ ۱۴ مطابق ۱۹ ماہ و سنہ رواں بوقت صبح ساڑھے آٹھ بجے فاتحہ سوئم ہوئی۔ مرحوم ریلوے ورکشاپ میں ملازم تھے۔ مرحوم کا عقد حضرت دیوان صاحب کی حقیقی ہمشیرہ زادی بنت سید حمید الدین صاحب کی دختر سے ہوا۔ مرحوم نے اپنی یادگار ایک صغر سن لڑکی تقریباً ڈھائی تین ہسال کی عمر کی چھوڑی۔ حافظ منور حسین صاحب کے صرف یہ ایک ہی صاحبزادہ سید انور حسین صاحب تھے۔ اور کوئی اولادِ ذکور واناس نہیں تھی۔ بعد فاتحہ سوئم خاص خاص آدمیوں کو بموجب دستور دہلی کھانا کھلایا جس میں گوشت روٹی تھی۔ راقم دفن و نیز فاتحہ سوئم میں شریک تھا۔

۱۶۔ بتاریخ ۲۰ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ مطابق ۳ ستمبر ۱۹۴۳ء بروز پنجشنبہ بوقت شب گزشتہ تین بجے حضرت دیوان صاحب کی اہلیہ ثانی نے چار صغر سن بچے چھوڑ کر جن میں بڑے صاحبزادے مسمی آلِ طٰہٰ (طٰہٰ) کی عمر چھ سال کی ہوگی۔

۱۷۔ بتاریخ ۱۱ شوال المکرم ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۹ ستمبر ۱۹۴۴ء بروز جمعہ بوقت مابین عصر و مغرب حضرت دیوان صاحب کے چھوٹے صاحبزادے سید آلِ حامد صاحب سلمہٗ کا عقد حضرت دیوان صاحب کی ہمشیرہ زادی سید حمید الدین صاحب کی چھوٹی دختر سے ہوا۔ اور

بزرگوں سے فوری طور پر معافی مانگے۔ ورنہ ان مرزائیت نوازیوں کے جو نتائج رونما ہوں گے ان کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ ''ڈان'' کی اشتعال انگیزیوں کا احتساب کرے۔ مسئلہ ختم نبوت پر آل مسلم لیگ پارٹی کنونشن کی خبروں کو مسخ کر کے شائع کرنا مسلمانانِ عالم کے ایمانی جذبات سے استہزاء ہے۔

روزنامہ ''آزاد'' لاہور

۲۰ جولائی ۱۹۵۲ء

'صاحبزادہ محمد جان صاحب عثمانی نقشبندی سجادہ نشین موسی زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان اور سجادہ نشین چورہ شریف کی موجودگی کئی کروڑ جنتی مسلمانوں کی نمائندگی تھی ایک اور صرف ایک مولانا ابوالحسنات مولانا محمد احمد صاحب قادری کی موجودگی اور صدارت ۸۰ فیصد علماء بریلی کی نمائندگی تھی اور اہل حدیث حضرات میں سے حضرت مولانا محمد عبداللہ روپڑی اور حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی حضرت مولانا اسماعیل گوجرانوالہ ۱۰۰ فیصد اہل حدیث کے نمائندہ تھے۔ علمائے دیوبند میں سے حضرت مفتی محمد حسن صاحب قبلہ صدر جمعیت علمائے اسلام پنجاب حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور 'حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی' حضرت مولانا خیر محمد جالندھری' ۱۰۰ فیصد علمائے دیوبند کے نمائندے تھے۔ علامہ حافظ کفائیت حسین صدر تحفظِ حقوق شیعہ' پاکستان کے تقریباً ۱۰۰ فیصد شیعہ ملت کی نگرانی فرما رہے تھے۔ ان اکابرِ ملت کے علاوہ وہ تمام مسلم لیگی زعماء جن میں علامہ علاؤالدین صدیقی صدر شعبہ دینیات پنجاب یونیورسٹی اور مسلم لیگ کے کونسلر اور عہدیدار پنجاب اسمبلی کے ارکان موجود تھے۔ مجھے تعجب ہے کہ ''ڈان'' کا نمائندہ خصوصی ان حضرات کے بعد کون سے ممتاز علماء کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ اور بالآخر ''الفضل'' کے ایڈیٹر سے مل کر بیک وقت ''ڈان'' اور ''الفضل'' میں یہ رپورٹ شائع کی۔ اسلامیان پاکستان توجہ فرمائیں کہ قائداعظم کا یہ اخبار کس طرف رخ کر رہا ہے۔ جن علمائے کرام اور مشائخ عظام کی مساعی جمیلہ سے یہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت منصہ شہود پر آئی ہے۔۔۔۔۔۔

کیا یہ ان سب کی بے حرمتی بے عزتی اور توہین نہیں ہے؟ کہ ان سب کو غیر معروف اور غیر ممتاز کہہ کر اس کنونشن کو ناکام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے نام نہاد کہا گیا ہے۔ ''ڈان'' کو چاہیے کہ اپنی اس روش کو بدلے اور تمام

''نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری''

تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں مشائخ عظام نے جو کارنامے انجام دیئے وہ یقیناً پاکستان کی تاریخِ آزادی میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ بقول شخصے مسلم لیگ تو عمومیت کے ساتھ صاحبوں' سروں' نوابوں اور جاگیرداروں کی جماعت تھی۔ یہ مشائخ عظام ہی تھے جنہوں نے میدانِ عمل میں نکل کر مسلم لیگ کو عوام کی جماعت بنانے میں کلیدی کردار انجام دیا۔ انہی نفوسِ قدسیہ نے عوام الناس کو پاکستان کا مطلب کیا؟ **لا الہ الااللہ** کا مطلب سمجھایا اور یہ باور کرایا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا تحفظ صرف اور صرف **لا الہ الااللہ** کو اساس بنا کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ جب تک مشائخ عظام اس جماعت میں شامل نہیں ہوئے تھے تو پنجاب اسمبلی میں صرف دو مسلم لیگی رکن منتخب ہو سکے تھے لیکن ان درویشانِ خدامست کی شمولیت نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بنا دیا اور ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' کا نعرہ زبان زدِ خاص و عام ہو گیا جب سلہٹ اور سرحد میں ریفرنڈم ہونا طے پایا تو مشائخ عظام اور اُن کے معتقد علماءِ حقہ اپنی مساجد' مدارس اور خانقاہیں چھوڑ کر معرکہ کارزار میں کود پڑے حالانکہ اُن کا اصل میدان عوام الناس میں اصلاح نفس اور اللہ اللہ کی تعلیم و تربیت کی ترویج تھا۔ لیکن جب پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا تو اب انہی مشائخِ عظام کو ملک عزیز کے اسلامی تشخص کے بحال رکھنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ انہوں نے پھر سے حجرہ نشینی چھوڑ کر اپنی تمام تر ظاہری اور باطنی قوتوں کو ملک خداداد پاکستان میں ملتِ اسلامیہ کے احیاء و عروج کے لئے استعمال میں لانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے ایک عظیم رہنماء آستانہ عالیہ جلال پور شریف کے سجادہ نشین جناب ابوالبرکات پیر سید محمد

کونصیحت سے پہلے ذاتی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے کیونکہ جب اپنا دل اللہ اللہ کی ضرب سے متاثر ومرتعش نہ ہوتا تو دوسروں کو تربیتِ اخلاق کا سبق دینے سے کیا حاصل؟ کچھ ایسی قلبی کیفیت شاید حضرت دیوان صاحبؒ کی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت دیوان صاحب منصب، نام ونمود کے مقابلہ میں گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے تھے پھر اُس زمانے میں تو ایک وسیع کنبہ کی ہمہ قسم ذمہ داریاں بھی آپ کے حصہ میں تھیں۔ مہاجرت کے ساتھ ان ذمہ داریوں کو حقیقی طور پر وہی محسوس کرسکتا ہے جس کو ایسے حالات سے واسطہ پڑا ہوگا۔ بہرحال حضرت نے انتہائی تشکر کے ساتھ (غالباً دوسرے اجلاس کے بعد) اس منصبِ صدارت سے سبکدوشی کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی ایک بصیرت افروز خطبہ کے ذریعہ جمعیۃ المشائخ کے کردار اور مقام پر روشنی ڈالی۔

اس موقع پر آپ کا خطبہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''سبحان من تمت حکمتہ'' وعمت نعمتہ' الحمد للہ والصلوۃ علیٰ رسولہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین محترم حضرات! اس قدر شناسی اور ہمت افزائی کا شکریہ مگر ایک بے نور اور بے بضاعت شخص کو کسی جماعت کی صدارت کی ذمہ داری سونپنے کا جو انجام متصور ہوسکتا ہے نتیجہ میں اس کا ظہور ہونا لازمی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اصحابِ بصیرت محض خوش فہمی کی بنیاد پر توقعات وابستہ نہیں کرسکتے۔ جماعتی مصالح اور ملی فلاح و بہبود کا میرے ضمیر سے یہ تقاضا ہے کہ میں آج ہی اس چیز کا اعتراف کرلوں جو کل پیش آنے والی ہے اس سے کیا فائدہ ہے کہ صدارت کے فرائض کی انجام دہی میں مجھ سے کوتاہیاں ہوں اور میں معذرت کرتا رہوں۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ اس اہم ذمہ داری کو کسی

ایسے صاحب کے سپرد کیا جاوے جو صحیح معنوں میں مفید اور موزوں ہوں اور اراکین کو سرگرم اشتراک عمل کے ساتھ آمادہ کر سکیں۔ میں اپنی پوری معذرت کے ساتھ آج کے جلسہ میں اس امر کی تحریک پیش کرتا ہوں کہ جمعیّۃ المشائخ کی مستقل صدارت کا صحیح اور موزوں انتخاب فرمایا جاوے لہٰذا میں دلی شکریہ کے ساتھ سبکدوش ہوتا ہوں۔

جمعیۃ المشائخ کوئی نئی جماعت نہیں ہے جس کی تعمیر و تشکیل پر خامہ فرسائی کی جائے۔ یہ ایک قدیم بنی بنائی جماعت ہے۔ اس کے مرکز علی الترتیب قائم ہیں۔ اس کی تنظیم باقاعدہ موجود ہے۔ اس کا حلقۂ اثر اور وجاہت ثابت ہے۔ اس کی صلاحیتیں مسلم ہیں۔ اس کی خاموشی دوسروں کی سیاسی چیخ پکار سے کہیں زیادہ پُر تاثیر ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ہم آج اس کی جماعت بندی کی فکر میں مبتلا ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ موجودہ افتادِ وقت اور رفتارِ زمانہ ہم کو نظر انداز کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ ہماری فروگزاشتیں ہیں جن کے سبب ہم یہ خمیازہ بھگت رہے ہیں کہ ہماری حالت اس سے زیادہ نہیں ہے۔

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

اگر مجھے معاف فرمایا جائے تو میں ذرا صاف گوئی سے کام لوں اور کہہ دُوں کہ آج جس چیز نے بازارِ سیاست میں ہماری قیمت گرا رکھی ہے وہ ہماری غفلت اور قوتِ عمل کی کمی ہے۔ انگریز کے زمانے میں ہم سیاسیات کو دنیاداری پر محمول کر کے اپنے حجروں اور خانقاہوں کی بے

آپ نے اللہ کے فرمان کا
کر دیا کرب وبلا میں حق ادا
السلام اے عینِ تسلیم و رضا
چاہتا تھا جو خدا وہ ہی کیا
کس ادا سے پیشِ حق قرباں کیے
جملہ فرزندان و خویش و اقربا
السلام اے قافلہ سالارِ دیں
منزلِ مقصود کو پہنچا دیا
السلام اے صابروں کے پیشوا
کشتگانِ حق کے تم ہو مقتدا

منقبتِ خواجۂ بزرگ

حضور خواجہ اجمیر جا کے کہہ دینا
صبا جو تیرا گزر ہو جتا کے کہہ دینا
گزارے میں نے یہ دو جگ تمہاری چوکھٹ پر
پڑا ہوں دُور وطن سے سنا کے کہہ دینا
بہر نفس میں تمہاری رضا پہ راضی ہوں
قدم قدم پہ یہ آنسو بہا کے کہہ دینا
سر نیاز کو رکھ دینا پائے اقدس پر
سر مزار سے دامن ہٹا کے کہہ دینا
تمہی نے ہند میں اسلام کی بنا رکھی
تمہی کو شرم ہے نظریں جھکا کے کہہ دینا
میں ہوں غریب، ہو تم چارہ گر غریبوں کے
یہ میرا حال یہ صورت دکھا کے کہہ دینا
ہجوم رنج و غم و یاس عرض کر دینا
کہیں نہ حرف شکایت بنا کے کہہ دینا
میرے پیام پہ گر میرا نام بھی پوچھیں
تو میرا داغِ غلامی دکھا کے کہہ دینا
کرم پہ آپ کے ہے سب معاملہ موقوف
جو حکم ہو وہ مجھے بھی پھر آ کے کہہ دینا

منقبت شاہ سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ

آئینہ حق بارگاہ تونسوی
کن نظر بر عز و جاہ تونسوی

دامنش وابستہ دامانِ نبیؐ
حبذا ایں دستگاہِ تونسوی

شمسِ دیں شد شمسِ معرفت
ایں بود حقِ نگاہِ تونسوی

نیست حاصل جُز ازیں بہتر کمال
دستِ تو دردستِ شاہِ تونسوی

خواہی گر پُرسی رموزِ عاشقی
شو غلامِ کج کلاہِ تونسوی

گر خدا خواہی کہ یابی زود تر
جادہ پیما شو زِراہِ تونسوی

از غمِ کونین او بیباک شد
ہر کہ او گیر و پناہِ تونسوی

لطف فرما جانم بہر خدا
قطبِ عالم بادشاہ تونسوی

نعت شریف

جی میں آتا ہے خدا کی کوئی صورت ہوتی
اور میں دیکھتا وہ کون سی صورت ہوتی

صورتیں یوں تو ہیں لاکھوں ہی نظر کے آگے
بہر تشبیہ میسر کوئی صورت ہوتی

اس کی صورت نہیں ممکن کہ جو ممکن ہی نہیں
واعظا کیا کہوں وہ کون سی صورت ہوتی

جب زباں کے لئے یارائے سخن ہی نہ رہے
تو قلم کے لئے پھر کیا کوئی صورت ہوتی

اور اگر کہیے تو ہاں کہنے کی ہے بات بھی اک
ہم میں گر ذوق فہم کی کوئی صورت ہوتی

مظہر ذات خدائے دو جہاں ہے اک ذات
اس سے انکار میں بس کفر کی صورت ہوتی

گر خدا کے لئے زیبا کوئی صورت ہوتی
بخدا وہ بھی محمدؐ ہی کی صورت ہوتی

بے زباں آیا ہے بے دیدہ و گوش آیا ہے
ہوش جاتے ہی مجھے آج یہ ہوش آیا ہے
کون اب پُوچھے اسے کون کرے دلداری
آپ کے در پہ یہ اک خانہ بدوش آیا ہے
سر پہ اب اس کے ذرا دست کرم رکھ دیجیے
غیرت اشکِ ندامت میں بھی جوش آیا ہے

چُھٹکے اس در سے یہ اک دربدری آیا ہے
خانہ زادِ ازلی حلقہ بگوش آیا ہے
اشک خونابہ مئے خونِ جگر لایا ہے
جام غربت لیے اکِ بادہ فروش آیا ہے

نعت شریف

بگردابِ تحیر گشتہ ام من
کُجا بودم کجا خواہد روم من
منم من یا نیم من ہر دو ہستم
نمی دانم کدامم کیستم من
وجودی ام شہودی ام چہ ہستم
نہ اینم من نہ آنم من کیم من
عجب پیش آمدہ ایں ورطۂ غم

کہ تو نیکی کنی بد کردہ ام من
رہائی دہ مرازیں بحث و تمحیص
توکلت علی اللہ ماندہ ام من؛
ہمی دانم کہ می آید سرو دے
بایں ذوقے مال زیستم من
سوئے طیبہ روم از پائے چشم
اگر آں خضر دوراں یافتم من

نعت شریف

رگ و پے میں سمائی جا رہی ہے
عجب صورت دکھائی جا رہی ہے
بپا ہیں دل میں طوفاں حسرتوں کے
تمنا دل میں پائی جا رہی ہے
یہاں قاصر ہیں سارے فہم و ادراک
خرد گردش میں آئی جا رہی ہے
شبِ اسریٰ کے دولہا کی سواری
ورائے عرش لائی جا رہی ہے
فکان قاب قوسین او ادنیٰ
دوئی بالکل مٹائی جا رہی ہے
کوئی رمز حقیقت ہے فاوحیٰ

منقبت حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ

متاع قدسیاں عثمانِ ہاروں
مرادِ عاشقاں عثمانِ ہاروں
نشانہا یافتند از ہمت تو!
دلیلِ عارفاں عثمانِ ہاروں
توئی ماویٰ و ملجا درد و عالم
پناہِ دو جہاں عثمانِ ہاروں
کرم فرما بحال بندۂ خویش
نہاں وہم عیاں عثمانِ ہاروں
غلامم چاکرم من خانہ زادم
ترحم جاوداں عثمانِ ہاروں
فراموشم مکن اے جان پاکاں
دعائے مُقبلاں عثمانِ ہاروں
مرابا حاسداں ایذا رساناں
بدہ امن و اماں عثمانِ ہاروں

منقبتِ خواجۂ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ

مکینِ منزلِ وحدت فضا غریب نوازؒ
کہ حق نگر بھی ہیں اور حق نما غریب نوازؒ
مریضِ غم کے مسیحا ہو یا غریب نوازؒ
دوائے دردِ دل مبتلا غریب نوازؒ
چراغ انجمنِ مصطفےٰؐ ، غریب نوازؒ
سرور جان و دِل مرتضیٰؓ غریب نوازؒ
سکونِ خاطر زہراؓ ہو یا غریب نوازؒ
مراد پنجتن پاکؓ یا غریب نوازؒ
ہو زیب و زینت کل اولیاء غریب نوازؒ
خدا کی عین مشیت ہو یا غریب نوازؒ
اگر یہ دور نبوت نہ ختم ہو جاتا
تو انبیاء کی حقیقت تھے یا غریب نوازؒ
سراغِ منزلِ عرفانِ حق ملے اُس کو
جو مٹ کے عشق میں ہو خاک پا غریب نوازؒ
اے بادِ صبا آہستہ رو حد ادب ملحوظ رکھ
اور پیغام فراق غم کو بھی ملحوظ رکھ
کوئے پاکِ خواجہ اجمیر میں چل سر کے بل
حرفِ مطلب پیش کر خاطر کو بھی ملحوظ رکھ

فطری انداز میں آپ اس شخص سے یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بطفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضل کرے گا۔ یہ کیفیت الفاظ میں بیان کرنی مشکل ہے آپ کے اس قول میں اپنی ذات کی جس طرح نفی معلوم ہوتی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس موقع پر اللہ فضل کرے گا' اللہ فضل کرے گا کی تکرار ایک جانب حاجت مند کو حقیقی دلاسا دیتی تو دوسری جانب اس محفل میں موجود حاضرین کی روح تک تسکین کا احساس پاتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بصارت و بصیرت سے سرفراز فرمایا تھا۔ ملکی حالات و واقعات کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ بھرپور سیاسی بصیرت کے مالک تھے لیکن اپنے بزرگوں کی طرح عملی سیاست سے دور رہتے تھے۔

علماء ومشائخ کانفرنس ۱۹۸۵ء میں شرکت

سابق جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان نے ۱۹۸۵ء میں علماء ومشائخ کی کانفرنس اسلام آباد میں طلب کی۔ اسلامی نظام حکومت واحد ایجنڈا تھا۔ جذبِ صادق کے ساتھ آپ نے بھی دیگر علماء ومشائخ کی طرح اس میں شرکت فرمائی لیکن وہاں پہنچ کر جب یہ محسوس کیا کہ تمام کارروائی نشستند وگفتند وبرخواستند کے لئے یا اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے کی جارہی ہے تو آپ نے کانفرنس میں موجود ہوتے ہوئے بھی صدر ضیاء الحق سے ملنا پسند نہ فرمایا۔ آپ کا فرمانا تھا کہ جس شخص کو امیر المومنین بنانے کی تیاری کی جارہی تھی میرے نزدیک وہ اس کا قطعی اہل نہیں تھا چنانچہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے لئے میں نے اس سے مصافحہ کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ اس کے بعد دوبارہ ایک کانفرنس اسی نوع کی بلائی گئی لیکن آپ نے نہ اس میں شرکت مناسب سمجھی نہ ہی اس دعوت نامہ کا جواب دینا ضروری جانا۔

حجاز کانفرنس لندن میں شرکت

مئی ۱۹۸۵ء میں ورلڈ اسلامک مشن کے تحت حجاز کانفرنس کا انعقاد لندن میں کیا گیا تھا یہ ایک ایسا مسئلہ تھا کہ مسلک کے اعتبار سے انتہائی اہم تھا چنانچہ سعودی حکومت میں اپنے مقامات مقدسہ کے تحفظ کی خواہش اور پروگرام لے کر آپ اس کانفرنس میں شریک ہوئے اور اپنی جانب سے تجاویز بھی پیش فرمائیں۔

۵ مئی ۱۹۸۵ء کو ویمبلے کانفرنس سینٹر لندن میں ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ کے زیر اہتمام منعقدہ عظیم الشان بین الاقوامی حجاز کانفرنس میں عالمِ اسلام کے لگ بھگ پانچ ہزار علماء کرام اور مشائخ عظام نے شرکت فرمائی۔ کانفرنس کا مقصد موجودہ سعودی حکومت کو باور کرانا تھا کہ وہ قرآن وسنت کے خلاف حجازِ مقدس میں مساجد، مزارات اور دیگر مقدس مقامات منہدم کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں کے سنی علماء اور عوام پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کا سلسلہ بند کرے۔

مسلمانانِ اسلام کے اِس مشترکہ جائز مطالبہ کے لئے منعقدہ کانفرنس میں دیوان صاحب سید آلِ مجتبےٰ علیخاں آپ کے چھوٹے بھائی پیرزادہ سید آلِ سیدی اور حضرت دیوان صاحب کے ولیعہد پیرزادہ سید آلِ حبیب بھی کانفرنس کے منتظمین کی خصوصی دعوت پر لندن تشریف لے گئے تھے۔

حضرت دیوان صاحب قبلہ نے کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت فرمائی نیز لندن پہنچنے پر اپنے بیان میں مطالبہ کیا کہ حجاز کانفرنس کو مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لئے عالمگیر تحریک کی بنیاد بنا دیا جائے۔ آپ نے فرمایا سعودی حکومت سے ہماری کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ سعودی حکومت اپنی حدودِ مملکت میں ہمارے

حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے نام کمشنر اجمیر شریف کا خط

(1927ء)

Dated Ajmer 25 June 27.

My dear Diwan Sahib,

The Director General of Archaeology in India informs me that the mehrabs of the "Sola Thumba" monument at Ajmer have been painted and renovated with modern colours and asks for an explanation of this.

In this connection I would invite your attention to the agreement entered into by the late Diwan Imamuddin with Government on the 24th November 1910, under condition 5 of which no repairs or renovation of any kind by you are permissible. Will you please, therefore, let me know what explanation should be given to the Director General.

Will you also kindly refrain from carrying out such repairs or renovation in future, as they are objectionable from the Archaeological point of view ?

Yours sincerely,

E C Gibson

To

Diwan Syed Ale Rasul Ali Khan,
Sajjada Nashin,
Durgah Khwaja Sahib,
AJMER.

IA.

شیخ المشائخ حضرت قبلہ دیوان سید آل رسول علیخانؒ

سجادہ نشین اجمیر شریف

وصال 1973ء

دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین اجمیر شریف
میں جلسہ کی صدارت کیلئے تشریف لا رہے ہیں

قیام پاکستان سے پہلے کی لی گئی تصویر حویلی حضرت دیوان صاحب اجمیر شریف

بائیں سے دائیں دیوان سید آل رسول علیخاں سجادہ نشین اجمیر شریف سجادہ نشین پاک پتن
دیوان قطب الدین کی دستار بندی کراتے ہوئے دیوان صاحب کے عقب میں پیر غلام محی الدین
گولڑہ شریف و دیگر مشائخ عظام و علماء کرام ہیں (1936ء)

دیوان سید آل رسول علیخاں سجادہ نشین اجمیر شریف سجادہ نشین پاک پتن دیوان قطب الدین
کی دستار بندی کراتے ہوئے ودیگر مشائخ عظام وعلماء کرام ہیں (1936ء)

بائیں سے دائیں
مخدوم غلام مصطفیٰ شاہ گیلانی
(دادا یوسف رضا گیلانی)
راجہ غضنفر علی خان
حامد رضا گیلانی
(چچا یوسف رضا گیلانی)
اور
حضرت دیوان سید
آلِ رسول علیخاں
سجادہ نشین اجمیر شریف
(1946ء)

بہ شکریہ سید یوسف رضا گیلانی (وزیر اعظم پاکستان)

حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں رحمۃ اللہ علیہ سرگودھا میں عرس مبارک
خواجہ غریب نواز کے موقع پر آمد (1952ء)

قبلہ حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں رحمۃ اللہ علیہ
اجمیر شریف میں عرس کے موقع پر

بائیں سے دائیں دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں سجادہ نشین اجمیر شریف مولانا عبدالستار نیازی
دیوان سید آل رسول علیخاں سجادہ نشین اجمیر شریف حضرت میاں علی محمد بسی شریف
پاکپتن شریف میں ختم نبوت کے اجلاس کے موقع پر گروپ فوٹو

حویلی دیوان صاحب پشاور میں عرس مبارک خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے موقع پر
حضرت دیوان سید آل رسول علیخاں رحمۃ اللہ علیہ
اور دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں رحمۃ اللہ علیہ (1962)

حضرت خواجہ خان محمد
سجادہ نشین تونسہ شریف
اور اُن کے عقب میں
پیر منظور احمد میروی صاحب
حضرت دیوان سید
آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ
کے چہلم شریف میں
شرکت کیلئے آ رہے ہیں
پیرزادہ سید آلِ سیدی معینی
پروفیسر سید آلِ محبوب
ہمراہ ہیں
(1973ء)

حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں رحمتہ اللہ علیہ کے چہلم شریف پر
حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی سجادہ نشین سیال شریف کا خطاب 1973ء

سلطان الہند کانفرنس ملتان کی صدارت دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں
جس میں غزالی زماں جناب سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب اور پیرزادہ
سید آل سیدی صاحب تشریف فرما ہیں

بائیں سے دائیں موجودہ سجادہ نشین (بموقع شادی خانہ آبادی) حضرت دیوان سید آل حبیب علیخاں،
حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی سجادہ نشین سیال شریف، حضرت دیوان سید آل مجتبیٰ رحمۃ اللہ علیہ
سجادہ نشین اجمیر شریف، عقب میں میجر سید انور علی شاہ صاحب (1978)

بائیں سے دائیں حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں سجادہ نشین اجمیر شریف ،
مولانا عبدالستار خان نیازی قائد اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد نورانی
عقب میں سید آلِ منیب معینی (رہائش گاہ دیوان صاحب پشاور) (1988)

انوار العلوم ملتان کے جلسے کی دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمۃ اللہ علیہ صدارت فرما رہے ہیں
جناب غزالی زماں سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب خطاب فرما رہے ہیں۔ اور دیوان صاحب کے
بائیں جانب قاری محمد میاں صاحب سجادہ نشین مولانا حامد علی خاں صاحب

پیرزادہ سید آلِ حامد معینی، امجد علی چشتی، حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخان رحمۃ اللہ علیہ
اور مولانا سید منظور شاہ (حویلی دیوان صاحب پشاور)

بائیں سے دائیں حامد سعید کاظمی صاحب، شاہ محمود قریشی سجادہ نشین
حضرت بہاؤ الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخان سجادہ نشین اجمیر شریف۔
دیوان سید آلِ حبیب علیخان (موجودہ سجادہ نشین) بموقع سالانہ سلطان الہند کانفرنس ملتان

بائیں سے دائیں قائد اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی
حضرت دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں سجادہ نشین اجمیر شریف
(حویلی دیوان صاحب) 1993

گلشن سلطان الہند میں منعقدہ پہلا عرس خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ (1992ء)

بائیں سے دائیں دیوان سید آل حبیب علیخاں موجودہ سجادہ نشین، حضرت دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں
سجادہ نشین اجمیر شریف حضرت مولانا شاہ احمد نورانی قائد اہلسنت، جنرل کے ایم اظہر،
صاحبزادہ محمد اکرم شاہ سجادہ نشین گڑھی شریف

حضرت دیوان

سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ

حضرت قبلہ عالم

نور محمد مہاروی رحمتہ اللہ علیہ

چشتیاں شریف پر حاضری

دے کر واپس آتے ہوئے

حضرت دیوان

سید آلِ حبیب علیخاں

اور

صاحبزادہ محمد ہاشم منگھیروی

گلشن سلطان الہند اجمیری میں منعقدہ پہلا عرس مبارک حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری 1992ء

بائیں سے دائیں سید آل طہٰ پیرزادہ حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں سجادہ نشین اجمیری شریف،

دیوان سید آلِ حبیب علیخاں موجودہ سجادہ نشین مولانا اسماعیل ذبیح (مرحوم)،

مولانا عبدالستار خان نیازی (مرحوم)

حضرت دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں رحمتہ اللہ علیہ بہاول پور میں محفل میلاد میں
شرکت فرمائی صاحبزادہ حامد سعید کاظمی شاہ صاحب ساتھ کھڑے ہیں

شیخ المشائخ حضرت دیوان سید آل مجتبیٰ علی خاں سجادہ نشین اجمیر شریف اور حضرت دیوان
سید آل حبیب علیخاں' حضرت خواجہ قبلہ عالم نور محمد مہارویؒ کے مزار پر حاضری کے موقع پر

عرس مبارک خواجہ غریب نواز کے موقع پر حضرت شاہ احمد نورانی صاحب اور حضرت شیخ المشائخ دیوان
سید آل مجتبیٰ علیخان سجادہ نشین اجمیر شریف۔ حضرت دیوان سید آل حبیب علیخان اور ساتھ مؤلف
ڈاکٹر سید آل اظہر آنس (گلشن سلطان الہند اجمیری)

حضور قبلہ عالم کے عرس مبارک کے موقع پر دیوان سید آل مجتبےٰ علی خاں کی شرکت آپ کے دائیں جانب
خواجہ عارف الدین صاحب اولاد خواجہ فخر جہاں بائیں جانب دوسرے نمبر پر غلام معین الدین سجادہ نشین قبلہ عالم
کے ساتھ خواجہ عطاء اللہ صاحب سجادہ نشین تونسہ شریف ان کے ساتھ حاجی کریم بخش مہاروی

دیوان سید آلِ حبیب علیخاں صاحب
کی دستار بندی کے موقع پر
میاں محمود صاحب
سجادہ نشین بسی شریف
(2001)

دیوان سید آلِ مجتبیٰ علیخاں رحمۃ اللہ علیہ کے چہلم شریف کے موقع پر دائیں سے بائیں حضرت میاں محمود احمد خان
سجادہ نشین بسی شریف، حضرت محمد اعظم شاہ سجادہ نشین گڑھی شریف دیوان صاحب، ولیعہد سید آلِ وجیہ معینی،
جناب امین الحسنات شاہ صاحب سجادہ نشین بھیرہ شریف، خواجہ محمد اللہ صدیقی (2001)

گلشن سلطان الہند میں دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چہلم کے موقع پر لی گئی تصویر
جناب دیوان سید آل حبیب علیخاں صاحب مدظلہ العالی کے بائیں جانب میاں محمود صاحب سجادہ نشین بسی شریف اور
اگلے ساتھ جناب قطب فرید چشتی عرف پوپی میاں ان کے ساتھ سید آل سیدی مینی تشریف فرما ہیں

بائیں سے دائیں دیوان سید آل حبیب علیخاں سجادہ نشین اجمیر شریف، دیوان مودود مسعود
سجادہ نشین پاک پتن شریف (رہائش گاہ دیوان صاحب پاکپتن شریف)

قبلہ دیوان سید آل حبیب علیخاں صاحب سجادہ نشین اجمیر شریف
پیر بل شریف (سرگودھا) کے سجادہ نشین پروفیسر محبوب حسین چشتی کے ہمراہ
بموقع سالانہ دستار فضیلت ادارہ معین الاسلام پیر بل شریف (سرگودھا)

حضرت قبلہ دیوان سید آل حبیب علیخاں صاحب 12 ربیع الاول شریف
راولپنڈی کے مرکزی جلوس کی صدارت فرماتے ہوئے اور بائیں جانب
ملک ابرار ایم این اے اور دیگر معززین

جامع مسجد معینیہ چشتیہ گلشن سلطان الہند میں حضور اقدس ﷺ کے
موئے مبارک کی زائرین زیارت کررہے ہیں

وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کے زیر اہتمام میں شاہ محمود قریشی وزیر خارجہ
حامد سعید کاظمی وزیر مذہبی امور دیوان سید آل حبیب علی خاں سجادہ نشین اجمیر شریف
تشریف فرما ہیں اور وزیر اعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی خطاب فرمارہے ہیں

قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی صاحب سالانہ عرس مبارک
گلشن سلطان الہند میں قبلہ دیوان صاحب سے محوِ گفتگو

بائیں سے دائیں خواجہ حمید الدین سجادہ نشین سیال شریف، دیوان سید آل حبیب علیخاں
موجودہ سجادہ نشین

سید محفوظ شاہ مشہدی، محمد خاں لغاری، ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی، حاجی حنیف طیب سابقہ وزیر، پیرزادہ
سید آل سیدی معینی، دیوان سید آل حبیب علی خاں سجادہ نشین اجمیر شریف، پیر افضل قادری، مولانا پیر محمد چشتی،
گلشن سلطان الہند اجمیری میں جمعیت علماء پاکستان کے مختلف دھڑوں کو متحد کرنے کا اجلاس (جولائی۔ 07

بائیں سے دائیں وزیر اعظم آزاد جموں و کشمیر سردار عتیق احمد خان، پیرزادہ سید آل سیدی معینی
دیوان سید آل حبیب علیخاں موجودہ سجادہ نشین، ولی عہد سید آل وجیہ پیرزادہ، پیرزادہ سید آل حبیب معینی
اور صاحبزادگان جنوری 2008ء عرس مبارک گلشن سلطان الہند اجمیری

سابقہ وفاقی وزیر اطلاعات شیخ رشید احمد عرس خواجہ غریب نواز کے موقع
پر دیوان صاحب سے مصافحہ کر رہے ہیں